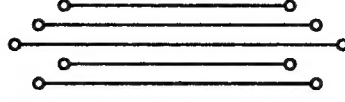


# تفسیر ابن کثیر



چند اہم مضامین کی فہرست



- |     |                                      |     |  |
|-----|--------------------------------------|-----|--|
| ۳۰۷ | • جہاد بقائے ملت کا بنیادی اصول      | ۲۳۱ | • تحویل کعبہ ایک امتحان بھی تھا اور تقرر جہت بھی |
| ۳۱۱ | • حرمت شراب کیوں                     | ۲۳۷ | • صفات نبوی سے اغماض برتنے والے یہودی علماء      |
| ۳۱۲ | • عفو اور اس کی وضاحتیں              | ۲۳۹ | • اللہ کی یاد شکر ہے اور بھول کفر ہے!            |
| ۳۱۳ | • پاک دامن عورتیں                    | ۲۴۱ | • وفائے عہد کے لیے آزمائش لازم ہے                |
| ۳۱۵ | • ایام حیض اور جماع سے متعلق مسائل   | ۲۴۳ | • صفا اور مردہ کا طواف                           |
| ۳۲۱ | • قسم اور کفارہ                      | ۲۴۵ | • حق بات کا چھپانا جرم عظیم ہے                   |
| ۳۲۲ | • ایلا اور اس کی وضاحت               | ۲۴۸ | • محبت الہ اپنی پسند ہے؟                         |
| ۳۲۲ | • طلاق کے مسائل                      | ۲۴۹ | • روزی دینے والا کون؟                            |
| ۳۲۷ | • رسم طلاق میں آئینی اصلاحات اور خلع | ۲۵۰ | • گمراہی اور جہالت کیا ہے؟                       |
| ۳۳۳ | • آئین طلاق کی وضاحت                 | ۲۵۱ | • حلال اور حرام کیا ہے؟                          |
| ۳۳۵ | • مسئلہ رضاعت                        | ۲۵۳ | • بدترین لوگ                                     |
| ۳۳۷ | • خاوند کے انتقال کے بعد             | ۲۵۵ | • ایمان کا ایک پہلو                              |
| ۳۴۰ | • پیغام نکاح                         | ۲۵۷ | • قصاص کی وضاحت                                  |
| ۳۴۱ | • حق مہر کب اور کتنا؟                | ۲۶۰ | • وصیت کی وضاحت                                  |
| ۳۴۲ | • صلوٰۃ وسطیٰ کون سی ہے؟             | ۲۶۲ | • روزہ اور روزہ اور صلوٰۃ                        |
| ۳۴۹ | • بیوگان کے قیام کا مسئلہ            | ۲۶۵ | • نزول قرآن اور ماہ رمضان                        |
| ۳۵۱ | • موت اور زندگی                      | ۲۶۸ | • دعا اور اللہ مجیب الدعوات                      |
| ۳۵۲ | • خوئے بدر اہل نہایت                 | ۲۷۰ | • رمضان میں مراعات اور کچھ پابندیاں              |
| ۳۵۵ | • تابوت سکینہ اور جنگ طالوت و جالوت  | ۲۷۷ | • چاند اور مہر و سال                             |
| ۳۵۶ | • نہر الشریعہ                        | ۲۷۸ | • حکم جہاد اور شرائط                             |
| ۳۵۷ | • جالوت مارا گیا                     | ۲۸۱ | • بیعت رضوان                                     |
|     |                                      | ۲۸۷ | • حج اور عمرہ کے مسائل                           |
|     |                                      | ۲۸۸ | • احرام کے مسائل                                 |
|     |                                      | ۲۹۷ | • ایام تشریق                                     |
|     |                                      | ۳۰۱ | • تذکرہ شفاعت                                    |
|     |                                      | ۳۰۲ | • آدم علیہ السلام سے حضرت نوح علیہ السلام تک     |

سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلَّاهُمْ عَنْ قِبَلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا  
عَلَيْهَا قُلْ لِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ

### مُسْتَقِيمٍ ﴿۱۱۱﴾

عقرب نادان لوگ کہیں گے کہ جس قبلہ پر یہ تھے اس نے انہیں اس چیز نے بتایا۔ تو کہہ دے کہ مشرق و مغرب ہاں کہ اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ وہ جسے چاہے سیدھی راہ  
○ ○ ○

تحویل کعبہ ایک امتحان بھی تھا اور تقرر جہت بھی: ☆ ☆ (آیت: ۱۴۲) بے بقوفوں سے مرد: یہاں شریکین عرب اور علماء یہودی اور منافقین وغیرہ ہیں۔ صحیح بخاری شریف میں حضرت براءؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے سولہ یا سترہ مہینہ تک بیت المقدس کی طرف نماز پڑھی لیکن خود آپؐ کی چاہت یہ تھی کہ آپؐ کا قبلہ بیت اللہ شریف ہو چنانچہ اب حکم آ گیا اور آپؐ نے عصر کی نماز اس کی طرف ادا کی۔ آپؐ کے ساتھ نمازیوں میں سے ایک شخص کسی اور مسجد میں پہنچا وہاں جماعت رکوع میں تھی۔ اس نے ان سے کہا اللہ کی قسم میں نبی ﷺ کے ساتھ مکہ کی طرف نماز پڑھ کر ابھی آ رہا ہوں جب ان لوگوں نے سنا تو اسی حالت میں وہ کعبہ کی طرف گھوم گئے۔ اب بعض لوگوں نے یہ کہا کہ جو لوگ اگلے قبلہ کی طرف نمازیں پڑھتے ہوئے شہید ہو چکے ہیں ان کی نمازوں کا کیا حال ہے۔ تب یہ فرمان نازل ہوا کہ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِلَّ عِبَادَهُ اِيْمَانُ كَوْضَاعٌ لَا يُكَرَّرُ۔ ایک اور روایت میں ہے کہ جب حضورؐ بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے تھے تو آپؐ اکثر آسمان کی طرف نظریں اٹھاتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے منتظر تھے یہاں تک کہ آیت قَدْ نَزَّلْنَا اِلٰخ نَازِلٌ هُوَئِیْ اور کعبہ قبلہ مقرر ہوا۔ لوگوں نے اگلے قبلہ کی طرف نماز پڑھنے والوں کے بارے میں سوال کیا جس پر فرمان مَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِلَّ عِبَادَهُ اور ان کی نمازوں کی طرف سے اطمینان ہوا۔

اب بعض بے وقوف اہل کتاب نے قبلہ کے بدلے جانے پر اعتراض کیا جس پر یہ آیتیں سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ اِلٰخ نَازِلٌ ہوں گی۔ شروع ہجرت کے وقت مدینہ شریف میں آپؐ کو بیت المقدس کی طرف نمازیں ادا کرنے کا حکم ہوا تھا۔ یہود اس سے خوش تھے لیکن آپؐ کی چاہت اور دعا قبلہ ابراہیمی کی تھی آخر جب یہ حکم نازل ہوا تو یہودیوں نے جھٹ سے اعتراض جز دیا جس کا جواب ملا کہ مشرق و مغرب اللہ ہی کے ہیں۔ اس مضمون کی اور بھی بہت سی روایتیں ہیں خلاصہ یہ ہے کہ مکہ شریف میں آپؐ دونوں رکن کے درمیان نماز پڑھتے تھے تو آپؐ کے سامنے کعبہ ہوتا تھا اور بیت المقدس کے صحرہ کی طرف آپؐ کا منہ ہوتا تھا، لیکن مدینہ جا کر یہ معاملہ مشکل ہو گیا دونوں جمع نہیں ہو سکتے تھے تو وہاں آپؐ کو بیت المقدس کی طرف نماز ادا کرنے کا حکم قرآن میں نازل ہوا تھا یا دوسری وحی کے ذریعہ یہ حکم ملا تھا۔ بعض بزرگ تو کہتے ہیں یہ صرف حضورؐ کا اجتہادی امر تھا اور مدینہ آنے کے بعد کئی ماہ تک اسی طرف آپؐ نمازیں پڑھتے رہے گو چاہت اور تھی یہاں تک کہ پروردگار نے بیت العتیق کی طرف منہ پھیرنے کو فرمایا اور آپؐ نے اس طرف منہ کر کے پہلے نماز عصر پڑھی اور پھر لوگوں کو اپنے خطبہ میں اس امر سے آگاہ کیا۔ بعض روایتوں میں یہ بھی آتا ہے کہ یہ ظہر کی نماز تھی۔ حضرت ابوسعید بن معلیؓ فرماتے ہیں میں نے اور میرے ساتھی نے اول اول کعبہ کی طرف نماز پڑھی ہے اور یہ ظہر کی نماز تھی۔ بعض مفسرین وغیرہ کا بیان ہے کہ نبی ﷺ پر جب قبلہ بدلنے کی آیت نازل ہوئی اس وقت آپؐ مسجد بنی سلمہ میں ظہر کی نماز پڑھ رہے تھے دو رکعت ادا کر چکے تھے۔ پھر باقی کی دو رکعتیں آپؐ نے بیت اللہ شریف کی طرف پڑھیں اسی وجہ سے اس مسجد کا نام ہی مسجد القبلتین یعنی دو قبلوں والی مسجد ہے۔ حضرت نویلہ بنت مسلمؓ فرماتی ہیں کہ ہم ظہر کی نماز میں تھے جب ہمیں یہ خبر ملی اور ہم نماز میں ہی گھوم گئے۔ مرد عورتوں کی جگہ آ گئے اور عورتیں مردوں کی جگہ جا پہنچیں ہاں اہل قبا کو دوسرے دن صبح کی نماز کے وقت یہ خبر

پہنچی۔ بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ لوگ مسجد قبا میں صبح کی نماز ادا کر رہے تھے۔ ناگاہ کسی آنے والے نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ پر رات کو حکم قرآنی نازل ہوا اور کعبہ کی طرف متوجہ ہونے کا حکم ہو گیا چنانچہ ہم لوگ بھی شام کی طرف منہ ہٹا کر کعبہ کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ناخ کے حکم کا لزوم اس وقت ہوتا ہے جب اس کا علم ہو جائے گو وہ پہلے ہی پہنچا چکا ہو اس لئے کہ ان حضرات کو عصر، مغرب اور عشاء کے لوٹانے کا حکم نہیں ہوا واللہ اعلم۔ اب باطل پرست کمزور عقیدہ والے باتیں بنانے لگے کہ اس کی کیا وجہ ہے کبھی اسے قبلہ کہتا ہے، کبھی اسے قبلہ قرار دیتا ہے۔ انہیں جواب ملا کہ حکم اور تصرف اور امر اللہ تعالیٰ ہی کا ہے جدھر منہ کر دے اسی طرف اس کا منہ ہے۔ بھلائی اسی میں نہیں آگئی بلکہ اصلیت تو ایمان کی مضبوطی ہے جو ہر حکم کے ماننے پر مجبور کر دیتی ہے اور اس میں گویا مومنوں کو ادب سکھایا گیا ہے کہ ان کا کام صرف حکم کی بجا آوری ہے۔ جدھر انہیں متوجہ ہونے کا حکم دیا جائے یہ متوجہ ہو جاتے ہیں۔ اطاعت کے معنی اس کے حکم کی تعمیل کے ہیں۔ اگر وہ ایک دن میں سو مرتبہ ہر طرف گھمائے تو ہم بخوشی گھوم جائیں گے۔ ہم اس کے غلام ہیں ہم اس کے ماتحت ہیں اس کے فرمانبردار ہیں اور اس کے خادم ہیں جدھر وہ حکم دے گا پھیر لیں گے امت محمدیہ پر یہ بھی اللہ تعالیٰ کا اکرام ہے کہ انہیں غلیل الرحمان علیہ السلام کے قبلہ کی طرف منہ کرنے کا حکم ہوا جو اسی لاشریک کے نام پر بنایا گیا ہے اور تمام تر فضیلتیں جسے حاصل ہیں۔ مسند احمد کی ایک مرفوع حدیث ہے کہ یہودیوں کو ہم سے اس بات پر بہت حسد ہے کہ اللہ نے ہمیں جمعہ کے دن کی توفیق دی اور یہ اس سے بھٹک گئے اور اس پر کہ ہمارا قبلہ یہ ہے اور وہ اس سے گمراہ ہو گئے اور بڑا احسان کو ہماری آئین کہنے پر بھی ہے جو ہم امام کے پیچھے کہتے ہیں۔

وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ  
وَيَكُونَ الرُّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا ۚ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ  
عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعُ الرُّسُولَ ۚ أَلَا يَتَّقِلُ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ  
وَإِنْ كَانَتْ لَكَبِيرَةً إِلَّا عَلَى الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ ۚ وَمَا كَانَ  
اللَّهُ لِيُضَيِّعَ إِيمَانَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَرُؤُوفٌ رَّحِيمٌ ۝

ہم نے اسی طرح تمہیں عادل امت بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ اور رسول تم پر گواہ ہو جائیں جس قبلہ پر تم پہلے سے تھے اسے ہم نے صرف اس لئے مقرر کیا تھا کہ ہم جان لیں کہ رسول کا سچا تابعدار کون ہے اور کون ہے جو اپنی ایڑیوں پر پلٹ جاتا ہے گو یہ کام مشکل ہے مگر جنہیں اللہ نے ہدایت دی (ان پر کوئی مشکل نہیں) اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان ضائع نہ کرے گا اللہ تعالیٰ لوگوں کے ساتھ شفقت اور مہربانی کرنے والا ہے ○

(آیت: ۱۴۳) پھر فرماتا ہے کہ اس پسندیدہ قبلہ کی طرف تمہیں متوجہ کرنا اس لئے کہ تم خود بھی پسندیدہ امت ہو تم اور امتوں پر قیامت کے دن گواہ بنے رہو گے کیونکہ وہ سب تمہاری فضیلت مانتے ہیں۔ وسط کے معنی یہاں پر بہتر اور عمدہ کے ہیں جیسے کہا جاتا ہے کہ قریش نسب کے اعتبار سے وسط عرب ہیں اور کہا گیا ہے کہ حضور علیہ السلام اپنی قوم میں وسط تھے یعنی اشرف نسب والے اور صلوة وسطیٰ یعنی افضل تر نماز جو عصر ہے جیسے صحیح احادیث سے ثابت ہے اور چونکہ تمام امتوں میں یہ امت بھی بہتر افضل اور اعلیٰ تھی اس لئے انہیں شریعت بھی کامل راستہ بھی بالکل درست ملا اور دین بھی بہت واضح دیا گیا جیسے فرمایا: هُوَ اجْتَبَاكُمْ الخ اس اللہ نے تمہیں چن لیا اور تمہارے دین میں کوئی تنگی نہیں کی۔ تمہارے باپ ابراہیمؑ کے دین پر تم ہوا ہی نے تمہارا نام مسلم رکھا ہے۔ اس سے پہلے بھی اور اس میں بھی تاکہ رسول تم پر گواہ ہو اور تم لوگوں پر۔

پھر فرماتا ہے کہ اگلا قبلہ صرف امتحان تھا یعنی پہلے بیت المقدس کو قبلہ مقرر کر کے پھر کعبۃ اللہ کی طرف پھیرنا صرف اس لئے تھا



کہ معلوم ہو جائے کہ سچا تابع در کون ہے؟ اور جہاں آپ توجہ کریں وہیں اپنی توجہ کرنے والا کون ہے اور کون ہے جو ایک دم کروٹ لے لیتا ہے اور مرتد ہو جاتا ہے؟ یہ کام فی الحقیقت اہم کام تھا لیکن جن کے دلوں میں ایمان و یقین ہے، جو رسول اللہ کے سچے پیروکار ہیں، جو جانتے ہیں کہ حضور جو فرمائیں سچ ہے، جن کا عقیدہ ہے کہ اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے، جو ارادہ کرتا ہے حکم کرتا ہے، اپنے بندوں کو جس طرح چاہے حکم دے، جو چاہے مٹائے، جو چاہے باقی رکھے، اس کا ہر کام ہر حکم حکمت سے پر ہے، ان پر اس حکم کی بجا آوری کچھ بھی مشکل نہیں ہاں بیمار دل والے تو جہاں نیا حکم آیا انہیں فوراً نیا در داٹھا۔ قرآن کریم میں اور جگہ ہے وَإِذَا مَا أَنْزَلْتُ سُورَةً أَلْحَ يَعْنِي جَبْ كَبْھى كُوى سورت نازل ہوتی ہے تو ان میں سے بعض پوچھتے ہیں اس سے کس کا ایمان بڑھا؟ حقیقت یہ ہے کہ ایمانداروں کے ایمان بڑھتے ہیں اور ان کی دلی خوشی بھی اور بیمار دل والے اپنی بلیدی میں اور بڑھ جاتے ہیں۔ اور جگہ فرمان ہے۔ قُلْ هُوَ الَّذِي أَمَّنُوا هُدًى وَشِفَاءً وَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ فِي آذَانِهِمْ وَقْرٌ وَهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى یعنی ایمان والوں کے لئے یہ ہدایت اور شفا ہے اور بے ایمان لوگوں کے کانوں میں بوجھ اور آنکھوں پر اندھا پاء ہے۔ اور جگہ فرمان ہے وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ وَلَا يَزِيدُ الظَّالِمِينَ إِلَّا خَسَارًا یعنی ہمارا اتارا ہوا قرآن مومنوں کے لئے سراسر شفا اور رحمت ہے اور ظالموں کا نقصان ہی بڑھتا رہتا ہے۔ اس واقعہ میں بھی تمام بزرگ صحابہ ثابت قدم رہے۔ اول اول سبقت کرنے والے مہاجر اور انصار دونوں قلوب کی طرف نماز پڑھنے والے ہیں چنانچہ اوپر حدیث بیان ہو چکی کہ کس طرح وہ نماز پڑھتے ہوئے یہ خبر سن کر گھوم گئے جس سے ان کی کمال اطاعت اور اعلیٰ درجہ کی فرمانبرداری ثابت ہوئی۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ تمہارے ایمان کو ضائع نہیں کرے گا یعنی تمہاری بیت المقدس کی طرف پڑھی ہوئی نمازیں رو نہیں ہوں گی۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں بلکہ ان کی اعلیٰ ایمان داری ثابت ہوئی انہیں دونوں قلوب کی طرف نماز پڑھنے کا ثواب عطا ہوگا۔ یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ محمد ﷺ کو اور ان کے ساتھ تمہارے گھوم جانے کو ضائع نہ کرے گا۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ رؤف و رحیم ہے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے ایک جنگی قیدی عورت کو دیکھا جس سے اس کا بچہ چھوٹ گیا تھا۔ وہ اپنے بچے کو پاگلوں کی طرح تلاش کر رہی تھی اور جب وہ نہیں ملا تو قیدیوں میں سے جس کسی بچہ کو دیکھتی اسی کو گلے لگا لیتی یہاں تک کہ اس کا اپنا بچہ مل گیا خوشی خوشی لپک کر اسے گود میں اٹھالیا سینے سے لگایا پیار کیا اور اس کے منہ میں دودھ دیا۔ یہ دیکھ کر حضورؐ نے صحابہؓ سے فرمایا: بٹاؤ یہ اپنا بس چلے ہوئے اس بچہ کو آگ میں ڈال دے گی؟ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ ہرگز نہیں۔ آپؐ نے فرمایا اللہ کی قسم جس قدر یہ ماں اپنے بچہ پر مہربان ہے اس سے کہیں زیادہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر رؤف و رحیم ہے۔

قَدْ نَرَى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا  
فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ  
شَطْرَهُ وَإِنَّ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ  
وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُونَ

ہم نے تیرے منہ کا آسمان کی طرف پھرنا دیکھا، اب ہم تجھے اس قبلہ کی جانب متوجہ کریں گے جس سے تو خوش ہو جائے۔ تو اپنا منہ مسجد حرام کی طرف پھیر لے اور تم جہاں کہیں ہو اپنا منہ اسی کی طرف پھیر کر واصل کتاب کو اس کے اللہ کی طرف سے اور حق ہونے کا قطعی علم ہے اور اللہ تعالیٰ ان اعمال سے غافل نہیں

جو یہ کرتے ہیں ○

خشوع و خضوع ضروری ہے: ☆☆ (آیت: ۱۳۳) حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ قرآن میں قبلہ کا حکم پہلا نسخ ہے۔ حضورؐ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ یہاں کے اکثر باشندے یہود تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بیت المقدس کی طرف نمازیں پڑھنے کا حکم دیا۔ یہود اس سے بہت خوش ہوئے۔ آپ کئی ماہ تک اسی رخ نماز پڑھتے رہے لیکن خود آپ کی چاہت قبلہ ابراہیمی کی تھی آپ اللہ سے دعائیں مانگا کرتے تھے اور نگاہیں آسمان کی طرف اٹھایا کرتے تھے۔ بالاخر آیت قَدْ نَرَىٰ اِلٰخَ نَازِلَ ہوئی۔ اس پر یہود کہنے لگے کہ اس قبلہ سے یہ کیوں ہٹ گئے جس کے جواب میں کہا گیا کہ مشرق اور مغرب کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے اور فرمایا جدھر تمہارا منہ ہو ادھر ہی اللہ کا منہ ہے اور فرمایا کہ اگلا قبلہ امتحان تھا اور روایت میں ہے کہ حضورؐ نماز کے بعد اپنا سر آسمان کی طرف اٹھاتے تھے۔ اس پر یہ آیت اتری اور حکم ہوا کہ مسجد حرام کی طرف کعبہ کی طرف میزاب کی طرف منہ کرو۔ جبرائیل علیہ السلام نے امت کرائی۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد حرام میں میزاب کے سامنے بیٹھے ہوئے اس آیت پاک کی تلاوت کی اور فرمایا میزاب کعبہ کی طرف رخ کرنے کا حکم ہے۔ امام شافعیؒ کا بھی ایک قول یہ ہے کہ عین کعبہ کی طرف توجہ مقصود ہے اور دوسرا قول آپ کا یہ ہے کہ کعبہ کی جہت ہونا کافی ہے اور یہی مذہب اکثر ائمہ کرام کا ہے حضرت علیؓ فرماتے ہیں۔ مراد اس کی طرف ہے۔ ابوالعالیہؒ مجاہدؒ عکرمہؒ سعید بن جبیرؒ قتادہؒ ربیع بن انسؒ وغیرہ کا بھی یہی قول ہے۔ ایک حدیث میں بھی ہے کہ مشرق و مغرب کے درمیان قبلہ ہے۔

ابن جریجؒ میں حدیث ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں بیت اللہ مسجد حرام والوں کا قبلہ ہے اور مسجد اہل حرم کا قبلہ ہے اور تمام زمین والوں کا حرم قبلہ ہے خواہ مشرق میں ہوں خواہ مغرب میں میری تمام امت کا قبلہ یہی ہے۔ ابویعیم میں بروایت براء مروی ہے کہ حضورؐ نے سولہ سترہ مہینے تک تو بیت المقدس کی طرف نماز پڑھی لیکن آپ کو پسند امر یہ تھا کہ بیت اللہ کی طرف پڑھیں چنانچہ اللہ کے حکم سے آپؐ نے بیت اللہ کی طرف متوجہ ہو کر عصر کی نماز ادا کی۔ پھر نمازیوں میں سے ایک شخص مسجد والوں کے پاس گیا وہ رکوع میں تھے۔ اس نے کہا میں حلیفہ گو اہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مکہ شریف کی طرف نماز ادا کی۔ یہ سن کر وہ جس حالت میں تھے اسی حالت میں بیت اللہ شریف کی طرف پھر گئے۔ عبدالرزاقؒ میں بھی یہ روایت قدرے کمی بیشی کے ساتھ مروی ہے۔ نسائیؒ میں حضرت ابوسعید بن معلیؓ سے مروی ہے کہ ہم صبح کے وقت مسجد نبویؐ محصور کے زمانہ میں جایا کرتے تھے اور وہاں کچھ نوافل پڑھا کرتے تھے۔ ایک دن ہم گئے تو دیکھا نبی ﷺ منبر پر بیٹھے ہوئے ہیں میں نے کہا آج کوئی نئی بات ضرور ہوئی ہے میں بھی بیٹھ گیا تو حضورؐ نے یہ آیت قَدْ نَرَىٰ اِلٰخَ تلاوت فرمائی۔ میں نے اپنے ساتھی سے کہا۔ آؤ نبی ﷺ فارغ ہوں کہ منبر سے اترنے سے پہلے ہی ہم اس نئے حکم کی تعمیل کریں اور اول فرامیہ دار بن جائیں چنانچہ ہم ایک طرف ہو گئے اور سب سے پہلے بیت اللہ شریف کی طرف نماز پڑھی۔ پھر حضور بھی منبر سے اتر آئے اور اس قبلہ کی طرف پہلی نماز نظر ادا کی گئی۔

ابن مردویہؒ میں بروایت ابن عمر مروی ہے کہ پہلی نماز جو حضورؐ نے کعبہ کی طرف ادا کی وہ ظہر کی نماز ہے اور یہی نماز صلوٰۃ وسطیٰ ہے لیکن مشہور یہ ہے کہ پہلی نماز کعبہ کی طرف عصر کی ادا ہوئی اسی وجہ سے اہل قبا کو دوسرے دن صبح کے وقت اطلاع پہنچی۔ ابن مردویہؒ میں بروایت نویل بنت مسلم موجود ہے کہ ہم مسجد بنو حارثہ میں ظہر یا عصر کی نماز بیت المقدس کی طرف منہ کئے ہوئے ادا کر رہے تھے۔ دو رکعت پڑھ چکے تھے کہ کسی نے آ کر قبلہ کے بدل جانے کی خبر دی۔ چنانچہ ہم نماز ہی میں بیت اللہ کی طرف متوجہ ہو گئے اور باقی نماز اسی طرف ادا کی اس

گھومنے میں مرد عورتوں کی جگہ اور عورتیں مردوں کی جگہ آگئیں۔ آپ کے پاس جب یہ خبر پہنچی تو خوش ہو کر فرمایا: یہ ہیں ایمان بالغیب رکھنے والے۔ ابن مردودہ میں بروایت عمارہ بن اوس مروی ہے کہ رکوع کی حالت میں ہمیں اطلاع ہوئی اور ہم سب مرد عورتیں بچے اسی حالت میں قبلہ کی طرف گھوم گئے۔

پھر ارشاد ہوتا ہے تم جہاں بھی ہو مشرق مغرب شمال یا جنوب میں ہر صورت نماز کے وقت منہ کعبہ کی طرف کر لیا کرو ہاں البتہ سفر میں سواری پر نفل پڑھنے والا جدھر سواری جارہی ہو اُدھر جس طرف بن پڑے نماز ادا کر لے اور اسی طرح وہ شخص جسے قبلہ کی جہت کا قطعی علم نہیں وہ اندازے سے جس طرف زیادہ دل مانے نماز ادا کر لے۔ پھر گواس کی نماز فی الواقع قبلہ کی طرف نہ بھی ہوئی ہو تو بھی وہ اللہ کے ہاں معاف ہے۔ مسئلہ مالکیہ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ نمازی حالت نماز میں اپنے سامنے اپنی نظریں رکھے نہ کہ سجدے کی جگہ جیسے کہ شافعی، احمد اور ابوحنیفہ کا مذہب ہے۔ اس لئے کہ آیت کے الفاظ یہ ہیں کہ منہ مسجد الحرام کی طرف کر دو اور اگر سجدے کی جگہ نظر جمانا چاہے گا تو قدرے جھکنا پڑے گا اور یہ تکلف کمال خشوع کے خلاف ہوگا۔ بعض مالکیہ کا یہ قول بھی ہے کہ قیام کی حالت میں اپنے سینہ کی طرف نظر رکھے۔ قاضی شریک کہتے ہیں کہ قیام کے وقت سجدہ کی جگہ نظر رکھے جیسے کہ جمہور جماعت کا قول ہے اس لئے کہ یہ پورا پورا خشوع خضوع ہے اور ایک حدیث بھی اس مضمون کی وارد ہوئی ہے اور رکوع کی حالت میں اپنے قدموں کی جگہ پر نظر رکھے اور سجدے کے وقت ناک کی جگہ اور اتھتیا کے وقت اپنی گودی کی طرف۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ یہ یہودی جو چاہیں باتیں بنائیں لیکن ان کے دل جانتے ہیں کہ قبلہ کی تبدیلی اللہ کی جانب سے ہے اور برحق ہے کیونکہ یہ خود ان کی کتابوں میں بھی موجود ہے لیکن یہ لوگ کفر و عناد اور تکبر و حسد کی وجہ سے اسے چھپاتے ہیں۔ اللہ بھی ان کی ان کرتوتوں سے بے خبر نہیں۔

وَلَئِنْ آتَيْنَا الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ بِكُلِّ آيَةٍ مَا تَبِعُوا قِبْلَتَكَ وَمَا أَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ وَلَئِنْ آتَيْتَ أَهْوَاءَهُمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ إِنَّكَ إِذَا لَمِنَ الظَّالِمِينَ ۝

تو اگر چہ اہل کتاب کو تمام دلیلیں دے دے لیکن وہ تیرے قبلہ کی پیروی نہیں کریں گے اور نہ تو ان کے قبلہ کا ماننے والا ہے اور نہ یہ آپس میں ایک دوسرے کے قبلہ کو ماننے والے ہیں اور اگر تو باوجود یکہ تیرے پاس علم آچکا پھر بھی ان کی خواہشوں کے پیچھے لگ جائے تو بالیقین تو بھی ظالموں میں سے ہے ○

کفر و عناد زدہ یہودی: ☆ ☆ (آیت: ۱۳۵) یہودیوں کے کفر و عناد اور مخالفت و سرکشی کا بیان ہو رہا ہے کہ باوجود یکہ رسول کی شان کا انہیں علم ہے لیکن پھر بھی یہ حالت ہے کہ ہر قسم کی دلیلیں پیش ہو چکنے کے بعد بھی حق کی پیروی نہیں کرتے جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں إِنَّ الَّذِينَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ وَلَوْ جَاءَتْهُمْ كُلُّ آيَةٍ حَتَّى يَرَوْا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ یعنی جن لوگوں پر تیرے رب کی بات ثابت ہو چکی ہے وہ ایمان نہ لائیں گے چاہے ان کے پاس یہ تمام آیتیں آجائیں یہاں تک کہ دردناک عذاب نہ دیکھ لیں۔

پھر اپنے نبی کی اس استقامت پر بیان فرماتا ہے کہ جس طرح وہ ناحق پر ڈٹے ہوئے ہیں اور وہاں سے ہٹنا نہیں چاہتے تو وہ بھی

سمجھ لیں کہ ہمارے نبی ایسے نہیں کہ ان کی باتوں میں آجائیں اور ان کی راہ چل پڑیں وہ ہمارے تابع فرمان ہیں اور ہماری مرضی کے عامل ہیں۔ ان کی باطل خواہش کی تابعداری ہرگز نہیں کریں گے نہ ان سے یہ ہو سکتا ہے کہ ہمارا حکم آجانے کے بعد ان کے قبلہ کی طرف توجہ کریں۔ پھر اپنے نبی کو خطاب کر کے دراصل علماء کو دھمکایا گیا کہ حق کے واضح ہو جانے کے بعد کسی کے پیچھے لگ جانا اور اپنی یا دوسروں کی خواہش پرستی کرنا یہ صریح ظلم ہے۔

الَّذِينَ اتَيْنَهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ آبْنَاءَهُمْ وَإِنَّ  
فَرِيقًا مِنْهُمْ لَيَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ۝ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ  
فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ۝ وَلِكُلِّ وُجْهَةٍ هُوَ مَوْلِيهَا فَاسْتَبِقُوا  
الْخَيْرَاتِ ۚ إِنَّ مَا تَكُونُوا يَاتِ بِكُمْ اللَّهُ جَمِيعًا ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ  
كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝

جنہیں ہم نے کتاب دی ہے وہ تو اسے ایسا پہچانتے ہیں جیسے کوئی اپنے بچوں کو پہچانے ان کی ایک جماعت حق کو جان کر پھر چھپاتی ہے ○ تیرے رب کی طرف سے یہ سراسر حق ہے۔ خبردار تو شک والوں میں سے نہ ہونا ○ ہر شخص ایک نہ ایک طرف متوجہ ہو رہا ہے۔ تم نیکیوں کی طرف دوڑو جہاں کہیں بھی تم ہو گے اللہ تمہیں لے آئے گا اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے ○

صفات نبوی سے اغماض برتنے والے یہودی علماء: ☆ ☆ (آیت: ۱۳۶-۱۳۷) ارشاد ہوتا ہے کہ علماء اہل کتاب رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی باتوں کی حقانیت کو اس طرح جانتے ہیں جس طرح باپ اپنے بیٹوں کو پہچانے۔ یہ ایک مثال تھی جو مکمل یقین کے وقت عرب دیا کرتے تھے۔ ایک حدیث میں ہے ایک شخص کے ساتھ چھوٹا بچہ تھا آپ نے اس سے پوچھا یہ تیرا لڑکا ہے اس نے کہا ہاں حضور آپ بھی گواہ رہے۔ آپ نے فرمایا نہ یہ تجھ پر پوشیدہ رہے نہ تو اس پر۔

قرطبی کہتے ہیں ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عبداللہ بن سلام سے جو یہودیوں کے زبردست علامہ تھے پوچھا کیا تو حضرت محمد ﷺ کو ایسا ہی جانتا ہے جس طرح اپنی اولاد کو پہچانتا ہے۔ جواب دیا ہاں بلکہ اس سے بھی زیادہ اس لئے کہ آسمانوں کا امین فرشتہ زمین کے امین شخص پر نازل ہوا اور اس نے آپ کی صحیح تعریف بتادی یعنی حضرت جبرائیل حضرت عیسیٰ کے پاس آئے اور پھر پروردگار عالم نے ان کی صفیں بیان کیں جو سب کی سب آپ میں موجود ہیں پھر ہمیں آپ کے نبی برحق ہونے میں کیا شک رہا ہم آپ کو بیک نگاہ کیوں نہ پہچان لیں؟ بلکہ ہمیں اپنی اولاد کے بارے میں شک ہے اور آپ کی نبوت میں کچھ شک نہیں۔ غرض یہ ہے کہ جس طرح لوگوں کے ایک بڑے مجمع میں ایک شخص اپنے لڑکے کو پہچان لیتا ہے اسی طرح حضور کے اوصاف جو اہل کتاب کی آسمانی کتابوں میں ہیں وہ تمام صفات آپ میں اس طرح نمایاں ہیں کہ بیک نگاہ ہر شخص آپ کو جان جاتا ہے پھر فرمایا کہ باوجود اس علم حق کے پھر بھی یہ لوگ اسے چھپاتے ہیں پھر اپنے نبی اور مسلمانوں کو ثابت قدمی کا حکم دیا کہ خبردار تم ہرگز حق کے حق ہونے میں شک نہ کرنا۔

سچا قبلہ: ☆ ☆ (آیت: ۱۳۸) حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ ہر مذہب والوں کا ایک قبلہ ہے لیکن سچا قبلہ وہ ہے جس پر مسلمان ہیں۔ ابوالعالیہ کا قول ہے کہ یہود کا بھی قبلہ ہے۔ نصرانیوں کا بھی قبلہ ہے اور تمہارا بھی قبلہ ہے لیکن ہدایت والا قبلہ وہی ہے جس پر

اے مسلمانو تم ہو۔ مجاہدؒ سے یہ بھی مروی ہے کہ ہر ایک وہ قوم جو کعبہ کو قبلہ مانتی ہے وہ بھلائیوں میں سبقت کرے۔ مُؤْتِنِہَا کی دوسری قرات مُؤَلَّہَا ہے جیسے اور جگہ ہے لِكُلِّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً اِلٰہِیْنِ ہر شخص کو اپنے اپنے قبلہ کی پڑی ہوئی ہے۔ ہر شخص اپنی اپنی راہ لگا ہوا ہے پھر فرمایا کہ گو تمہارے جسم اور بدن مختلف ہو جائیں گو تم ادھر ادھر بکھر جاؤ لیکن اللہ تمہیں اپنی قدرت کاملہ سے اسی زمین سے جمع کر لے گا۔

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَإِنَّهُ لَلْحَقُّ  
مِنْ رَبِّكَ وَمَا لِلَّهِ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ۝ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ  
وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ  
لَئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ فَلَا  
تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي ۝ وَلَا تَمَتَّعُوا بِغُلَامِكُمْ تَعْتَادُونَ ۝

تو جہاں سے نکل اپنا منہ مسجد حرام کی طرف کر لیا کر۔ یہی حق ہے اور تیرے رب کا حکم ہے۔ جو کچھ تم کر رہے ہو اس سے اللہ تعالیٰ بے خبر نہیں ۝ جس جگہ سے تو نکل اپنا منہ مسجد حرام کی طرف پھیر لے اور جہاں کہیں تم ہو اپنے چہرے اسی کی طرف کیا کرو تا کہ لوگوں کو کوئی حجت تم پر باقی نہ رہ جائے سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے ان میں سے ظلم کیا ہے۔ تم ان سے نہ ڈرو۔ مجھ ہی سے ڈرتے رہو اس لئے کہ میں اپنی نعمت تم پر پوری کروں اور اس لئے بھی کہ تم راہ راست پاؤ ۝

تین بار نزول حکم: ☆ ☆ (آیت: ۱۳۹-۱۵۰) یہ تیسری مرتبہ حکم ہو رہا ہے کہ روئے زمین کے مسلمانوں کو نماز کے وقت مسجد حرام کی طرف منہ کرنا چاہئے۔ تین مرتبہ تاکید اس لئے کی گئی کہ یہ تبدیلی کا حکم پہلی بار واقع ہوا تھا۔ فخر الدین رازی نے اس کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ پہلا حکم تو ان کے لئے ہے جو کعبہ کو دیکھ رہے ہیں دوسرا حکم ان کے لئے ہے جو مکہ میں ہیں لیکن کعبہ ان کے سامنے نہیں تیسری بار انہیں حکم دیا جو مکہ کے باہر روئے زمین پر ہیں قرطبی نے ایک توجیہ یہ بھی بیان کی ہے کہ پہلا حکم مکہ والوں کو ہے دوسرا اور شہر والوں کو تیسرا مسافروں کو بعض کہتے ہیں تینوں حکموں کا تعلق اگلی پچھلی عبارت سے ہے پہلے حکم میں تو آنحضورؐ کی طلب کا اور پھر اس کی قبولیت کا ذکر ہے اور دوسرے حکم میں یہودیوں کی حجت کا جواب ہے کہ ان کی کتابوں میں پہلے سے موجود تھا کہ آپؐ کا قبلہ کعبہ ہو گا اس حکم سے وہ پیشگوئی بھی پوری ہوئی۔ ساتھ ہی مشرکین کی حجت بھی ختم ہوئی کہ وہ کعبہ کو تبرک اور مشرف مانتے تھے اور اب حضورؐ کی توجہ بھی اسی کی طرف ہو گئی رازی وغیرہ نے اس حکم کو بار بار بار لانے کی حکمتوں کو بخوبی تفصیل سے بیان کیا ہے واللہ اعلم۔

پھر فرمایا تاکہ اہل کتاب کو کوئی حجت تم پر باقی نہ رہے۔ وہ جانتے تھے کہ امت کی طرف پہچان کعبہ کی رخ کر کے نماز پڑھنا ہے۔ جب وہ یہ صفت نہ پائیں گے تو انہیں شک کی گنجائش ہو سکتی ہے لیکن جب انہوں نے آپؐ کو اس قبلہ کی طرف پھرتے ہوئے دیکھ لیا تو اب انہیں کسی طرح کا شک نہ رہنا چاہئے اور یہ بات بھی ہے کہ وہ تمہیں اپنے قبلہ کی طرف نمازیں پڑھتے ہوئے دیکھیں گے تو ان کے ہاتھ ایک بہانہ لگ جائے گا لیکن جب تم ابراہیمی قبلہ کی طرف متوجہ ہو جاؤ گے تو وہ خالی ہاتھ رہ جائیں گے حضرت ابو العالیہؒ فرماتے ہیں یہودی کی یہ حجت تھی کہ آج یہ ہمارے قبلہ کی طرف ہیں یعنی ہمارے قبلہ کی طرف رخ کرتے ہیں۔ کل ہمارا مذہب بھی مان لیں گے لیکن جب اپنے اللہ کے حکم سے اصلی قبلہ اختیار کر لیا تو ان کی اس ہوس پر پانی پڑ گیا۔

پھر فرمایا مگر جو ان میں سے ظالم اور ضدی مشرکین بطور اعتراض کہتے تھے کہ یہ شخص ملت ابراہیمی پر ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور پھر

ابراہیمی قبلہ کی طرف نماز نہیں پڑھتا۔ انہیں جواب بھی مل گیا کہ یہ نبی ہمارے احکام کا قبیح ہے پہلے ہم نے اپنی کمال حکمت سے انہیں بیت المقدس کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا جسے یہ بجالائے پھر ابراہیمی قبلہ کی طرف پھر جانے کو کہا جسے جان و دل سے بجالائے پس آپ ہر حال میں ہمارے احکام کے ماتحت ہیں (صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم) پھر فرمایا ان ظالموں کے شبہ ڈالنے سے تم شک میں نہ پڑو ان باغیوں کی سرکشی سے تم خوف نہ کرو ان کے بے جان اعتراضوں کی مطلق پرواہ نہ کرو ہاں میری ذات سے خوف کیا کرو صرف مجھ ہی سے ڈرتے رہا کرو۔ قبلہ بدلنے میں جہاں یہ مصلحت تھی کہ لوگوں کی زبانیں بند ہو جائیں وہاں یہ بھی بات تھی کہ میں چاہتا تھا کہ اپنی نعمت تم پر پوری کر دوں اور قبلہ کی طرح تمہاری شریعت کامل کر دوں اور تمہارے دین کو ہر طرح مکمل کر دوں اور اس میں یہ ایک راز بھی تھا کہ جس قبلہ سے اگلی امتیں بہک گئیں تم اس سے نہ ہٹو۔ ہم نے اس قبلہ کو خصوصیت کے ساتھ تمہیں عطا فرما کر تمہارا شرف اور تمہاری فضیلت بزرگی تمام امتوں پر ثابت کر دی۔

كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِّنْكُمْ يَتْلُوا عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ﴿۵۵﴾  
فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ ﴿۵۶﴾

جس طرح ہم نے تم میں تم ہی میں سے رسول بھیجا جو ہماری آیتیں تمہارے سامنے تلاوت کرتا ہے اور تمہیں پاک کرتا ہے اور تمہیں کتاب و حکمت اور وہ چیزیں سکھاتا ہے جن سے تم بے علم تھے ○ تم میرا ذکر کرو میں بھی تمہیں یاد کروں گا میری شکرگزاری کرو اور ناشکری سے بچو ○

اللہ کی یاد شکر ہے اور بھول کفر ہے! ☆ ☆ (آیت: ۱۵۱-۱۵۲) یہاں اللہ تعالیٰ اپنی بہت بڑی نعمت کا ذکر فرما رہا ہے کہ اس نے ہم میں ہماری جنس کا ایک نبی مبعوث فرمایا جو اللہ تعالیٰ کی روشن اور نورانی کتاب کی آیتیں ہمارے سامنے تلاوت فرماتا ہے اور رذیل عاداتوں اور نفس کی شرارتوں اور جاہلیت کے کاموں سے ہمیں روکتا ہے اور غفلت کفر سے نکال کر نور ایمان کی طرف رہبری کرتا ہے اور کتاب و حکمت یعنی قرآن وحدیث ہمیں سکھاتا ہے اور وہ راز ہم پر کھولتا ہے جو آج تک ہم پر نہیں کھلے تھے پس آپ کی وجہ سے وہ لوگ جن پر صدیوں سے جہل چھایا ہوا تھا جنہیں صدیوں سے تاریکی نے گھیر رکھا تھا جن پر مدتوں سے بھلائی کا پرتو بھی نہیں پڑا تھا دنیا کی زبردست علامہ ہستیوں کے استاد بن گئے وہ علم میں گہرے تکلف میں تھوڑے دلوں کے پاک اور زبان کے سچے بن گئے دنیا کی حالت کا یہ انقلاب بجائے خود حضور مکی رسالت کی تصدیق کا ایک شاہد و عدل ہے۔ اور جگہ ارشاد ہے لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ اَلْخ یعنی ایسے اولوالعزم پیغمبر کی بعثت مومنوں پر اللہ کا ایک زبردست احسان ہے اس نعمت کی قدر نہ کرنے والوں کو قرآن کہتا ہے اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّ اَلَمْ يَكُنْ لَّآئِهٖ سُلٰكًا ﴿۱۵۱﴾ یہاں اللہ کی نعمت سے مراد حضرت محمد ﷺ ہیں۔ اسی لئے اس آیت میں بھی اپنی نعمت کا ذکر فرما کر لوگوں کو اپنی یاد اور اپنے شکر کا حکم دیا کہ جس طرح میں نے احسان تم پر کیا تم بھی میرے ذکر اور میرے شکر سے غفلت نہ کرو۔ موسیٰ علیہ السلام رب العزت سے عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ تیرا شکر کس طرح کروں۔ ارشاد ہوتا ہے کہ مجھے یاد رکھو بھولو نہیں یاد شکر ہے اور بھول کفر ہے۔ حسن بصریؒ وغیرہ کا قول ہے کہ اللہ کی یاد کرنے والے کو اللہ بھی یاد کرتا ہے اس کا شکر کرنے والے کو وہ زیادہ دیتا ہے اور ناشکرے کو عذاب کرتا ہے۔ بزرگان سلف سے مروی ہے کہ اللہ سے پورا اذرنایہ ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے۔ نافرمانی نہ کی جائے۔ اس کا ذکر کیا جائے۔ غفلت نہ برتی جائے۔ اس کا شکر کیا جائے۔ ناشکری نہ کی



يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ إِنَّ اللَّهَ مَعَ  
الصَّابِرِينَ ۝ وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ  
وَلَكِنْ لَا تَشْعُرُونَ ۝

ایمان والو صبر اور نماز کے ساتھ مدد چاہو اللہ صبر والوں کا ساتھ دیا ہے ○ اللہ کی راہ کے شہیدوں کو مردہ نہ کہو وہ زندہ ہیں لیکن تم نہیں سمجھتے ○

جائے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے سوال ہوتا ہے کہ کیا زانی، شرابی، چور اور قاتل نفس کو بھی اللہ یاد کرتا ہے؟ فرمایا ہاں برائی سے حسن بصریؒ فرماتے ہیں مجھے یاد کرو یعنی میرے ضروری احکام بجالاؤ میں تمہیں یاد کروں گا یعنی اپنی نعمتیں عطا فرماؤں گا۔ سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں میں تمہیں بخش دوں گا اور اپنی تمہیں تم پر نازل کروں گا۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اللہ یاد کرنا بہت بڑی چیز ہے۔ ایک قدسی حدیث میں ہے جو مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے میں اسے اپنے دل میں یاد کرتا ہوں اور جو مجھے کسی جماعت میں یاد کرتا ہے میں بھی اسے اس سے بہتر جماعت میں یاد کرتا ہوں۔ مسند احمد میں ہے کہ وہ جماعت فرشتوں کی ہے جو شخص میری طرف ایک بالشت بڑھتا ہے میں اس کی طرف ایک ہاتھ بڑھاتا ہوں اور اگر تو اے بنی آدم میری طرف ایک ہاتھ بڑھائے گا میں تیری طرف دو ہاتھ بڑھاؤں گا اور اگر تو میری طرف چلتا آئے گا تو میں تیری طرف دوڑتا ہواؤں گا۔ صحیح بخاری میں بھی یہ حدیث ہے۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت اس سے بھی زیادہ قریب ہے۔ پھر فرمایا میرا شکر کرو ناشکری نہ کرو اور جگہ ہے لَقِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ یعنی تیرے رب کی طرف سے عام آگہی ہے کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تمہیں برکت دوں گا اور اگر ناشکری کرو گے تو یاد رکھنا میرا عذاب سخت ہے مسند احمد میں ہے کہ عمر بن حصین ایک مرتبہ نہایت قیمتی حلقہ پہنے ہوئے آئے اور فرمایا اللہ تعالیٰ جب کسی پر انعام کرتا ہے تو اس کا اثر اس پر دیکھنا چاہتا ہے۔

صلوٰۃ و صبر بہترین وسیلہ اور شہد کا ذکر: ☆☆ (آیت: ۱۵۳-۱۵۴) شکر کے بعد صبر کا بیان ہو رہا ہے اور ساتھ ہی نماز کا ذکر کر کے ان بڑے بڑے نیک کاموں کو ذریعہ نجات بنانے کا حکم ہو رہا ہے ظاہر بات ہے کہ انسان یا تو اچھی حالت میں ہوگا تو یہ موقعہ شکر کا ہے یا اگر بری حالت میں ہوگا تو یہ موقعہ صبر کا ہے حدیث میں ہے مومن کی کیا ہی اچھی حالت ہے کہ ہر کام میں اس کے لئے سراسر بھلائی ہے اسے راحت ملتی ہے تو شکر کرتا ہے تو اجر پاتا ہے رنج پہنچتا ہے تو صبر کرتا ہے تو اجر پاتا ہے۔ آیت میں اس کا بھی بیان ہو گیا کہ مصیبتوں پر تحمل کرے اور انہیں ٹالنے کا ذریعہ صبر و صلوٰۃ ہے جیسے اس سے پہلے گزر چکا ہے کہ وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ صبر و صلوٰۃ کے ساتھ استعانت چاہو یہ ہے تو اہم کام لیکن رب کا ذکر رکھے والوں پر بہت آسان ہے حدیث میں ہے جب کوئی کام حضورؐ کو غم میں ڈال دیتا تو آپ نماز شروع کر دیتے۔

صبر کی دو قسمیں ہیں حرام اور گناہ کے کاموں کے ترک کرنے پر اطاعت اور نیکی کے کاموں کے کرنے پر یہ صبر پہلے سے بڑا ہے تیسری قسم صبر کی مصیبت درد اور دکھ پر یہ بھی واجب ہے جیسے عیوں سے استغفار کرنا واجب ہے حضرت عبدالرحمنؓ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں استقلال سے لگے رہنا چاہے انسان پر شاق گزرے طبیعت کے خلاف ہو جی نہ چاہے یہ بھی ایک صبر ہے دوسرا صبر اللہ تعالیٰ کے منع کئے ہوئے کاموں سے رک جانا ہے چاہے طبعی میلان اس طرف ہو خواہش نفس اکساری ہو امام زین العابدینؒ



فرماتے ہیں، قیامت کے دن ایک منادی ندا کرے گا کہ صبر کرنے والے کہاں ہیں؟ انھیں اور بغیر حساب کتاب کے جنت میں چلے جائیں۔ کچھ لوگ اٹھ کھڑے ہوں گے اور جنت کی طرف بڑھیں گے۔ فرشتے انہیں دیکھ کر پوچھیں گے کہ کہاں جا رہے ہو یہ کہیں گے جنت میں، وہ کہیں گے ابھی تو حساب بھی نہیں ہوا، کہیں گے ہاں حساب سے بھی پہلے پوچھیں گے آخر آپ کون لوگ ہیں جواب دیں گے ہم صابر لوگ ہیں۔ اللہ کی فرمانبرداری کرتے رہے اور اس کی نافرمانی سے بچتے رہے، مرتے دم تک اس پر صبر کیا اور جئے رہے، فرشتے کہیں گے پھر تو ٹھیک ہے۔ بے شک تمہارا یہی بدلہ ہے اور اسی لائق تم ہو جاؤ جنت میں مزے کرو اور اچھے کام والوں کا اچھا ہی انجام ہے۔

یہی قرآن فرماتا ہے اِنَّمَا يُوقِی الصَّابِرُونَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ صابروں کو ان کا پورا پورا بدلہ بے حساب دیا جائے گا۔ حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں صبر کے یہ معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اقرار کرے اور مصیبتوں کا بدلہ اللہ کے ہاں ملنے کا یقین رکھے ان پر ثواب طلب کرے۔ ہر گھبراہٹ پریشانی اور کٹھن موقعہ پر استقلال اور نیکی کی امید پر وہ خوش نظر آئے۔

پھر فرمایا کہ شہیدوں کو مردہ نہ کہو بلکہ وہ ایسی زندگی میں ہیں جسے تم نہیں سمجھ سکتے۔ انہیں حیات برزخی حاصل ہے اور وہاں وہ خورد و نوش پارہے ہیں، صحیح مسلم شریف میں ہے کہ شہیدوں کی رو میں سبز رنگ کے پرندوں کے قالب میں ہیں اور جنت میں جس جگہ چاہیں چرتی، چلتی، اڑتی پھرتی ہیں۔ پھر ان قدیلوں میں آ کر بیٹھ جاتی ہیں جو عرش کے نیچے لٹک رہی ہیں ان کے رب نے ایک مرتبہ انہیں دیکھا اور ان سے دریافت کیا کہ اب تم کیا چاہتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا اللہ ہمیں تو تو نے وہ وہ دے رکھا ہے جو کسی کو نہیں دیا پھر ہمیں کس چیز کی ضرورت ہوگی؟ ان سے پھر یہی سوال ہوا۔ جب انہوں نے دیکھا کہ اب ہمیں کوئی جواب دینا ہی ہو گا تو کہا اللہ ہم چاہتے ہیں کہ تو ہمیں دوبارہ دنیا میں بھیج، ہم تیری راہ میں پھر جنگ کریں پھر شہید ہو کر تیرے پاس آئیں اور شہادت کا دگنا درجہ پائیں، رب جل جلالہ نے فرمایا یہ نہیں ہو سکتا یہ تو میں لکھ چکا ہوں کہ کوئی بھی مرنے کے بعد دنیا کی طرف پلٹ کر نہیں جائے گا۔

مسند احمد کی ایک اور حدیث میں ہے کہ مومن کی روح ایک پرند ہے جو جنتی درختوں پر رہتی اور قیامت کے دن وہ اپنے جسم کی طرف لوٹ آئے گی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر مومن کی روح وہاں زندہ ہے لیکن شہیدوں کی روح کو ایک طرح کی امتیازی شرافت، کرامت، عزت اور عظمت حاصل ہے۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ  
وَالْأَنْفُسِ وَالشَّمَرَاتِ وَبَشِيرِ الصَّابِرِينَ ۖ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ  
مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ۖ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ  
صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ﴿۱۷۷﴾

ہم کسی نہ کسی طرح تمہاری آزمائش کر ہی لیا کریں گے، دشمن کے ڈر سے، بھوک پیاس سے، مال جان اور بچلوں کی کمی سے، صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دے ○  
انہیں جب کبھی کوئی مصیبت آتی ہے تو کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہم تو خود اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں ○ ان پر ان کے رب کی نوازشیں  
○ اور رحمتیں ہیں اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں ○

وفائے عہد کے لئے آزمائش لازم ہے: ☆☆ (آیت: ۱۵۵-۱۵۷) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ اپنے بندوں کی آزمائش ضرور کر لیا

کرتا ہے، کبھی ترقی اور بھلائی کے ذریعہ اور کبھی تنزل اور برائی سے جیسے فرمایا ہے وَلَيَبْلُوَنَّكُمْ حَتَّىٰ نَعْلَمَ الْمُجْتَهِدِينَ مِنْكُمْ وَالصَّابِرِينَ یعنی ہم آزمائش کر مجاہدوں اور صبر کرنے والوں کو معلوم کر لیں گے۔ اور جگہ ہے فَاذْقَاهَا اللَّهُ لِبَاسِ الْجُوعِ وَالْخَوْفِ الرَّجُلِ مطلب یہ ہے کہ تھوڑا سا خوف، کچھ بھوک، کچھ مال کی کمی، کچھ جانوں کی کمی یعنی اپنوں اور غروں، خویش و اقارب، دوست و احباب کی موت، کبھی پھلوں اور پیداوار کے نقصان وغیرہ سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو آزمائتا ہے صبر کرنے والوں کو نیک اجرا اور اچھا بدلہ عنایت فرماتا ہے اور بے صبر، جلد باز اور ناامیدی کرنے والوں پر اس کے عذاب اتر آتے ہیں۔ بعض سلف سے منقول ہے کہ یہاں خوف سے مراد اللہ تعالیٰ کا ڈر ہے، بھوک سے مراد روزوں کی بھوک، مال کی کمی سے مراد زکوٰۃ کی ادائیگی ہے، جان کی کمی سے مراد بیماریاں ہیں، پھلوں سے مراد اولاد ہے لیکن یہ تفسیر ذرا غور طلب ہے واللہ اعلم۔

اب بیان ہو رہا ہے کہ جن صبر کرنے والوں کی اللہ کے ہاں عزت ہے وہ کون لوگ ہیں۔ پس فرماتا ہے یہ وہ لوگ ہیں جو جنگی اور مصیبت کے وقت اِنَّا لِلّٰہ پڑھ لیا کرتے ہیں اور اس بات سے اپنے دل کو تسلی دے لیا کرتے ہیں کہ ہم اللہ کی ملکیت ہیں اور جو ہمیں پہنچا ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور ان میں جس طرح وہ چاہے تصرف کرتا رہتا ہے اور پھر اللہ کے ہاں اس کا بدلہ ہے جہاں انہیں بالآخر جانا ہے ان کے اس قول کی وجہ سے اللہ کی نوازشیں اور الطاف ان پر نازل ہوتے ہیں عذاب سے نجات ملتی ہے اور ہدایت بھی نصیب ہوتی ہے۔ امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں دو برابر کی چیزیں صلوات اور رحمت اور ایک درمیان کی چیز یعنی ہدایت ان صبر کرنے والوں کو ملتی ہے۔ مسند احمد میں ہے حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں میرے خاوند حضرت ابوسلمہؓ ایک روز میرے پاس حضور ﷺ کی خدمت میں ہو کر آئے اور خوشی خوشی فرمانے لگے آج تو میں نے ایک ایسی حدیث سنی ہے کہ میں بہت ہی خوش ہوا ہوں۔ وہ حدیث یہ ہے کہ جس کسی مسلمان کو کوئی تکلیف پہنچے اور وہ کہے اَللّٰهُمَّ اَجِرْنِيْ فِيْ مُصِيبَتِيْ وَاخْلُفْ لِيْ خَيْرًا مِّنْهَا یعنی اللہ مجھے اس مصیبت میں اجر دے اور مجھے اس سے بہتر بدلہ عطا فرما تو اللہ تعالیٰ اسے اجرا و بدلہ ضرور دیتا ہے حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں میں نے اس دعا کو یاد کر لیا۔

جب حضرت ابوسلمہؓ کا انتقال ہوا تو میں نے اِنَّا لِلّٰہ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ پڑھ کر پھر یہ دعا بھی پڑھ لی لیکن مجھے خیال آیا کہ بھلا ابوسلمہؓ سے بہتر شخص مجھے کون مل سکتا ہے؟ جب میری عدت گزر چکی تو میں ایک روز ایک کھال کو دباغت دے رہی تھی کہ آنحضورؐ تشریف لائے اور اندر آنے کی اجازت چاہی میں نے اپنے ہاتھ دھو ڈالے کھال رکھ دی اور حضورؐ سے اندر تشریف لانے کی درخواست کی اور آپؐ کو ایک گدی پر بٹھا دیا۔ آپؐ نے مجھ سے اپنا نکاح کرنے کی خواہش ظاہر کی میں نے کہا حضورؐ یہ تو میری خوش قسمتی کی بات ہے لیکن اول تو میں بڑی باغیرت عورت ہوں ایسا نہ ہو کہ حضورؐ کی طبیعت کے خلاف کوئی بات مجھ سے سرزد ہو جائے اور اللہ کے ہاں عذاب ہو دوسرے یہ کہ میں عمر رسیدہ ہوں تیسرے بال بچوں والی ہوں آپؐ نے فرمایا سنو ایسی بے جا غیرت اللہ تعالیٰ تمہاری دور کر دے گا اور عمر میں کچھ میں بھی چھوٹی عمر کا نہیں اور تمہارے بال بچے میرے ہی بال بچے ہیں میں نے یہ سن کر کہا حضورؐ مجھے کوئی عذر نہیں چنانچہ میرا نکاح اللہ کے نبی ﷺ سے ہو گیا اور مجھے اللہ تعالیٰ نے اس دعا کی برکت سے میرے میاں سے بہت ہی بہتر یعنی اپنا رسول عطا فرمایا فالحمد للہ۔ صحیح مسلم شریف میں بھی یہ حدیث باختلاف الفاظ مروی ہے۔ مسند احمد میں حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کسی مسلمان کو کوئی رنج و مصیبت پہنچے اس پر گویا زیادہ وقت گزر جائے پھر اسے یاد آئے اور وہ اِنَّا لِلّٰہ پڑھے تو مصیبت کے صبر کے وقت جو اجر ملا تھا وہی اب بھی ملے گا ابن ماجہ میں بھی یہ روایت ہے حضرت ابوسنانؓ فرماتے ہیں میں نے اپنے ایک بچے کو دفن کیا۔ ابھی میں اس کی قبر میں سے نکلا نہ تھا کہ ابوطلمحہ خولانیؓ نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے نکالا اور کہا سنو میں تمہیں ایک خوشخبری سناؤں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ملک الموت سے

دریافت فرماتا ہے کہ تو نے میرے بندے کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور اس کے کلیجہ کا ٹکڑا چھین لیا بتا تو اس نے کیا کہا؟ وہ کہتے ہیں اللہ نے تیری تعریف کی اور اللہ پڑھا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اس کے لئے جنت میں ایک گھر بناؤ اور اس کا نام بیت الحمد رکھو۔

إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوَاعْتَمَرَ  
فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَإِنَّ اللَّهَ  
شَاكِرٌ عَلِيمٌ

صفا اور مروہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہیں بیت اللہ کا حج و عمرہ کرنے پر ان کا طواف کر لینے میں بھی کوئی گناہ نہیں اپنی خوشی سے بھلائی کرنے والوں کا اللہ قدردان ہے اور انہیں خوب جاننے والا ہے ○

صفا اور مروہ کا طواف: ☆ ☆ (آیت: ۱۵۸) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حضرت عروہؓ دریافت کرتے ہیں کہ اس آیت سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ طواف نہ کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں آپؐ نے فرمایا: ”جتنی تم صحیح نہیں سمجھے اگر یہ بیان مد نظر ہوتا تو اُن لَا يَطُوفُ بِهِمَا ہوتا سنو آیت شریف کا شان نزول یہ ہے کہ مسلسل (ایک جگہ کا نام) کے پاس منابت تھا۔ اسلام سے پہلے انصار اسے پوجتے تھے اور جو اس کے نام لیبیک پکار لیتا وہ صفا و مروہ کے طواف کرنے میں حرج سمجھتا تھا اب بعد از اسلام ان لوگوں نے حضورؐ سے صفا و مروہ کے طواف کے حرج کے بارے میں سوال کیا تو یہ آیت اتری کہ اس میں کوئی حرج نہیں لیکن اسی کے بعد حضور علیہ السلام نے صفا و مروہ کا طواف کیا۔ اس لئے مسنون ہو گیا اور کسی کو اس کے ترک کرنے کا جواز نہ رہا (بخاری و مسلم) ابو بکر بن عبد الرحمنؓ نے جب یہ روایت سنی تو وہ کہنے لگے کہ بیشک یہ علمی بات ہے۔ میں نے تو اس سے پہلے سنی ہی تھی بعض اہل علم فرمایا کرتے تھے کہ انصار نے کہا تھا کہ ہمیں بیت اللہ کے طواف کا حکم ہے صفا و مروہ کے طواف کا نہیں اس پر یہ آیت اتری۔ ممکن ہے کہ شان نزول دونوں ہی ہوں حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ہم صفا و مروہ کے طواف کو جاہلیت کا کام جانتے تھے اور اسلام کی حالت میں اس سے بچتے تھے یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی۔

ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ان دونوں پہاڑیوں کے درمیان بہت سے بت تھے اور شیاطین رات بھر اس کے درمیان گھومتے رہتے تھے اسلام کے بعد لوگوں نے حضورؐ سے یہاں کے طواف کی بابت مسئلہ دریافت کیا جس پر یہ آیت اتری ”اساف“ بت صفا پر تھا اور ”نائلہ“ مروہ پر مشرک لوگ انہیں چھوتے اور چومتے تھے۔ اسلام کے بعد لوگ اس سے الگ ہو گئے لیکن یہ آیت اتری جس سے یہاں کا طواف ثابت ہوا۔ سیرت محمد بن اسحاق میں ہے کہ ”اساف“ اور ”نائلہ“ دو مرد و عورت تھے ان بدکاروں نے کعبہ میں زنا کیا اللہ نے انہیں پتھر بنا دیا قریش نے انہیں کعبہ کے باہر رکھ دیا تاکہ لوگوں کو عبرت ہو لیکن کچھ زمانہ کے بعد ان کی عبادت شروع ہو گئی اور صفا و مروہ پر لا کر نصب کر دیئے گئے اور ان کا طواف شروع ہو گیا۔ صحیح مسلم شریف کی ایک لمبی حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ جب بیت اللہ شریف کا طواف کر چکے تو رکن کو چھو کر باب الصفا سے نکلے اور یہ آیت تلاوت فرما رہے تھے پھر فرمایا میں بھی شروع کروں گا اس سے جس سے اللہ تعالیٰ نے شروع کیا ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا تم شروع کرو اس سے جس سے اللہ نے شروع کیا یعنی صفا سے چل کر مروہ جاؤ۔ حضرت حبیبہ بنت جحزہؓ فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا آپ صفا و مروہ کا طواف کرتے تھے لوگ آپؐ کے آگے آگے تھے اور آپؐ ان کے پیچھے تھے آپؐ قدرے دوڑ لگا رہے تھے اور اس کی وجہ سے آپؐ کا تہہ آپ کے ٹخنوں کے درمیان ادھر ادھر ہو رہا تھا اور زبان مبارک سے فرماتے جاتے تھے لوگو دوڑ کر چلو اللہ تعالیٰ نے تم پر سعی لکھ دی ہے (مسند احمد) اسی کی ہم معنی ایک روایت اور بھی ہے۔

یہ حدیث دلیل ہے ان لوگوں کی جو صفا مروہ کی سعی کوچ کارکن جانتے ہیں جیسے حضرت امام شافعیؒ اور ان کے موافقین کا مذہب ہے امام احمدؒ سے بھی ایک روایت اسی طرح کی ہے امام مالکؒ کا مشہور مذہب بھی یہی ہے، بعض اسے واجب تو کہتے ہیں لیکن حج کارکن نہیں کہتے اگر عدا سہوا یا کوئی شخص اسے چھوڑ دے تو ایک جانور ذبح کرنا پڑے گا۔ امام احمدؒ سے ایک روایت اسی طرح مروی ہے اور ایک اور جماعت بھی یہی کہتی ہے اور ایک قول میں یہ مستحب ہے۔ امام ابو حنیفہؒ اور شیعی ابن سیرینؒ بھی کہتے ہیں۔ حضرت انسؓ ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ سے یہی مروی ہے۔ امام مالکؒ سے عتیبہ میں بھی روایت ہے۔ ان کی دلیل مَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا ہے لیکن پہلا قول ہی زیادہ رائج ہے اس لئے کہ آنحضرت ﷺ نے کوہ صفا مروہ کا طواف کیا اور فرمایا احکام حج مجھ سے لو پس آپؐ نے اپنے اس حج میں جو کچھ کیا وہ واجب ہو گیا، اس کا کرنا ضروری ہے۔ اگر کوئی کام کسی خاص دلیل سے وجوب سے ہٹ جائے تو اور بات ہے واللہ اعلم۔

علاوہ ازیں حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر سعی لکھ دی یعنی فرض کر دی غرض یہاں بیان ہو رہا ہے کہ صفا مروہ کا طواف بھی اللہ تعالیٰ کے ان شرعی احکام میں سے ہے جنہیں حضرت ابراہیمؑ کو بجا آوری حج کے لئے سکھائے تھے۔ یہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اس کی اصل حضرت ہاجرہؑ کا یہاں سات پھیرے کرنا ہے جبکہ حضرت ابراہیمؑ ان کے چھوٹے بیٹے سمیت یہاں چھوڑ کر چلے گئے تھے اور ان کے پاس کھانا پینا ختم ہو چکا تھا اور بچے کی جان پر آئی تھی تب ام اسلمیہؑ نہایت بیقراری کے بسے ڈر خوف اور اضطراب کے ساتھ ان پہاڑوں کے درمیان اپنا دامن پھیلانے لگے اللہ سے بھیک مانگتی پھر رہی تھیں یہاں تک کہ آپؐ کا غم و ہم رنج و کرب، تکلیف اور دکھ دور ہوا۔

یہاں سے پھیرے کرنے والے حاجی کو بھی چاہئے کہ نہایت ذلت و مسکنت، خضوع و خشوع سے یہاں پھیرے کرے اور اپنی فقیری، حاجت اور ذلت اللہ کے سامنے پیش کرے اور اپنے دل کی صلاحیت اور اپنے مال کی ہدایت اور اپنے گناہوں کی بخشش طلب کرے اور نقائص اور عیبوں سے پاکیزگی اور نافرمانیوں سے نفرت چاہے اور ثابت قدمی، نیکی، فلاح اور بہبودی کی دعا مانگے اور اللہ تعالیٰ سے عرض کرے کہ گناہوں اور برائیوں کی تنگی کی راہ سے ہٹا کر کمال و غفران اور نیکی کی توفیق بخشے جیسے کہ حضرت ہاجرہؑ کے حال کو اس مالک نے ادھر سے ادھر کر دیا۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ جو شخص اپنی خوشی نیکی میں زیادتی کرے یعنی بجائے سات پھیروں کے آٹھ نو کرے، نقلی حج و عمرے میں بھی صفا مروہ کا طواف کرے اور بعض نے اسے عام رکھا ہے یعنی ہر نیکی میں زیادتی کرے واللہ اعلم۔ پھر فرمایا اللہ تعالیٰ تدردان اور علم والا ہے یعنی تھوڑے سے کام پر بڑا ثواب دیتا ہے اور جزا کی صحیح مقدار کو جانتا ہے نہ تو وہ کسی کے ثواب کو کم کرے نہ کسی پر ذرہ برابر ظلم کرے۔ ہاں نیکیوں کا ثواب بڑھا کر عطا فرماتا ہے اور اپنے پاس سے اجر عظیم عنایت فرماتا ہے فالحمد و الشکر لله۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ مِنْ بَعْدِ  
مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّعْنُونَ ۖ  
إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَبَيَّنُّوا فَاُولَٰئِكَ أَتُوبُ عَلَيْهِمْ وَأَنَا التَّوَّابُ  
الرَّحِيمُ ۖ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارًا أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ  
لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ۖ خَالِدِينَ فِيهَا لَا  
يُخَفَّفُ عَنْهُمْ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ۖ

جو لوگ ہماری اتاری ہوئی دلیلوں اور ہدایت کو چھپاتے ہیں باوجودیکہ ہم اسے اپنی کتاب میں لوگوں کے لئے بیان کر چکے ہیں ان لوگوں پر اللہ کی اور تمام لعنت کرنے والوں کی لعنت ہے ○ مگر وہ لوگ جو توبہ کر لیں اور اصلاح کریں اور بیان کر دیں میں ان کی توبہ قبول کر لیا کرتا ہوں اور میں تو توبہ قبول کرنے والا اور رحم و کرم کرنے والا ہوں ○ جو کفار اپنے کفر میں ہی مر جائیں ان پر اللہ کی فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے ○ جس میں یہ ہمیشہ رہیں گے اور ان سے عذاب ہلکا نہ کیا جائے گا اور نہ انہیں ڈھیل دی جائے گی ○

حق بات کا چھپانا جرم عظیم ہے: ☆ ☆ (آیت: ۱۵۹-۱۶۲) اس میں زبردست دھمکی ہے ان لوگوں کو جو اللہ تعالیٰ کی باتیں یعنی شرعی مسائل چھپالیا کرتے ہیں اہل کتاب نے نعت نبیؐ کو چھپالیا تھا جس پر ارشاد ہوتا ہے کہ حق کے چھپانے والے ملعون لوگ ہیں جس طرح اس عالم کے لئے جو لوگوں میں اللہ کی باتیں پھیلانے ہر چیز استغفار کرتی ہے یہاں تک کہ پانی کی مچھلیاں اور ہوا کے پرند بھی اسی طرح ان لوگوں پر جو حق کی بات کو جانتے ہوئے گونگے بہرے بن جاتے ہیں ہر چیز لعنت بھیجتی ہے صحیح حدیث میں ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا جس شخص سے کسی شرعی امر کی نسبت سوال کیا جائے اور وہ اسے چھپالے اسے قیامت کے دن آگ کی لگام پہنائی جائے گی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں اگر یہ آیت نہ ہوتی تو میں ایک حدیث بھی بیان نہ کرتا۔ حضرت براہن عازبؒ فرماتے ہیں حضورؐ کے ساتھ ایک جنازے میں تھے آپ نے فرمایا کہ قبر میں کافر کی پیشانی پر اس زور سے ہتھوڑا مارا جاتا ہے کہ تمام جاندار اس کا دھماکہ سنتے ہیں سوائے جن و انس کے پھر وہ سب اس پر لعنت بھیجتے ہیں یہی معنی ہیں کہ ان پر اللہ کی اور تمام لعنت کرنے والوں کی لعنت ہے یعنی تمام جانداروں کی۔

حضرت عطاء فرماتے ہیں لَا عُنُونُ سے مراد تمام جانور اور کل جن و انس ہے۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں جب خشک سالی ہوتی ہے بارش نہیں برسی تو چوپائے جانور کہتے ہیں یہ بنی آدم کے گنہگاروں کے گناہ کی شومی قسمت سے ہے اللہ تعالیٰ بنی آدم کے گنہگاروں پر لعنت نازل کرے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں اس سے مراد فرشتے اور مومن لوگ ہیں حدیث میں ہے عالم کے لئے ہر چیز استغفار کرتی ہے یہاں تک کہ سمندر کی مچھلیاں بھی اس آیت میں ہے کہ علم کے چھپانے والوں کو اللہ لعنت کرتا ہے اور فرشتے اور تمام لوگ اور کل لعنت کرنے والے یعنی ہر زبان اور ہر بے زبان چاہے زبان سے کہے چاہے قرائن سے اور قیامت کے دن بھی سب چیزیں ان پر لعنت کریں گی واللہ اعلم۔ پھر ان میں سے ان لوگوں کو خاص کر لیا جو اپنے اس فعل سے باز آجائیں اور اپنے اعمال کی پوری اصلاح کر لیں اور جو چھپایا تھا اسے ظاہر کریں ان لوگوں کی توبہ وہ اللہ توباب والرحیم قبول فرمالتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص کفر و بدعت کی طرف لوگوں کو بلانے والا ہو وہ بھی جب سچے دل سے رجوع کر لے تو اس کی توبہ بھی قبول ہوتی ہے۔

بعض روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ اگلی امتوں میں ایسے زبردست بدکاروں کی توبہ قبول نہیں ہوتی تھی لیکن نبیؐ التوبہ اور نبی الرحمة حضرت محمد ﷺ کی امت کے ساتھ یہ مہربانی مخصوص ہے۔ اس کے بعد ان لوگوں کا بیان ہو رہا ہے جو کفر کریں توبہ نصیب نہ ہو اور کفر کی حالت میں ہی مر جائیں ان پر اللہ تعالیٰ فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے یہ لعنت ان پر چپک جاتی ہے اور قیامت تک ساتھ ہی رہے گی اور دوزخ کی آگ میں لے جائے گی اور وہ عذاب بھی ہمیشہ ہی رہے گا تو عذاب میں کبھی کی ہوگی نہ کبھی موقوف ہوگا بلکہ ہمیشہ دوام کے ساتھ سخت سے سخت عذاب میں رہیں گے نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ۔

حضرت ابو العالیہ رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں قیامت کے دن کافر کو ٹھہرایا جائے گا پھر اس پر اللہ تعالیٰ لعنت کرے گا پھر فرشتے پھر سب لوگ کافروں پر لعنت بھیجنے کے مسئلہ میں کسی کا اختلاف نہیں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ

کے بعد کے ائمہ کرام سب کے سب قنوت وغیرہ میں کفار پر لعنت بھیجتے تھے لیکن کسی معین کافر پر لعنت بھیجنے کے بارے میں علماء کرام کا ایک گروہ کہتا ہے کہ یہ جائز نہیں اس لئے کہ اس کے خاتمہ کا کسی کو علم نہیں اور اس آیت کی یہ قید کہ مرتے دم تک وہ کافر رہے، معین کافر دلیل ہے کسی پر لعنت نہ بھیجنے کی۔ ایک دوسری جماعت اس کی بھی قائل ہے جیسے فقیہ ابو بکر بن عربی مالکی لیکن ان کی دلیل ایک ضعیف حدیث ہے۔ بعض نے اس حدیث سے یہ بھی دلیل لی ہے کہ حضورؐ کے پاس ایک شخص بار بار رشہ کی حالت میں لایا گیا اور اس پر بار بار حد لگائی گئی تو ایک شخص نے کہا 'اس پر اللہ کی لعنت ہو بار بار شراب پیتا ہے۔ یہ سن کر حضورؐ نے فرمایا 'اس پر لعنت نہ بھیجو یہ اللہ اور اس کے رسولؐ کو دوست رکھتا ہے اس سے ثابت ہوا کہ جو شخص اللہ رسول سے دوستی نہ رکھے اس پر لعنت بھیجنی جائز ہے واللہ اعلم۔

وَالْهَكْمُ إِلَهٌ وَاحِدٌ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ ۝ إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَّاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ وَتَصْرِيفِ الرِّيْحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ۝

تم سب کا معبود ایک اللہ ہی ہے اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں وہ بہت بڑا بخش کرنے والا اور بڑا مہربان ہے ○ آسمان اور زمین کی پیدائش رات دن کا ہر پھیر کشتیوں کا لوگوں کو نفع دینے والی چیزوں کو لئے ہوئے سمندروں میں چلنا آسمان سے پانی اتار کر مردہ زمین کو زندہ کر دینا اس میں ہر قسم کے جانوروں کو پھیلا دینا ہواؤں کے رخ بدلنا تابع فرمان بادلوں کو آسمان و زمین کے درمیان ادھر ادھر پھیرنا، عقلمندوں کے لئے قدرت اللہ کی نشانیاں ہیں ○

ایکایلا حکمران: ☆ ☆ (آیت: ۱۶۳) یعنی حکمرانی میں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں نہ اس جیسا کوئی ہے وہ واحد اور احد ہے وہ فرد اور احد ہے اس کے سوا عبادت کے لائق کوئی نہیں وہ رحمن اور رحیم ہے سورہ فاتحہ کے شروع میں ان دونوں ناموں کی پوری تفسیر گزر چکی ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اسم اعظم ان دو آیتوں میں ہے ایک یہ آیت دوسری آیت اَللّٰهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ اس کے بعد اس کی توحید کی دلیل بیان ہو رہی ہے۔ اسے بھی توجہ سے سنئے۔ فرماتے ہیں۔

ٹھوس دلائل: ☆ ☆ (آیت: ۱۶۴) مطلب یہ ہے کہ اس اللہ کی فرمانروائی اور اس کی توحید کی دلیل ایک تو یہ آسمان ہے جس کی بلندی لطافت کشادگی جس کے ٹھہرے ہوئے اور چلنے پھرنے والے روشن ستارے تم دیکھ رہے ہو پھر زمین کی پیدائش جو کثیف چیز ہے جو تمہارے قدموں تلے پھٹی ہوئی ہے جس میں بلند بلند چوٹیوں کے سر پہ فلک پہاڑ ہیں جس میں موجیں مارنے والے بے پایاں سمندر ہیں جس میں انواع و اقسام کے خوش رنگ تیل بوٹے ہیں جس میں طرح طرح کی پیداوار ہوتی ہے جس میں تم رہتے سہتے ہو اور اپنی مرضی کے مطابق آرام دہ مکانات بنا کر بستے ہو اور جس سے سینکڑوں طرح کا نفع اٹھاتے ہو پھر رات دن کا آنا جانا رات گئی دن آیا دن گیارہ رات آگئی نہ وہ اس پر سبقت کرے نہ یہ اس پر ہر ایک اپنے صحیح انداز سے آئے اور جائے کبھی دن بڑے کبھی راتیں کبھی دن کا کچھ حصہ رات میں جائے کبھی رات کا کچھ حصہ دن میں آجائے پھر کشتیوں کو دیکھو جو خود تمہیں اور تمہارے مال و اسباب اور تجارتی چیزوں کو لے کر سمندر میں ادھر سے ادھر جاتی آتی رہتی ہیں جن کے ذریعہ اس ملک والے اس ملک والوں سے اور اس ملک والے اس ملک والوں سے رابطہ اور لین دین کر سکتے ہیں

یہاں کی چیزیں وہاں اور وہاں کی یہاں پہنچ سکتی ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ کا اپنی رحمت کاملہ سے بارش برسانا اور اس سے مردہ زمین کو زندہ کر دینا، اس سے اناج اور کھیتیاں پیدا کرنا، چاروں طرف ریل پیل کر دینا، زمین میں مختلف قسم کے چھوٹے بڑے کارآمد جانوروں کو پیدا کرنا، ان سب کی حفاظت کرنا، انہیں روزیاں پہنچانا، ان کے لئے سونے، بیٹھنے، چرنے، چگنے کی جگہ تیار کرنا، ہواؤں کو پورب پچھم چلانا، کبھی ٹھنڈی، کبھی گرم، کبھی کم کبھی زیادہ بادلوں کو آسمان و زمین کے درمیان مسخر کرنا، انہیں ایک طرف سے دوسری طرف لے جانا، ضرورت کی جگہ برسانا وغیرہ یہ سب اللہ کی قدرت کی نشانیاں ہیں۔ جن سے عقل مند اپنے اللہ کے وجود کو اور اس کی وحدانیت کو پالیتے ہیں جیسے اور جگہ فرمایا کہ آسمان و زمین کی پیدائش اور رات دن کے آنے جانے میں عقل مندوں کے لئے نشانیاں ہیں جو اٹھتے بیٹھتے لیتے اللہ تعالیٰ کا نام لیا کرتے ہیں اور زمین و آسمان کی پیدائش میں غور فکر سے کام لیتے ہیں اور کہتے ہیں اے ہمارے رب تو نے انہیں بیکار نہیں بنایا تیری ذات پاک ہے تو ہمیں جہنم کے عذاب سے بچا۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ قریشی رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے، آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ صفا پہاڑ کو سونے کا بنا دے، ہم اس سے گھوڑے اور ہتھیار وغیرہ خریدیں اور تیرا ساتھ دیں اور ایمان بھی لائیں۔ آپ نے فرمایا پختہ وعدہ کرتے ہو؟ انہوں نے کہا ہاں پختہ وعدہ ہے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی حضرت جبریل علیہ السلام آئے اور فرمایا تمہاری دعا تو قبول ہے لیکن اگر یہ لوگ پھر بھی ایمان نہ لائے تو ان پر اللہ کا وہ عذاب آئے گا جو آج سے پہلے کسی پر نہ آیا ہو، آپ کا پٹھ اور عرض کرنے لگے، نہیں اللہ تو انہیں یونہی رہنے دے میں انہیں تیری طرف بلاتا رہوں گا کیا عجب آج نہیں کل اور کل نہیں پرسوں ان میں سے کوئی نہ کوئی تیری طرف جھک جائے۔ اس پر یہ آیت اتری کہ اگر انہیں قدرت کی نشانیاں دیکھنی ہیں تو کیا یہ نشانیاں کچھ کم ہیں؟ ایک اور شان نزول بھی مروی ہے کہ جب آیت وَاللّٰهُمَّ ارْحِ اٰتْرٰی تُوْشْرِکِیْن کہنے لگے، ایک اللہ تمام جہان کا بندوبست کیسے کرے گا؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ وہ اللہ اتنی بڑی قدرت والا ہے، بعض روایتوں میں ہے اللہ کا ایک ہونا سن کر انہوں نے دلیل طلب کی جس پر یہ آیت نازل ہوئی اور قدرت کے نشان ہائے ان پر ظاہر کئے گئے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَندَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ وَلَوْ يَرَى الَّذِينَ ظَلَمُوا إِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ أَنَّ الْقُوَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا وَأَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعَذَابِ ۝ إِذْ تَبَرَّأَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا مِنَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا وَرَأَوْا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْأَسْبَابُ ۝ وَقَالَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا لَوْ أَنَّنَا كَرَّةً فَتَبَرَّأْنَا مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّأُوا مِنَّا كَذَلِكَ يُرِيهِمُ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ حَسَرَاتٍ عَلَيْهِمْ وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنَ النَّارِ ۝

بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ کے شریک اوروں کو ظہر اکراں سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسی اللہ سے ایماندار اللہ تعالیٰ کی محبت میں بہت سخت ہوتے ہیں کاش کہ یہ



مشرک لوگ جانتے جب کہ اللہ کے عذابوں کو دیکھ کر (جان لیں گے) کہ تمام طاقت اللہ ہی کو ہے اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سخت ہیں ○ (تو ہرگز شرک نہ کرتے) جس وقت پیشوا لوگ اپنے تابعداروں سے بیزار ہو جائیں گے اور عذابوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے اور کل رشتے ناتے ٹوٹ جائیں گے اور تابع دار لوگ کہنے لگیں گے کاش کہ ہم پھر دنیا کی طرف دوبارہ جائیں تو ہم بھی ان سے ایسے ہی بیزار ہو جائیں جیسے یہ ہم سے اسی طرح اللہ تعالیٰ انہیں ان کے اعمال کو دکھائے گا ان پر حسرت و افسوس ہے یہ ہرگز جہنم سے نہ نکلیں گے ○

محبت الہ اپنی پسند ہے؟ ☆ ☆ (آیت: ۱۶۵-۱۶۷) اس آیت میں مشرکین کا دنیوی اور اخروی حال بیان ہو رہا ہے یہ اللہ کا شریک مقرر کرتے ہیں۔ اس جیسا اوروں کو ٹھہراتے ہیں اور پھر ان کی محبت اپنے دل میں ایسی ہی جماتے ہیں جیسی اللہ کی ہونی چاہئے حالانکہ وہ معبود برحق صرف ایک ہی ہے۔ وہ شریک اور حصہ داری سے پاک ہے۔ بخاری و مسلم میں عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے پوچھا یا رسول اللہ سب سے بڑا گناہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا اللہ کے ساتھ شرک کرنا حالانکہ پیدا ہی اکیلے نہ کیا ہے۔ پھر فرمایا ایمان دار اللہ تعالیٰ کی محبت میں بہت سخت ہوتے ہیں ان کے دل عظمت الہی اور توحید ربانی سے معمور ہوتے ہیں وہ اللہ کے سوا دوسرے سے ایسی محبت نہیں کرتے کسی اور سے التجا کرتے ہیں نہ دوسروں کی طرف جھکتے ہیں نہ اس کی پاک ذات کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتے ہیں۔ پھر ان مشرکین کو جو اپنی جانوں پر شرک کے بوجھ کا ظلم کرتے ہیں انہیں اس عذاب کی خبر پہنچاتا ہے کہ اگر یہ لوگ اسے دیکھ لیں تو یقین ہو جائے کہ قدرتوں والا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ تمام چیزیں اسی کے ماتحت اور زیر فرمان ہیں اور اس کا عذاب بھی بڑا بھاری ہے۔

جیسے اور جگہ ہے کہ اس دن تو اس کے عذاب جیسا کوئی عذاب کر سکتا ہے نہ اس کی پکڑ جیسی کسی کی پکڑ ہو سکتی ہے دوسرا مطلب یہ بھی ہے کہ اگر انہیں اس منظر کا علم ہوتا تو یہ اپنی گمراہی اور شرک و کفر پر ہرگز نہ اڑتے۔ اس دن ان لوگوں نے جن جن کو اپنا پیشوا بنا رکھا تھا وہ سب ان سے الگ ہو جائیں گے۔ فرشتے کہیں گے اللہ ہم سے بیزار ہیں یہ ہماری عبادت نہیں کرتے تھے۔ اللہ تیری ذات پاک ہے۔ تو ہی ہمارا ولی ہے۔ یہ لوگ تو جنات کی عبادت کرتے ہیں انہی پر ایمان رکھتے تھے اسی طرح جنات بھی ان سے بیزار ہیں ان کا اعلان کریں گے اور صاف صاف ان کے دشمن ہو جائیں گے اور عبادت سے انکار کریں گے۔ اور جگہ قرآن میں ہے کہ یہ لوگ جن جن کی عبادت کرتے تھے وہ سب کے سب قیامت کے دن سَيَكْفُرُونَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُونُونَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ان کی عبادت سے انکار کریں گے اور ان کے دشمن بن جائیں گے حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کا فرمان ہے إِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ أَوْثَانًا تَمْنَوْنَ أَنَّ اللَّهَ كَمَا تَمْنَوْنَ اللہ کے سوا بتوں کی محبت دل میں بٹھا کر ان کی پوجا شروع کر دی ہے۔ قیامت کے دن وہ تمہاری عبادت کا انکار کریں گے اور آپس میں ایک دوسرے پر لعنت بھیجیں گے اور تمہارا ٹھکانا جہنم ہوگا اور تمہارا مددگار کوئی نہ ہوگا۔

اسی طرح اور جگہ ہے وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الظَّالِمُونَ لَوَالِدِئِهِمْ أَوْ بَنِيهِمْ يَتَوَلَّوْنَ أُولَٰئِكَ يَتْلَوْنَ عَلَيْهِمْ حُكْمُ ظُفَرٍ مِّنْ جَاہِنِّ اے ظالمین! اگر تم نے اپنے پیشواؤں سے کہہ رہے ہوں گے کہ اگر تم نہ ہوتے تو ہم ایماندار بن جاتے وہ جواب دیں گے کیا ہم نے تمہیں اللہ پرستی سے روکا؟ حقیقت یہ ہے کہ تم خود مجرم تھے۔ وہ کہیں گے تمہاری دن رات کی مکاریاں تمہارے کفرانہ احکام تمہاری شرک کی تعلیم نے ہمیں پھانس لیا۔ اب سب دل سے نادم ہو گئے اور ان کی گردنوں میں ان کے برے اعمال کے طوق ہوں گے اور جگہ ہے کہ اس دن شیطان بھی کہے گا إِنَّ اللَّهَ وَعَدَكُمْ وَعَذَّ الْحَقِّ اے ظالمین! اللہ کا وعدہ تو سچا تھا اور میں تمہیں جو سبز باغ دکھایا کرتا تھا وہ محض دھوکہ تھا لیکن تم پر میرا کوئی زور تو نہیں تھا میں نے تمہیں صرف کہا اور تم نے منظور کر لیا اب مجھے ملامت کرنے سے کیا فائدہ؟ اپنی جانوں کو لعنت ملامت کرو نہ میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں نہ تم میری۔

حضور کے سامنے جس وقت اس آیت کی تلاوت ہوئی تو حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے کھڑے ہو کر کہا، حضور میرے لئے دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ میری دعاؤں کو قبول فرمایا کرے۔ آپؐ نے فرمایا، اے سعد پاک چیزیں اور حلال لقمہ کھاتے رہو اللہ تعالیٰ تمہاری دعائیں قبول فرماتا رہے گا۔ قسم ہے اس اللہ کی جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے۔ حرام کا لقمہ جو انسان اپنے پیٹ میں ڈالتا ہے۔ اس کی نحوست کی وجہ سے چالیس دن تک اس کی عبادت قبول نہیں ہوتی۔ جو گوشت پوست حرام سے پلاوہ جنمیں ہے پھر فرمایا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے۔ جیسے اور جگہ فرمایا کہ شیطان تمہارا دشمن ہے تم بھی اسے دشمن سمجھو، اسکی اور اس کے دوستوں کی تو یہ عین چاہت ہے کہ لوگوں کو عذاب میں جھونکیں

اور جگہ فرمایا اَفْتَحُوا نَحْوَهُ وَذُرِّيَّتَهُ اُولَآئِكَ اِلٰحُ کیا تم اسے اور اس کی اولاد کو اپنا دوست سمجھتے ہو؟ حالانکہ حقیقتاً وہ تمہارا دشمن ہے ظالموں کے لئے برابر ملہ ہے۔ خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ سے مراد اللہ تعالیٰ کی ہر معصیت ہے جس میں شیطان کا بہکا و شامل ہوتا ہے فعلیٰ فرماتے ہیں ایک شخص نے نذر مانی کہ وہ اپنے لڑکے کو ذبح کرے گا۔ حضرت مسروقؓ کے پاس جب یہ واقعہ پہنچا تو آپ نے فتویٰ دیا کہ وہ شخص ایک مینڈا ذبح کر دے ورنہ نذر شیطان کے نقش قدم سے ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک دن بکری کا پایا نمک لگا کر کھا رہے تھے۔ ایک شخص جو آپ کے پاس بیٹھا ہوا تھا وہ ہٹ کر دور جا بیٹھا آپ نے فرمایا کھاؤ اس نے کہا میں نہیں کھاؤں گا آپ نے پوچھا کیا روزے سے ہو؟ کہا نہیں۔ میں تو اسے اپنے اوپر حرام کر چکا ہوں آپ نے فرمایا یہ شیطان کی راہ چلنا ہے اپنی قسم کا کفارہ دو اور کھا لو۔

ابورافع کہتے ہیں ایک دن میں اپنی بیوی پر ناراض ہوا تو وہ کہنے لگی کہ میں ایک دن یہودیہ ہوں ایک دن نصرانیہ ہوں اور میرے تمام غلام آزاد ہیں اگر تو اپنی بیوی کو طلاق نہ دے اب میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس مسئلہ پوچھنے آیا کہ اس صورت میں کیا کیا جائے؟ تو آپ نے فرمایا شیطان کے قدموں کی پیروی ہے۔ پھر میں حضرت زینب بنت ام سلمہؓ کے پاس گیا اور اس وقت مدینہ بھر میں ان سے زیادہ فقیہ عورت کوئی نہ تھی میں نے ان سے بھی یہی مسئلہ پوچھا یہاں سے بھی یہی جواب ملا عاصم اور ابن عمرؓ نے بھی یہی فتویٰ دیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فتویٰ ہے کہ جو قسم غصہ کی حالت میں کھائی جائے اور جو نذر ایسی حالت میں مانی جائے وہ شیطانی قدم کی تابعداری ہے۔ اس کا کفارہ قسم کے کفارے برابر دے دے۔ پھر فرمایا کہ شیطان تمہیں برے کاموں اور اس سے بھی بڑھ کر زنا کاری اور اس سے بھی بڑھ کر اللہ سے ان باتوں کو جوڑ لینے کو کہتا ہے جن کا تمہیں علم نہ ہو۔ ان باتوں کو اللہ سے متعلق کرتا ہے جن کا اسے علم بھی نہیں ہوتا لہذا ہر کافر اور بدعتی ان میں داخل ہے جو برائی کا حکم کرے اور بدی کی طرف رغبت دلائے۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اسْمِعُوا مَّا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا آفَيْنَا  
عَلَيْهِ آبَاءَنَا أَوْ لُوكَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ ﴿٧٧﴾  
وَمَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا كَمَثَلِ الَّذِي يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ إِلَّا دُعَاءَ  
وَنِدَاءَ صُمًّا بُكْمًا عَنْهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ﴿٧٨﴾

ان سے جب کہی کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اتاری ہوئی کتاب کی تابعداری کرو تو جواب دیتے ہیں کہ ہم تو اس طریقہ کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا گو ان کے باپ دادے بے عقل اور گم کردہ راہ ہوں۔ کفار کی مثال ان جانوروں کی طرح ہے جو اپنے چرواہے کی صرف پکار اور آواز ہی کو سنتے ہیں (سمجھتے نہیں) بہرے کو نکلے اور اندھے ہیں۔ انہیں عقل نہیں ○

گمراہی اور جہالت کیا ہے؟ ☆☆ (آیت: ۱۷۰-۱۷۱) یعنی ان کافروں اور مشرکوں سے جب کہا جاتا ہے کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہؐ کی پیروی کرو اور اپنی ضلالت و جہالت کو چھوڑ دو تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو اپنے بڑوں کی راہ لگے ہوئے ہیں جن چیزوں کی وہ پوجا پاٹ کرتے تھے ہم بھی کر رہے ہیں اور کرتے رہیں گے جس کے جواب میں قرآن کہتا ہے کہ وہ تو فہم و ہدایت سے غافل تھے۔ یہ آیت یہودیوں کے بارے میں اتری ہے۔

بھران کی مثال دی کہ جس طرح چرنے چگنے والے جانور اپنے چرواہے کی کوئی بات صحیح طور سے سمجھ نہیں سکتے صرف آواز کانوں

میں پڑتی ہے اور کلام کی بھلائی برائی سے بے خبر رہتے ہیں اسی طرح یہ لوگ بھی ہیں۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ جن جن کو یہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں اور ان سے اپنی حاجتیں اور مرادیں مانگتے ہیں وہ نہ سنتے ہیں نہ جانتے ہیں نہ دیکھتے ہیں نہ ان میں زندگی ہے نہ انہیں کچھ احساس ہے۔ کافروں کی یہ جماعت حق کی باتوں کے سننے سے بہری ہے حق کہنے سے بے زبان ہے۔ حق کے راہ چلنے سے اندھی ہے عقل و فہم سے دور ہے۔ جیسے اور جگہ ہے صُمُّ وَبُحْمٌ فِي الظُّلُمَاتِ یعنی ہماری باتوں کو جھٹلانے والے بہرے گوئیے اور اندھیرے میں ہیں جسے خدا چاہے گمراہ کرے اور جسے وہ چاہے سیدھی راہ لگا دے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَاشْكُرُوا  
لِلَّهِ إِن كُنْتُمْ تَعْبُدُونَهُ ۚ إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ  
وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أَهْلَ بِهِ لغيرِ اللَّهِ فَمَن اضْطَرَّ غَيْرَ  
بَاعٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۷۳﴾

ایمان والو جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تمہیں دے رکھی ہیں انہیں کھاؤ پو اور اللہ تعالیٰ کا شکر کرو اگر تم خاص اسی کی عبادت کرتے ہو ○ تم پر صرف مردہ اور (بہا ہوا) خون اور سور کا گوشت اور ہر وہ چیز جو اللہ کے سوا دوسرے کے نام پر مشہور کی جائے حرام ہے۔ پھر بھی جو مجبور ہو جائے اور وہ حد سے بڑھنے والا اور زیادتی کرنے والا نہ ہو اس پر (ان کے کھانے میں) کوئی گناہ نہیں اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والا مہربان ہے ○

حلال اور حرام کیا ہے؟ ☆ ☆ (آیت: ۱۴۲-۱۴۳) اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو حکم دیتا ہے کہ تم پاک صاف اور حلال طیب چیزیں کھایا کرو اور میری شکر گزاری کرو لقمہ حلال دعا اور عبادت کی قبولیت کا سبب ہے اور لقمہ حرام عدم قبولیت کا مسند احمد میں حدیث ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں لوگو اللہ تعالیٰ پاک ہے وہ پاک چیز کو قبول فرماتا ہے اس نے رسولوں کو اور ایمان والوں کو حکم دیا کہ وہ پاک چیزیں کھائیں اور نیک اعمال کریں۔ فرمان ہے يٰۤاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَارْمُوا يٰۤاَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ پھر آپ نے فرمایا کہ ایک شخص لباس سفر کرتا ہے وہ پرانہ بالوں والا غبار آلود ہوتا ہے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر دعا کرتا ہے اور گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے لیکن اس کا کھانا پینا لباس اور غذا سب حرام کے ہیں اس لئے اس کی اس وقت کی ایسی دعا بھی قبول نہیں ہوتی حلال چیزوں کا ذکر کرنے کے بعد حرام چیزوں کا بیان ہو رہا ہے کہ تم پر مردار جانور جو اپنی موت آپ مر گیا ہو جسے شرعی طور پر ذبح نہ کیا گیا ہو حرام ہے خواہ کسی نے اس کا گلا گھونٹ دیا ہو یا لکڑی اور لٹھے لگنے سے مر گیا ہو کہیں سے گر پڑا ہو اور مر گیا ہو یا دوسرے جانوروں نے اپنے سینک سے اسے ہلاک کر دیا ہو یا درندوں نے اسے مار ڈالا ہو۔ یہ سب میتہ میں داخل ہیں اور حرام ہیں۔ لیکن اس میں سے پانی کے جانور مخصوص ہیں وہ اگرچہ خود بخود مر جائے تاہم حلال ہے۔ قرآن کہتا ہے اَحْلَلْ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ اِنَّ اِسْکَانَ کَا پورا بیان اس آیت کی تفسیر میں آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ خبر نامی جانور کا مرنا ہو یا ملنا اور صحابہ کا اسے کھانا پھر حضور کو اس کی خبر ہونا اور آپ کا اسے جائز قرار دینا۔ یہ سب باتیں حدیث میں ہیں۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ سمندر کا پانی پاک ہے اور اس کا مردہ حلال ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں دو مردے اور دو خون ہم پر حلال ہیں، مچھلی اور مڈھی، کبھی اور تلی۔ سورہ مائدہ میں اس کا بیان تفصیل وار آئے گا ان شاء اللہ۔ مسئلہ: ☆ ☆ مردار جانور کا دودھ اور اس کے انڈے جو اس میں ہوں نجس ہیں امام شافعی کا یہی مذہب ہے اس لئے کہ وہ بھی میت کا ایک

جزد ہے امام مالکؒ سے ایک روایت میں ہے کہ ہے تو وہ پاک لیکن میت میں شامل ہونے کی وجہ سے نجس ہو جاتی ہے اسی طرح مردار کی کھیس (کھیری) بھی مشہور مذہب میں ان بزرگوں کے نزدیک ناپاک ہے گو اس میں اختلاف بھی ہے۔ صحابہ کا جو سیوں کا پتیر کھانا گو بطور اعتراض ان پر وارد ہو سکتا ہے مگر اس کا جواب قرطبیؒ نے یہ دیا ہے کہ دودھ بہت ہی کم ہوتا ہے کوئی بپنے والی ایسی تھوڑی سی چیز اگر کسی مقدار میں زیادہ بپنے والی میں پڑ جائے تو کوئی حرج نہیں۔

نبی ﷺ سے کھی اور پتیر اور گور خر کے بارے میں سوال ہوا تو آپؐ نے فرمایا حلال وہ ہے جسے اللہ نے اپنی کتاب میں حلال بتایا اور حرام وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حرام قرار دیا اور جس کا بیان نہیں وہ سب معاف ہیں۔ پھر فرمایا تم پر سور کا گوشت بھی حرام ہے خواہ اسے ذبح کیا ہو خواہ وہ خود مر گیا ہو سو رکی چربی کا حکم بھی یہی ہے اس لئے کہ چونکہ اکثر گوشت ہی ہوتا ہے اور چربی گوشت کے ساتھ ہی ہوتی ہے پس جب گوشت حرام ہو تو چربی بھی حرام ہوئی۔ دوسرے اس لئے بھی کہ گوشت میں ہی چربی ہوتی ہے اور قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے۔ پھر فرمایا کہ جو چیز اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کے نام پر مشہور کی جائے وہ بھی حرام ہے۔ جاہلیت کے زمانہ میں کافر لوگ اپنے معبودان باطل کے نام پر جانور ذبح کیا کرتے تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا۔

ایک مرتبہ ایک عورت نے گڑیا کے نکاح پر ایک جانور ذبح کیا تو حسن بصریؒ نے فتویٰ دیا کہ اسے نہ کھانا چاہئے اس لئے کہ وہ ایک تصویر کے لئے ذبح کیا گیا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سوال کیا گیا کہ نجی لوگ جو اپنے تہوار اور عید کے موقعہ پر جانور ذبح کرتے ہیں اور مسلمانوں کو بھی اس میں سے ہدیہ بھیجتے ہیں ان کا گوشت کھانا چاہئے یا نہیں؟ تو فرمایا اس دن کی عظمت کے لئے جو جانور ذبح کیا جائے اسے نہ کھاؤ ہاں ان کے درختوں کے پھل کھاؤ۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ضرورت اور حاجت کے وقت جبکہ کچھ اور کھانے کو نہ ملے ان حرام چیزوں کا کھالینا مباح کیا ہے اور فرمایا جو شخص بے بس ہو جائے اور وہ باغی اور سرکش اور حد سے بڑھ جانے والا نہ ہو اس پر ان چیزوں کے کھانے میں گناہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والا مہربان ہے باغ اور عباد کی تفسیر میں حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں ڈاکو اور ہزن مسلمان بادشاہ پر چڑھائی کرنے والا سلطنت اسلام کا مخالف اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں سفر کرنے والا سبکی کے لئے اس اضطرار کے وقت بھی حرام چیزیں حرام ہی رہتی ہیں غیر باغ کی تفسیر حضرت مقاتل بن حبانؒ یہ بھی کرتے ہیں کہ وہ اسے حلال سمجھنے والا نہ ہو اور اس میں لذت اور مزہ کا خواہشمند نہ ہو۔ اسے بھون بھان کر لذت نہ کرنا کرا چھا پکا کر کھائے بلکہ جیسا تیسرا صرف جان بچانے کے لئے کھالے اور اگر ساتھ لے تو اتنا کہ زندگی کے ساتھ حلال چیز کے ملنے تک باقی رہ جائے جب حلال چیز مل گئی اسے پھینک دے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں اسے خوب پیٹ بھر کر نہ کھائے حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں جو شخص اس کے کھانے کے لئے مجبور کر دیا جائے اور بے اختیار ہو جائے اس کا بھی یہی حکم ہے۔

مسئلہ: ☆☆ ایک شخص بھوک کے مارے بے بس ہو گیا ہے اسے ایک مردار جانور نظر پڑا اور کسی دوسرے کی حلال چیز بھی دکھائی دی جس میں نہ رشتہ کا ٹوٹنا ہے نہ ایذا دہی ہے تو اسے اس دوسرے کی چیز کو کھالینا چاہئے مردار نہ کھائے۔ پھر آیا اس چیز کی قیمت یا وہی چیز اس کے ذمہ رہے گی یا نہیں اس میں دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ رہے گی دوسرے یہ کہ نہ رہے گی۔ نہ رہنے والے قول کی تائید میں یہ حدیث ہے جو ابن ماجہ میں ہے۔ حضرت عباد بن شریلؒ غزیؒ کہتے ہیں ہمارے ہاں ایک سال قحط سالی پڑی میں مدینہ گیا اور ایک کھیت میں سے کچھ بالیں توڑ کر چھیل کر دانے چبانے لگا اور تھوڑی سی بالیں اپنی چادر میں باندھ کر چلا کھیت والے نے دیکھ لیا اور مجھے پکڑ کر مارا پینا اور میری چادر چھین لی۔ میں آنحضرت ﷺ کے پاس گیا اور آپؐ سے واقعہ عرض کیا تو آپؐ نے اس شخص کو کہا اس بھوکے کو نہ تو تو نے کھانا کھلایا نہ اس کے لئے کوئی

اور کوشش کی نہ اسے کچھ سمجھایا سکھایا یہ بیچارہ بھوکا تھا نادان تھا جاؤ اس کا کپڑا واپس کر دو اور ایک دس یا آدھا دس غلہ اسے دے دو (ایک دس چار من کے قریب ہوتا ہے) ایک اور حدیث میں ہے کہ درختوں میں لگے ہوئے پھلوں کی نسبت حضور علیہ السلام سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا جو حاجت مند شخص ان سے میں کچھ کھالے، لیکن نہ جائے اس پر کچھ جرم نہیں۔

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مطلب آیت کا یہ ہے کہ اضطراب اور بے بسی کے وقت بے بسی اور اضطراب ہٹ جائے۔ اتنا کھا لینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ یہ بھی مروی ہے کہ تین قسموں سے زیادہ نہ کھائے غرض ایسے وقت میں خدا کی مہربانی اور نوازش سے یہ حرام اس کے لئے حلال ہے۔ حضرت مسروق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اضطراب کے وقت بھی جو شخص حرام چیز نہ کھائے اور مر جائے وہ جہنمی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایسے وقت ایسی چیز کھانی ضروری ہے نہ کہ صرف رخصت ہی ہو یہی بات زیادہ صحیح ہے جیسے کہ بیمار کا روزہ چھوڑ دینا وغیرہ۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلَ اللَّهُ مِنَ الْكِتَابِ وَيَشْتَرُونَ بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۖ أُولَٰئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝  
أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرُوا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۖ فَمَا أَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ۝  
ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ نَزَّلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِي الْكِتَابِ لَفِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ ۝

جو لوگ اللہ تعالیٰ کی اتاری ہوئی کتاب کو چھپاتے ہیں اور اسے تموڑی تموڑی سی قیمت پر بیچتے ہیں یقیناً مانو کہ یہ اپنے پیٹ میں آگ بھڑ رہے ہیں۔ قیامت کے دن ان سے اللہ تعالیٰ بات بھی نہ کرے گا نہ انہیں پاک کرے گا بلکہ ان کے لئے دردناک عذاب ہیں ○ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے گمراہی کو ہدایت کے بدلے اور عذاب کو مغفرت کے بدلے مول لے لیا ہے یہ لوگ عذاب آگ کا کیا کچھ برداشت کرنے والے ہیں ○ ان (عذابوں کا) باعث یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اتاری ہوئی سچی کتاب کو انہوں نے چھپایا۔ اس کتاب میں اختلاف کرنے والے یقیناً دور کے خلاف میں ہیں ○

بدترین لوگ: ☆ ☆ (آیت: ۱۷۴-۱۷۶) یعنی جو یہودی نبی کی صفات کی آیتوں کو جو تورات میں ہیں چھپاتے ہیں اور اس کے بدلے اپنی آؤ بھگت عرب سے کراتے ہیں اور عوام سے تحفے اور نقدی سیختے رہتے ہیں، وہ اس گھٹیا دنیا کے بدلے اپنی آخرت خراب کر رہے ہیں۔ انہیں ڈر لگا ہوا ہے کہ اگر حضور مکی نبوت کی سچائی اور آپ کے دعوے کی تصدیق کی آیتیں (جو تورات میں ہیں) لوگوں پر ظاہر ہو گئیں تو لوگ آپ کے ماتحت ہو جائیں گے اور انہیں چھوڑ دیں گے اس خوف سے وہ ہدایت و مغفرت کو چھوڑ بیٹھے اور ضلالت و عذاب پر خوش ہو گئے اس باعث دنیا اور آخرت کی بربادی ان پر نازل ہوئی آخرت کی رسوائی تو ظاہر ہے لیکن دنیا میں بھی لوگوں پر ان کا مکمل کل گیا۔  
وَقَدْ افْتَادُوا آیتیں جنہیں یہ بدترین علماء چھپاتے رہتے تھے ظاہر ہوتی رہیں۔

علاوہ ازیں خود حضور کے معجزات اور آپ کی پاکیزہ عادت نے لوگوں کو آپ کی تصدیق پر آمادہ کر دیا اور ان کی وہ جماعت جس نے ہاتھ سے نکل جانے کے ڈر نے انہیں کلام اللہ چھپانے پر آمادہ کیا تھا بالآخر ہاتھ سے جاتی رہی ان لوگوں نے حضور سے بیعت کر لی ایمان لے آئے اور آپ کے ساتھ مل کر ان حق کے چھپانے والوں کی جانیں لیں اور ان سے باقاعدہ جہاد کیا۔ قرآن کریم میں ان کی حقائق چھپانے

والی حرکتوں کو جگہ جگہ بیان کیا گیا اور فرمایا ہے کہ جو مال تم کما تے ہو۔ اللہ کی باتوں کو چھپا کر۔

قرآن کریم نے ان لوگوں کے بارے میں بھی جو تیسوں کا مال ظلم سے ہڑپ کر لیں ان کے لئے بھی یہی فرمایا ہے کہ وہ بھی اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ بھر رہے ہیں اور قیامت کے دن بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے صحیح حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جو شخص سونے چاندی کے برتن میں کھاتا پیتا ہے وہ بھی اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ بھرتا ہے۔ پھر فرمایا ان سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بات چیت بھی نہیں کرے گا نہ انہیں پاک کرے گا بلکہ المناک عذابوں میں مبتلا کرے گا۔ اس لئے کہ ان کے اس کروت کی وجہ سے اللہ کا غضب ان پر نازل ہوا ہے اور اب ان پر سے نظر رحمت ہٹ گئی ہے اور یہ ستائش اور تعریف کے قابل نہیں رہے بلکہ سزا یاب ہوں گے اور وہاں تملاتے رہیں گے۔ حدیث شریف میں ہے تین قسم کے لوگوں سے اللہ بات چیت نہ کرے گا نہ ان کی طرف دیکھے گا نہ انہیں پاک کرے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہیں۔ زانی بڑھا، جھوٹا بادشاہ، متکبر فقیر۔ فرمایا کہ ان لوگوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی لے لی انہیں چاہئے تھا کہ توراۃ میں جو خبریں حضور کی نسبت تھیں انہیں ان پڑھوں تک پہنچاتے لیکن اس کے بدلے انہوں نے انہیں چھپالیا اور خود بھی آپ کے ساتھ کفر کیا اور آپ کی تکذیب کی ان کے اظہار پر جو نعمتیں اور رحمتیں انہیں ملنے والی تھیں ان کے بدلے زمیں اور عذاب اپنے سر لئے۔ پھر فرماتا ہے انہیں وہ دردناک اور حیرت انگیز عذاب ہوں گے کہ دیکھنے والا ششدر رہ جائے اور یہ بھی معنی ہیں کہ انہیں آگ کے عذاب کی برداشت پر کس چیز نے آمادہ کیا جو یہ اللہ کی نافرمانیوں میں مشغول ہو گئے۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ یہ لوگ اس عذاب کے مستحق اس لئے ہوئے کہ انہوں نے اللہ کی باتوں کو ہنسی کھیل سمجھا اور جو کتاب اللہ حق کو ظاہر کرنے اور باطل کو نابود کرنے کے لئے اتنی تھی انہوں نے اس کی مخالفت کی۔ ظاہر کرنے کی باتیں چھپائیں اللہ کے نبی سے دشمنی کی آپ کی مفتوں کو ظاہر نہ کیانی الواقع اس کتاب کے بارے میں اختلاف کرنے والے دور کی گمراہی میں جا پڑے۔

لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُولُوا وَجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ  
وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ  
وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّنَ وَآتَى الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ  
وَالْمَسْكِينِ وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ وَأَقَامَ  
الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا وَالصَّابِرِينَ  
فِي الْبَاسَاءِ وَالضَّرَاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَأُولَٰئِكَ  
هُمُ الْمُتَّقُونَ

ساری بھلائی مشرق و مغرب کی طرف منہ کرنے میں ہی نہیں بلکہ حقیقتاً بھلا وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ پر قیامت کے دن پر فرشتوں پر کتاب اللہ پر ایمان رکھنے والا ہو۔ جو اس کی محبت میں مال خرچ کرے۔ قربات واروں تیسوں مسکینوں مسافروں اور سوال کرنے والوں کو دے غلاموں کو آزاد کرے۔ نماز کی پابندی کرے اور زکوٰۃ کی ادائیگی کرے۔ جب وعدہ کرے تب اسے پورا کرے۔ تنگ وقتی دکھ درد اور لڑائی کے وقت صبر کرے۔ یہی سچے لوگ ہیں اور یہی پرہیزگار ہیں ○



ایمان کا ایک پہلو: ☆ ☆ (آیت: ۱۷۷) اس پاک آیت میں صحیح عقیدے اور راہ مستقیم کی تعلیم ہو رہی ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب حضور علیہ السلام سے ایمان کے بارے میں سوال کیا کہ ایمان کیا چیز ہے؟ تو حضورؐ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی۔ انہوں نے پھر سوال کیا۔ حضورؐ نے پھر یہی آیت تلاوت فرمائی۔ پھر یہی سوال کیا۔ آپؐ نے فرمایا سنو۔ نیکی سے محبت اور برائی سے عداوت ایمان ہے (ابن ابی حاتم) لیکن اس روایت کی سند منقطع ہے۔ مجاہدؒ حضرت ابوذرؓ سے اس حدیث کو روایت کرتے ہیں حالانکہ ان کی ملاقات ثابت نہیں ہوئی۔ ایک شخص نے حضرت ابوذرؓ سے سوال کیا کہ ایمان کیا ہے؟ تو آپؐ نے یہی آیت تلاوت فرمادی اس نے کہا حضرت میں آپؐ سے بھلائی کے بارے میں سوال نہیں کرتا میرا سوال ایمان کے بارے میں ہے تو آپؐ نے فرمایا، سن ایک شخص نے یہی سوال حضورؐ سے کیا۔ آپؐ نے اسی آیت کی تلاوت فرمادی وہ بھی تمہاری طرح راضی نہ ہوا تو آپؐ نے فرمایا مومن جب نیک کام کرتا ہے تو اس کا جی خوش ہو جاتا ہے اور اسے ثواب کی امید ہوتی ہے اور جب گناہ کرتا ہے تو اس کا دل غمگین ہو جاتا ہے اور وہ عذاب سے ڈرنے لگتا ہے (ابن مردویہ)

یہ روایت بھی منقطع ہے۔ اب اس آیت کی تفسیر سنئے، مومنوں کو پہلے تو حکم ہوا کہ وہ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھیں۔ پھر انہیں کعبہ کی طرف گھما دیا گیا جو اہل کتاب پر اور بعض ایمان والوں پر بھی شاق گذرا پس اللہ تعالیٰ نے اس کی حکمت بیان فرمائی کہ اس کا اصل مقصد اطاعت فرمان الہی ہے وہ جدھر منہ کرنے کو کہہ کر لو۔ اہل تقویٰ اصل بھلائی اور کامل ایمان یہی ہے کہ مالک کے زیر فرمان رہو اگر کوئی مشرق کی طرف منہ کرے یا مغرب کی طرف منہ پھیر لے اور اللہ کا حکم نہ ہو تو وہ اس توجہ سے ایماندار نہیں ہو جائے گا بلکہ حقیقت میں باایمان وہ ہے جس میں وہ اوصاف ہوں جو اس آیت میں بیان ہوئے۔

قرآن کریم نے ایک اور جگہ فرمایا ہے لَنْ يَنَالِ اللَّهُ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلَكِنْ يَنَالُهُ التَّقْوَىٰ مِنْكُمْ<sup>①</sup> یعنی تمہاری قربانیوں کے گوشت اور لہو اللہ کو نہیں پہنچتے بلکہ اس تک تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ تم نمازیں پڑھو اور دوسرے اعمال نہ کرو یہ کوئی بھلائی نہیں۔ یہ حکم اس وقت تھا جب مکہ سے مدینہ کی طرف لوٹے تھے لیکن پھر اس کے بعد اور فرائض اور احکام نازل ہوئے اور ان پر عمل کرنا ضروری قرار دیا گیا۔ مشرق و مغرب کو اس کے لئے خاص کیا گیا کہ یہود مغرب کی طرف اور نصاریٰ مشرق کی طرف منہ کیا کرتے تھے۔ پس غرض یہ ہے کہ یہ تو صرف لفظی ایمان ہے۔ ایمان کی حقیقت تو عمل ہے۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں بھلائی یہ ہے کہ اطاعت کا مادہ دل میں پیدا ہو جائے، فرائض پابندی کے ساتھ ادا ہوں، تمام بھلائیوں کا عامل ہو، حق تو یہ ہے کہ جس نے اس آیت پر عمل کر لیا، اس نے کامل اسلام پالیا اور دل کھول کر بھلائی سمیٹ لی اس کا ذات باری پر ایمان ہے۔ یہ وہ جانتا ہے کہ معبود بحق وہی ہے۔ فرشتوں کے وجود کو اور اس بات کو کہ وہ اللہ کا پیغام اللہ کے مخصوص بندوں پر لاتے ہیں۔ یہ مانتا ہے کہ آسمانی کتابوں کو برحق جانتا ہے اور سب سے آخری کتاب قرآن کریم کو جو کہ تمام اگلی کتابوں کو سچا کہنے والی تمام بھلائیوں کی جامع اور دین و دنیا کی سعادت پر مشتمل ہے وہ مانتا ہے۔ اسی طرح اول سے آخر تک کے تمام انبیاء پر بھی اس کا ایمان ہے بالخصوص خاتم الانبیاء رسول اللہ ﷺ پر بھی۔ مال کو باوجود مال کی محبت کے راہ اللہ میں خرچ کرتا ہے۔

صحیح حدیث شریف میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں افضل صدقہ یہ ہے کہ تو اپنی صحت اور مال کی محبت کی حالت میں اللہ کے نام دے باوجود یکہ مال کی کمی کا اندیشہ ہو اور زیادتی کی رغبت بھی ہو (بخاری و مسلم) مستدرک حاکم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وَآتَى الْمَالَ

علیٰ حُبَّہ پڑھ کر فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم صحت میں اور مال کی چاہت کی حالت میں فقیری سے ڈرتے ہوئے اور امیری کی خواہش رکھتے ہوئے صدقہ کرو لیکن اس روایت کا موقوف ہونا زیادہ صحیح ہے۔ اصل میں یہ فرمان حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے۔ قرآن کریم میں سورہ دھرم فرمایا وَطُغْمُونَ الطَّعَامِ عَلٰی حُبِّہ الخ مسلمان باوجود کھانے کی چاہت کے مسکینوں یتیموں اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم تمہیں اللہ کی خوشنودی کے لئے کھلاتے ہیں نہ تم سے اس کا بدلہ چاہتے ہیں نہ شکریہ۔ اور جگہ فرمایا لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ جب تک تم اپنی چاہت کی چیزیں اللہ کے نام نہ دو تم حقیقی بھلائی نہیں پاسکتے۔ اور جگہ فرمایا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰی اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ یعنی باوجود اپنی حاجت اور ضرورت کے بھی وہ دوسروں کو اپنے نفس پر مقدم کرتے ہیں۔ پس یہ لوگ بڑے پایہ کے ہیں کیونکہ پہلی قسم کے لوگوں نے تو اپنی پسندیدہ چیز باوجود اس کی محبت کے دوسروں کو دی لیکن ان بزرگوں نے اپنی چاہت کی وہ چیز جس کے وہ محتاج تھے دوسروں کو دے دی اور اپنی حاجت مندی کا خیال بھی نہ کیا۔

ذَوِی الْقُرْبٰی انہیں کہتے ہیں جو رشتہ دار ہوں صدقہ دیتے وقت یہ دوسروں سے زیادہ مقدم ہیں۔ حدیث میں ہے مسکین کو دینا اکہرا ثواب ہے اور قرابت دار مسکین کو دینا دو ہر ا ثواب ہیا یک ثواب صدقہ کا دوسرا صلہ رحمی کا تمہاری بخشش اور خیراتوں کے زیادہ مستحق یہ ہیں۔ قرآن کریم میں ان کے ساتھ سلوک کرنے کا حکم کئی جگہ ہے۔ یتیم سے مراد وہ چھوٹے بچے ہیں جن کے والد مر گئے ہوں اور ان کا کمانے والا کوئی نہ ہو۔ نہ خود انہیں اپنی روزی حاصل کرنے کی قوت و طاقت ہو۔ حدیث شریف میں ہے بلوغت کے بعد یتیمی نہیں رہتی۔

مساکین وہ ہیں جن کے پاس اتنا ہو جو ان کے کھانے پینے پہننے اوڑھنے رہنے سہنے کو کافی ہو سکے ان کے ساتھ بھی سلوک کیا جائے جس سے ان کی حاجت پوری ہو اور فقر و فاقہ اور قلت و ذلت کی حالت سے بچ سکیں۔ صحیحین میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں مسکین صرف وہی لوگ نہیں جو مال گنتے پھرتے ہوں اور ایک ایک دودو کھجوریں یا ایک ایک دودو لقمے روٹی کے لے جاتے ہوں بلکہ مسکین وہ بھی ہیں جن کے پاس اتنا نہ ہو کہ ان کے سب کام نکل جائیں نہ وہ اپنی حالت ایسی بنائیں جس سے لوگوں کو علم ہو جائے انہیں کوئی کچھ دے دے۔

ابن السبیل مسافر کو کہتے ہیں۔ یہاں مراد وہ مسافر ہیں جن کے پاس سفر خرچ نہ رہا ہو انہیں اتنا دیا جائے جس سے یہ باطمینان اپنے وطن پہنچ جائیں۔ اسی طرح وہ شخص بھی جو اطاعت الہی میں سفر کر رہا ہو اسے جانے آنے کا خرچ دینا، مہمان بھی اسی حکم میں ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ مہمان کو بھی ابن السبیل میں داخل کرتے ہیں اور دوسرے بزرگ سلف بھی۔ مساکین وہ لوگ ہیں جو اپنی حاجت ظاہر کر کے لوگوں سے کچھ مانگیں۔ انہیں بھی صدقہ زکوٰۃ دینا چاہئے۔ حضورؐ فرماتے ہیں: سائل کا حق ہے اگر چہ وہ گھوڑے پر سوار آئے (ابوداؤد) فی الرقاب سے مراد غلاموں کو آزادی دلانا ہے وہ غلام ہوں جنہوں نے اپنے مالکوں کو مقررہ قیمت کی ادائیگی کا لکھ دیا ہو کہ اتنی رقم ہم تمہیں ادا کر دیں گے تو ہم آزاد ہیں لیکن اب ان بیچاروں سے ادا نہیں ہو سکی تو ان کی امداد کر کے انہیں آزاد کرانا۔ ان تمام قسموں کی اور دوسرے اسی قسم کے لوگوں کی پوری تفسیر سورہ برات میں انما الصدقات کی تفسیر میں بیان ہوگی ان شاء اللہ۔ حضرت فاطمہ بنت قیسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مال میں زکوٰۃ کے سوا کچھ اور بھی اللہ تعالیٰ کا حق ہے پھر آپ نے یہ آیت پڑھ کر سنائی اس حدیث کا ایک راوی ابو جزمہ میمونؓ اعور ضعیف ہے۔

پھر فرمایا نماز کو وقت پر پورے رکوع، سجدے، اطمینان اور آرام، خشوع اور خضوع کے ساتھ ادا کرے جس طرح ادائیگی کا شریعت کا حکم ہے اور زکوٰۃ کو بھی ادا کرے یا یہ معنی کہ اپنے نفس کو بے معنی باتوں اور ذلیل اخلاقوں سے پاک کرے جیسے فرمایا قَدْ اَفْلَحَ مَنْ

زَنَکَهَا یعنی اپنے نفس کو پاک کرنے والا فلاح پا گیا اور اسے گندگی میں لتھیرنے (لت پت کرنے والا) تباہ ہو گیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے یہی فرمایا تھا کہ هَلْ لَكَ اِلٰى اَنْ تَزْنٰکَی اور جگہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِکِیْنَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْتُوْنَ الزَّکٰوةَ یعنی ان مشرکوں کو ویل ہے جو زکوٰۃ ادا نہیں کرتے یا یہ کہ جو اپنے آپ کو شرک سے پاک نہیں کرتے۔ پس یہاں مندرجہ بالا آیت زکوٰۃ سے مراد زکوٰۃ نفس یعنی اپنے آپ کو گندگیوں اور شرک و کفر سے پاک کرنا ہے اور ممکن ہے مال کی زکوٰۃ مراد ہو تو اور احکام نفلی صدقہ سے متعلق سمجھے جائیں گے جیسے اوپر حدیث بیان ہوئی کہ مال میں زکوٰۃ کے سوا اور حق بھی ہیں۔ پھر فرمایا وعدے پورے کرنے والے جیسے اور جگہ ہے یُؤْفَوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ اِنَّہِیَ لَکُمْ عٰہِدٌ کُوْپَرَا کرتے ہیں اور وعدے نہیں توڑتے۔

وعدے توڑنا نفاق کی خصلت ہے۔ جیسے حدیث میں ہے منافق کی تین نشانیاں ہیں بات کرتے ہوئے جھوٹ بولنا، وعدہ خلافی کرنا، امانت میں خیانت کرنا۔

ایک اور حدیث میں ہے جھگڑے کے وقت گالیاں بکنا۔ پھر فرمایا فقر و فاقہ میں مال کی کمی کے وقت بدن کی بیماری کے وقت لڑائی کے موقع پر دشمنان دین کے سامنے میدان جنگ میں جہاد کے وقت صبر و ثبات قدم رہنے والے اور فلولادی چٹان کی طرح جم جانے والے صابِ رین کا نصب بطور مدح کے ہے ان سختیوں اور مصیبتوں کے وقت صبر کی تعلیم اور تلقین ہو رہی ہے اللہ تعالیٰ ہماری مدد کرے ہمارا بھروسہ اسی پر ہے پھر فرمایا ان اوصاف والے لوگ ہی سچے ایمان والے ہیں ان کا ظاہر و باطن قول و فعل یکساں ہے اور متقی بھی یہی لوگ ہیں کیونکہ اطاعت گزار ہیں اور نافرمانیوں سے دور ہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِصَاصُ فِی الْقَتْلِ الْخُرِّ  
بِالْخُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاَنْثٰی بِالْاَنْثٰی فَمَنْ عَفٰی لَہٗ مِنْ اَخِیْہِ  
شَیْءٌ فَاَتَّبَعْ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَاہُ اِلَیْہِ بِاِحْسَانٍ ذٰلِکَ تَخْفِیْفٌ مِّنْ  
رَّبِّکُمْ وَرَحْمَةٌ فَمِنْ اَعْتَدٰی بَعْدَ ذٰلِکَ فَلَہٗ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۵۸﴾  
وَلَکُمْ فِی الْقِصَاصِ حَیْوَةٌ یَّٰۤاُولِی الْاَلْبَابِ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۵۹﴾

ایمان والو تم پر مقتولوں کا قصاص لینا فرض کیا گیا ہے۔ آزاد آزاد کے بدلے غلام غلام کے بدلے عورت عورت کے بدلے جس کسی کو اس کے بھائی کی طرف سے کچھ معافی دے دی جائے اسے بھلائی کے پیچھے لگنا چاہئے اور آسانی کے ساتھ دیت ادا کرنی چاہئے۔ تمہارے رب کی طرف سے یہ تخفیف اور رحمت ہے اس کے بعد بھی جو سرکشی کرے اسے دردناک عذاب ہوگا ○ عظیم و قصاص میں تمہارے لئے زندگی ہے اس باعث تم (قتل ناحق سے) رکو گے ○

قصاص کی وضاحت: ☆☆ (آیت: ۱۷۸-۱۷۹) یعنی اے مسلمانو! قصاص کے وقت عدل سے کام لیا کرو آزاد کے بدلے آزاد غلام کے بدلے غلام عورت کے بدلے عورت اس بارے میں حد سے نہ بڑھو جیسے کہ اگلے لوگ حد سے بڑھ گئے اور خدا کا حکم بدل دیا اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ جاہلیت کے زمانہ میں بنو قریظہ اور بنو نضیر کی جنگ ہوئی تھی جس میں بنو نضیر غالب آئے تھے۔ اب یہ دستور ہو گیا تھا کہ جب نضیری کسی قرظی کو قتل کرے تو اس کے بدلے اسے قتل نہیں کیا جاتا تھا بلکہ ایک سودن کھجور دیت میں لی جاتی تھی اور جب کوئی قرظی نضیری کو مار ڈالے تو قصاص میں اسے قتل کر دیا جاتا تھا اور اگر دیت لی جائے تو ڈبل دیت یعنی دو سودن کھجور لی جاتی تھی۔

پس اللہ تعالیٰ نے جاہلیت کی اس رسم کو مٹایا اور عدل و مساوات کا حکم دیا۔ ابو حاتم کی روایت میں شان نزول یوں بیان ہوا ہے کہ عرب کے دو قبیلوں میں جدال و قتال ہوا تھا۔ اسلام کے بعد اس کا بدلہ لینے کی ٹھانی اور کہا کہ ہمارے غلام کے بدلے ان کا آزاد قتل ہو اور عورت کے بدلے مرد قتل ہو تو ان کے رد میں یہ آیت نازل ہوئی اور یہ حکم بھی منسوخ ہے۔ قرآن فرماتا ہے النَّفْسُ بِالنَّفْسِ پس ہر قاتل مقتول کے بدلے مار ڈالا جائے گا خواہ آزاد نے کسی غلام کو قتل کیا ہو خواہ اس کے برعکس ہو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ مرد کو عورت کے بدلے قتل نہیں کرتے تھے جس پر النَّفْسُ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنُ بِالْعَيْنِ نازل ہوئی پس آزاد لوگ سب برابر ہیں۔ جان کے بدلے جان لی جائے گی خواہ قاتل مرد ہو خواہ عورت ہو اسی طرح مقتول خواہ مرد ہو خواہ عورت ہو جب کہ ایک آزاد انسان نے ایک آزاد انسان کو مار ڈالا ہے تو اسے بھی مار ڈالا جائے گا۔ اسی طرح یہی حکم غلاموں اور لونڈیوں میں بھی جاری ہوگا اور جو کوئی جان لینے کے قصد سے دوسرے کو قتل کرے گا وہ قصاص میں قتل کیا جائے گا اور یہی حکم قتل کے علاوہ اور زخموں کا اور دوسرے اعضاء کی بربادی کا بھی ہے۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بھی اس آیت کو انفس بالنفس سے منسوخ بتلاتے ہیں۔ ☆ مسئلہ ☆ امام ابو حنیفہؒ امام ثوریؒ امام ابن ابی لیلیٰؒ اور داؤدؒ کا مذہب ہے کہ آزاد نے اگر غلام کو قتل کیا ہے تو اس کے بدلے وہ بھی قتل کیا جائے گا حضرت علیؒ حضرت ابن مسعودؒ حضرت سعید بن جبیرؒ حضرت ابراہیم خنیؒ حضرت قتادہؒ اور حضرت حکمؒ کا بھی یہی مذہب ہے۔ حضرت امام بخاریؒ علی بن مدینیؒ ابراہیم خنیؒ اور ایک اور روایت کی رو سے حضرت ثوریؒ کا بھی مذہب یہی ہے کہ اگر کوئی آقا اپنے غلام کو مار ڈالے تو اس کے بدلے اس کی جان لی جائے گی۔ دلیل میں یہ حدیث بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔ جو شخص اپنے غلام کو قتل کرے ہم اسے قتل کریں گے اور جو شخص اپنے غلام کو کھلا کرے ہم بھی اس کی ناک کٹا دیں گے اور جو اسے خصی کرے اس سے بھی یہی بدلہ لیا جائے گا لیکن جمہور کا مذہب ان بزرگوں کے خلاف ہے۔ وہ کہتے ہیں آزاد غلام کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا اس لئے کہ غلام مال ہے۔ اگر وہ خطا سے قتل ہو جائے تو دیت یعنی جرمانہ نہیں دینا پڑتا صرف اس کے مالک کو اس کی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے اور اسی طرح اس کے ہاتھ پاؤں وغیرہ کے نقصان پر بھی بدلے کا حکم نہیں۔ آیا مسلمان کافر کے بدلے قتل کیا جائے گا یا نہیں؟ اس بارے میں جمہور علماء امت کا مذہب تو یہ ہے کہ قتل نہ کیا جائے گا اور دلیل صحیح بخاری شریف کی یہ حدیث ہے کہ لَا يَقْتُلُ مُسْلِمٌ بِكَافِرٍ مُسْلِمٌ کافر کے بدلے قتل نہ کیا جائے اس حدیث کے خلاف نہ تو کوئی صحیح حدیث ہے نہ کوئی ایسی تاویل ہو سکتی ہے جو اس کے خلاف ہو لیکن تاہم صرف امام ابو حنیفہؒ کا مذہب یہ ہے کہ مسلمان کافر کے بدلے قتل کر دیا جائے۔

☆ ☆ مسئلہ ☆ حضرت حسن بصریؒ اور حضرت عطاء کا قول ہے کہ مرد عورت کے بدلے قتل نہ کیا جائے اور دلیل میں مندرجہ بالا آیت کو پیش کرتے ہیں لیکن جمہور علماء اسلام اس کے خلاف ہیں کیونکہ سورہ مائدہ کی آیت عام ہے جس میں النفس بالنفس موجود ہے۔ علاوہ ازیں حدیث شریف میں بھی ہے المسلمون تتكافأ دماءهم یعنی مسلمانوں کے خون آپس میں یکساں ہیں۔ حضرت لیثؒ کا مذہب ہے کہ خاندان گراہنی بیوی کو مار ڈالے تو خاصہ اس کے بدلے اس کی جان نہیں لی جائے گی۔

☆ ☆ مسئلہ ☆ چاروں اماموں اور جمہور امت کا مذہب ہے کہ کئی ایک نے نل کر ایک مسلمان کو قتل کیا ہے تو وہ سارے اس ایک کے بدلے قتل کر دئے جائیں گے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں ایک شخص کو سات شخص مل کر مار ڈالتے ہیں تو آپ ان ساتوں کو قتل کراتے ہیں اور فرماتے ہیں اگر صفا کے تمام لوگ بھی اس قتل میں شریک ہوتے تو میں قصاص میں سب کو قتل کر دیتا۔ آپ کے اس فرمان کے

خلاف آپؐ کے زمانہ میں کسی صحابیؓ نے نہیں کیا پس اس بات پر گویا اجماع ہو گیا۔ لیکن امام احمدؒ سے مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں، ایک کے بدلے صرف ایک ہی قتل کیا جائے۔ زیادہ قتل نہ کئے جائیں حضرت معاذؓ، حضرت ابن زبیرؓ، عبدالملک بن مروان زہریؓ، ابن سیرینؓ، حنین بن ابی ثابتؓ سے بھی یہ قول مروی ہے ابن المنذرؒ فرماتے ہیں یہی زیادہ صحیح ہے اور ایک جماعت کو ایک مقتول کے بدلے قتل کرنے کی کوئی دلیل نہیں اور حضرت ابن زبیرؓ سے یہ ثابت ہے کہ وہ اس مسئلہ کو نہیں مانتے تھے پس جب صحابہؓ میں اختلاف ہوا تو اب مسئلہ غور طلب ہو گیا۔ پھر فرماتا ہے کہ یہ اور بات ہے کہ کسی قاتل کو مقتول کا کوئی وارث کچھ حصہ معاف کر دے یعنی قتل کے بدلے وہ دیت قبول کر لے یا دیت بھی اپنے حصہ کی چھوڑ دے اور صاف معاف کر دے۔ اگر وہ دیت پر راضی ہو گیا ہے تو قاتل کو مشکل نہ ڈالے بلکہ اچھائی سے دیت وصول کرے اور قاتل کو بھی چاہئے کہ بھلائی کے ساتھ اسے دیت ادا کر دے۔ حیل حجت نہ کرے۔

مسئلہ: ☆☆ امام مالکؒ کا مشہور مذہب اور امام ابو حنیفہؒ اور آپ کے شاگردوں کا اور امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا ایک روایت کی رو سے یہ مذہب ہے کہ مقتول کے اولیاء کا قصاص چھوڑ کر دیت پر راضی ہونا اس وقت جائز ہے جب خود قاتل بھی اس پر آمادہ ہو لیکن اور بزرگان دین فرماتے ہیں کہ اس میں قاتل کی رضامندی شرط نہیں۔

مسئلہ: ☆☆ سلف کی ایک جماعت کہتی ہے کہ عورتیں قصاص سے درگزر کر کے دیت پر اگر رضامند ہوں تو ان کا اعتبار نہیں۔ حسن، قتادہ، زہرہ ابن شبرمہلیف اور اوزاعیؒ کا یہی مذہب ہے لیکن باقی علمائے دین ان کے مخالف ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی عورت نے بھی دیت پر رضامندی ظاہر کی تو قصاص جاتا رہے گا۔ پھر فرماتے ہیں کہ قتل عمد میں دیت لینا یہ اللہ کی طرف سے تخفیف اور مہربانی ہے۔ اگلی امتوں کو یہ اختیار نہ تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، بنی اسرائیل پر قصاص فرض تھا۔ انہیں قصاص سے درگزر کرنے اور دیت لینے کی اجازت نہ تھی لیکن اس امت پر یہ مہربانی ہوئی کہ دیت لینے بھی جائز کی گئی تو یہاں تین چیزیں ہوئیں۔ قصاص، دیت اور معافی۔ اگلی امتوں میں صرف قصاص اور معافی ہی تھی۔ دیت نہ تھی۔ بعض لوگ کہتے ہیں اہل تورات کے ہاں صرف قصاص اور معافی تھی اور اہل انجیل کے ہاں صرف معافی ہی تھی۔ پھر فرمایا جو شخص دیت یعنی جرمانہ لینے کے بعد یا دیت قبول کر لینے کے بعد بھی زیادتی پر تزل جائے اس کے لئے سخت درد ناک عذاب ہے۔ مثلاً دیت لینے کے بعد پر قتل کے درپے ہوا وغیرہ۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، جس شخص کا کوئی مقتول یا مجروح ہو تو اسے تین باتوں میں سے ایک کا اختیار ہے۔ یا قصاص یعنی بدلہ لے لے یا درگزر کرے اور معاف کر دے یا دیت یعنی جرمانہ لے لے اور اگر کچھ اور کرنا چاہے تو اسے روک دو۔ ان میں سے ایک کر چکنے کے بعد بھی جو زیادتی کرے وہ ہمیشہ کے لئے جہنمی ہو جائے گا (احمد) دوسری حدیث میں ہے کہ جس نے دیت وصول کر لی، پھر قاتل کو قتل کیا تو اب میں اس سے دیت بھی نہ لوں گا بلکہ اسے قتل کروں گا۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اسے عقلمند و قصاص میں نسل انسان کی بقا ہے۔ اس میں حکمت عظیمہ ہے گو بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک کے بدلے ایک قتل ہوا تو دوسرے لیکن دراصل اگر سوچو تو پتہ چلے گا کہ یہ سب زندگی ہے۔ قاتل کو خود خیال ہوگا کہ میں اسے قتل نہ کروں ورنہ خود بھی قتل کر دیا جاؤں گا تو وہ اس فعل بد سے رک جائے گا تو دوا دی قتل و خون سے بچ گئے۔ اگلی کتابوں میں بھی یہ بات تو بیان فرمائی تھی کہ القتل انفی للقتل قتل قتل کو روک دیتا ہے لیکن قرآن پاک میں بہت ہی فصاحت و بلاغت کے ساتھ اس مضمون کو بیان کیا گیا۔ پھر فرمایا یہ تمہارے بچاؤ کا سبب ہے کہ ایک تو اللہ کی نافرمانی سے محفوظ رہو گے دوسرے نہ کوئی کسی کو قتل کرے گا نہ وہ قتل کیا جائے گا۔ زمین پر امن و امان سکون و سلام رہے گا۔ تقویٰ کل نیکوں کے کرنے اور کل برائیوں کے چھوڑنے کا نام ہے۔

کُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۖ الْوَصِيَّةُ  
لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ۝ فَمَنْ بَدَّلَهُ  
بَعْدَ مَا سَمِعَهُ فَإِنَّمَا إِثْمُهُ عَلَى الَّذِينَ يُبَدِّلُونَهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ  
سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝ فَمَنْ خَافَ مِنْ مَوْصٍ جَنَفًا أَوْ أَثْمًا فَاصْلَحْ  
بَيْنَهُمْ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝

تم پر فرض کر دیا گیا کہ جب تم میں سے کوئی مرنے لگے اور مال چھوڑ جاتا ہو تو اپنے ماں باپ اور قربات داروں کے لئے اچھائی کے ساتھ وصیت کر جائے پر ہیز گاروں پر یہ حق اور ثابت ہے ○ اب جو شخص اسے سننے کے بعد بدل دے اس کا گناہ بدلنے والے پر ہی ہوگا۔ اللہ تعالیٰ سننے جانے والا ہے ○ ہاں جو شخص وصیت کرنے والے کے ایک طرف مائل ہو جانے یا گناہ کی وصیت کر دینے سے ڈرے اور ان میں آپس میں اصلاح کر دے اس پر گناہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے ○

وصیت کی وضاحت: ☆☆ (آیت: ۱۸۰-۱۸۲) اس آیت میں ماں باپ اور قربات داروں کے لئے وصیت کرنے کا حکم ہو رہا ہے۔ میراث کے حکم سے پہلے یہ واجب تھا۔ ٹھیک قول یہی ہے لیکن میراث کے احکام نے اس وصیت کے حکم کو منسوخ کر دیا۔ ہر وارث اپنا مقررہ حصہ بے وصیت لے لے گا۔ سنن وغیرہ میں حضرت عمرو بن خارجہؓ سے حدیث ہے کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو خطبہ میں یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کو اس کا حق پہنچا دیا ہے۔ اب کسی وارث کے لئے کوئی وصیت نہیں۔ ابن عباسؓ سورہ بقرہ کی تلاوت کرتے ہیں۔ جب آپؐ اس آیت پر پہنچتے ہیں تو فرماتے ہیں یہ آیت منسوخ ہے (مسند احمد) آپؐ سے یہ بھی مروی ہے کہ پہلے ماں باپ کے ساتھ اور کوئی رشتہ دار وارث نہ تھا۔ اوروں کے لئے صرف وصیت ہوتی تھی۔ پھر میراث کی آیتیں نازل ہوئیں اور ایک تہائی مال میں وصیت کا اختیار باقی رہا۔ اس آیت کے حکم کو منسوخ کرنے والی آیت لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا كَسَبُوا ہے۔

حضرت ابن عمرؓ، حضرت ابو موسیٰؓ، سعید بن مسیبؓ، حسنؓ، مجاہدؓ، عطاءؓ، سعید بن جبیرؓ، محمد بن سیرینؓ، عکرمہؓ، زید بن اسلمؓ، ربیع بن انسؓ، قتادہؓ سدیؓ، مقاتل بن حیانؓ، طاؤسؓ، ابراہیمؓ، ثعلبیؓ، شریحؓ، ضحاکؓ اور زہریؓ رحمہم اللہ یہ سب حضرات بھی اس آیت کو منسوخ بتلاتے ہیں لیکن باوجود اس کے تعجب ہے کہ امام برازی نے اپنی تفسیر کبیر میں ابو مسلم اصفہانی سے یہ کیسے نقل کر دیا کہ یہ آیت منسوخ نہیں بلکہ آیت میراث اس کی تفسیر ہے اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ تم پر وہ وصیت فرض کی گئی جس کا بیان آیت یُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ الخ میں ہے اور یہی قول اکثر مفسرین اور معتبر فقہاء کا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ وصیت کا حکم وارثوں کے حق میں منسوخ ہے اور جن کا ورثہ مقرر نہیں ان کے حق میں ثابت ہے۔ حضرت ابن عباسؓ، حسنؓ، مسروقؓ، طاؤسؓ، ضحاکؓ، مسلم بن یسارؓ اور علماء بن زیادؓ کا مذہب بھی یہی ہے۔ میں کہتا ہوں سعید بن جبیرؓ، ربیع بن انسؓ، قتادہؓ اور مقاتل بن حیانؓ بھی یہی کہتے ہیں لیکن ان حضرات کے اس قول کی بنا پر پہلے فقہاء کی اصطلاح میں یہ آیت منسوخ نہیں ٹھہرتی اس لئے کہ میراث کی آیت سے وہ لوگ تو اس حکم سے مخصوص ہو گئے جن کا حصہ شریعت نے خود مقرر کر دیا اور جو اس سے پہلے اس آیت کے حکم کی رو سے وصیت میں داخل تھے کیونکہ قربات دار عام ہیں خواہ ان کا ورثہ مقرر ہو یا نہ ہو تو اب وصیت ان کے لئے ہوئی جو وارث نہیں اور ان کے حق میں نہ رہی جو وارث ہیں۔ یہ قول اور بعض دیگر حضرات کا یہ قول کہ وصیت کا حکم ابتداء اسلام میں تھا اور وہ بھی غیر ضروری دونوں کا مطلب قریباً ایک ہو گیا لیکن جو لوگ وصیت کے اس حکم کو واجب کہتے ہیں اور روانی عبارت اور سیاق و سباق سے بھی بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے ان کے

نزدیک تو یہ آیت منسوخ ہی ٹھہرے گی جیسے کہ اکثر مفسرین اور معتبر فقہاء کرام کا قول ہے۔

پس والدین اور وراثت پانے والے قرابت داروں کے لئے وصیت کرنا بلا اجماع منسوخ ہے بلکہ منوع ہے۔ حدیث شریف میں آچکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کو اس کا حق دے دیا ہے۔ اب وارث کے لئے کوئی وصیت نہیں۔ آیت میراث کا حکم مستقل ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ واجب و فرض ہے۔ ذوی الفروض اور عصبات کا حصہ مقرر ہے اور اس سے اس آیت کا حکم کلیہ اٹھ گیا۔ باقی رہے وہ قرابت دار جن کا کوئی ورثہ مقرر نہیں ان کے لئے تہائی مال میں وصیت کرنا مستحب ہے۔ کچھ تو اس کا حکم اس آیت سے بھی نکلتا ہے۔ دوسرے یہ کہ حدیث شریف میں صاف آچکا ہے صحیحین میں حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کسی مرد مسلمان کو لائق نہیں کہ اس کے پاس کوئی چیز ہو اور وہ وصیت کرنی چاہتا ہو کہ دورا میں بھی بغیر وصیت لکھے ہوئے گزارے۔ راوی حدیث حضرت عمر فاروق کے صاحبزادے فرماتے ہیں اس فرمان کے سننے کے بعد میں نے تو ایک رات بھی بلا وصیت نہیں گزاری۔ قرابت داروں اور رشتہ داروں سے سلوک و احسان کرنے کے بارے میں بہت سی آیتیں اور حدیثیں آئی ہیں۔ ایک حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے ابن آدم تو جو مال میری راہ میں خرچ کرے گا میں اس کی وجہ سے تجھے پاک صاف کروں گا اور تیرے انتقال کے بعد بھی میرے نیک بندوں کی دعاؤں کا سبب بناؤں گا۔ خیر اسے مراد یہاں مال ہے۔ اکثر جلیل القدر مفسرین کی یہی تفسیر ہے بعض مفسرین کا تو قول ہے کہ مال خواہ تھوڑا ہو خواہ بہت وصیت مشروع ہے جیسے میراث تھوڑے مال میں بھی ہے اور زیادہ میں بھی بعض کہتے ہیں وصیت کا حکم اس وقت ہے جب زیادہ مال ہو۔ حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ ایک قریشی مرگیا اور تین چار سو دینار اس کے ورثہ میں تھے اور اس نے وصیت کچھ نہیں کی۔ آپ نے فرمایا یہ رقم وصیت کے قابل نہیں اللہ تعالیٰ نے اِن تَرَكَ خَيْرًا فرمایا ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت علیؓ اپنی قوم کے ایک بیمار کی بیمار پرسی کو گئے۔ اس سے کسی نے کہا وصیت کرو تو آپ نے فرمایا وصیت خیر میں ہوتی ہے اور تو تو کم مال چھوڑ رہا ہے اسے اولاد کے لئے ہی چھوڑ جا۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں ساٹھ دینار جس نے نہیں چھوڑے اس نے خیر نہیں چھوڑی یعنی اس کے ذمہ وصیت کرنا نہیں۔ طاؤس اسی (80) دینار بتلاتے ہیں۔ قتادہ ایک ہزار بتلاتے ہیں۔ معروف سے مراد نرمی اور احسان ہے۔ حضرت حسنؓ فرماتے ہیں وصیت کرنا ہر مسلمان پر ضروری ہے۔ اس میں بھلائی کرے برائی نہ کرے۔ وارثوں کو نقصان نہ پہنچائے۔ اسراف اور فضول خرچی نہ کرے۔

صحیحین میں ہے کہ حضرت سعدؓ نے فرمایا رسول اللہ میں مالدار ہوں اور میری وارث صرف میری ایک لڑکی ہی ہے تو آپؐ اجازت دیجئے کہ میں اپنے دو تہائی مال کی وصیت کروں۔ آپؐ نے فرمایا۔ نہیں۔ کہا آدھے کی اجازت دیجئے۔ فرمایا۔ نہیں۔ کہا۔ ایک تہائی کی اجازت دیجئے۔ فرمایا۔ خیر تہائی مال کی وصیت کرو گویہ بھی بہت ہے۔ تم اپنے پیچھے اپنے وارثوں کو مالدار چھوڑ کر جاؤ۔ یہ بہتر ہے اس سے کہ تم انہیں فقیر اور تنگ دست چھوڑ کر جاؤ کہ وہ اوروں کے سامنے ہاتھ پھیلائیں۔ صحیح بخاری شریف میں ہے ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کاش کہ لوگ تہائی سے ہٹ کر چوتھائی پر آجائیں اس لئے کہ آنحضرت ﷺ نے تہائی کی رخصت دیتے ہوئے یہ بھی فرمایا ہے کہ تہائی بہت ہے۔ مسند احمد میں ہے حظلہ بن جذیم بن حنفیہ کے دادا حنفیہ نے ایک یتیم بچے کے لئے جوان کے ہاں پلتے تھے سوادنوں کی وصیت کی۔ ان کی اولاد پر یہ بہت گراں گذر معاملہ حضورؐ تک پہنچا۔ حضورؐ نے فرمایا نہیں نہیں نہیں۔ صدقہ میں پانچ دو روئے دس دو۔ ورنہ پندرہ۔ ورنہ بیس۔ ورنہ پچیس دو۔ ورنہ بیس دو۔ ورنہ پچیس دو۔ اگر اس پر بھی نہ مانو تو خیر زیادہ سے زیادہ چالیس دو۔



پھر فرمایا جو شخص وصیت کو بدل دے اس میں کمی بیشی کر دے یا وصیت کو چھپائے اس کا گناہ بدلنے والے کے ذمہ ہے۔ میت کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ثابت ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ وصیت کرنے والے کی وصیت کی اصلیت کو بھی جانتا ہے اور بدلنے والے کی تبدیلی کو بھی۔ نہ اس سے کوئی آواز پوشیدہ نہ کوئی راز۔ حیف کے معنی خطا اور غلطی کے ہیں مثلاً کسی وارث کو کسی طرح زیادہ دلوادینا مثلاً کہہ دیا کہ فلاں چیز فلاں کے ہاتھ اتنے اتنے میں بیچ دی جائے وغیرہ۔ اب یہ خواہ بطور غلطی اور خطا کے ہو یا زیادتی محبت و شفقت کی وجہ سے بغیر قصد ایسی حرکت سرزد ہو گئی ہو یا گناہ کے طور پر ہو تو وصی کو اس کے رد و بدل میں کوئی گناہ نہیں۔ وصیت کو شرعی احکام کے مطابق کر کے جاری کر دے تاکہ میت بھی عذاب الہی سے بچے اور حقداروں کو حق بھی پہنچے اور وصیت بھی شروع کے مطابق پوری ہو۔ ایسی حالت میں بدلنے والے پر کوئی گناہ یا حرج نہیں۔ واللہ اعلم۔ ابی حاتم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں زندگی میں ظلم کر کے صدقہ دینے والے کا صدقہ اسی طرح لوٹا دیا جائے گا جس طرح موت کے وقت گناہ بگاڑ کرنے والے کا صدقہ لوٹا دیا جاتا ہے۔ یہ حدیث ابن مردویہ میں بھی مروی ہے۔ ابن ابی حاتم فرماتے ہیں ولید بن یزید جو اس حدیث کا راوی ہے اس نے اس میں غلطی کی ہے۔ دراصل یہ کلام حضرت عروہ کا ہے۔ ولید بن مسلم نے اسے اوزاعی سے روایت کیا ہے اور عروہ سے آگے سند نہیں لے گئے۔

امام ابن مردویہ بھی ایک مرفوع حدیث بروایت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ وصیت کی کمی بیشی کبیرہ گناہ ہے لیکن اس حدیث کے مرفوع ہونے میں بھی کلام ہے۔ اس بارے میں سب سے اچھی وہ حدیث ہے جو مسند عبدالرزاق میں بروایت حضرت ابو ہریرہؓ مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آدمی نیک لوگوں کے اعمال ستر سال تک کرتا رہتا ہے اور وصیت میں ظلم کرتا ہے اور برائی کے عمل پر خاتمہ ہونے کی وجہ سے جہنمی بن جاتا ہے اور بعض لوگ ستر برس تک بد اعمالیاں کرتے رہتے ہیں لیکن وصیت میں عدل و انصاف کرتے ہیں اور آخری عمل ان کا بھلا ہوتا ہے اور وہ جنتی بن جاتے ہیں۔ پھر حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا اگر چاہو تو قرآن پاک کی اس آیت کو پڑھ لو تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا لَعَلَّكُمْ يَخْشَوْنَ اللَّهَ يَوْمَ هُمْ كَاظِمُونَ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى  
الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝ أَيَّامًا مَعْدُودَاتٍ فَمَنْ  
كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ وَعَلَى الَّذِينَ  
يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَهُ  
وَأَن تَصُومُوا خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ۝

اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے جس طرح تم سے اگلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تم بچ جاؤ ۝ کتنی کے چند ہی دن ہیں لیکن تم میں سے جو شخص بیمار ہو یا سفر میں ہو تو وہ اور دنوں میں اس کتنی کو پورا کر لے۔ طاقت رکھنے والے فدیہ میں ایک مسکین کو کھانا دیں اور جو شخص نیکی میں سبقت کرے وہ اس کے لئے بہتر ہے لیکن تمہارے حق میں افضل کام روزے رکھنا ہی ہے اگر تم باطل ہو ۝

رواد روزہ اور صلوة : ☆☆ (آیت ۱۸۳-۱۸۴) اللہ تعالیٰ اس امت کے ایمان داروں کو مخاطب کر کے انہیں حکم دے رہا ہے کہ روزے رکھو روزے کے معنی اللہ تعالیٰ کے فرمان کی بجا آوری کی خالص نیت کے ساتھ کھانے پینے اور جماع سے رک جانے کے ہیں۔ اس

سے فائدہ یہ ہے کہ نفس انسان پاک صاف اور طیب و طاهر ہو جاتا ہے۔ رومیؒ اخلاط اور بے ہودہ اخلاق سے انسان کا تنقیہ ہو جاتا ہے۔ اس حکم کے ساتھ ہی فرمایا گیا ہے کہ اس حکم کے ساتھ تم تنہا نہیں بلکہ تم سے اگلوں کو بھی روزے رکھنے کا حکم تھا اس بیان سے یہ بھی مقصد ہے کہ یہ امت اس فریضہ کی بجا آوری میں اگلی امتوں سے پیچھے نہ رہ جائے جیسے اور جگہ ہے لِكُلِّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا الخ یعنی ہر ایک کے لئے ایک طریقہ اور راستہ ہے اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی امت کر دیتا لیکن وہ تمہیں آزما رہا ہے۔ تمہیں چاہئے کہ نیکیوں میں سبقت کرتے رہو یہی یہاں بھی فرمایا کہ تم پر بھی روزے اسی طرح فرض ہیں جس طرح تم سے پہلے گزرنے والوں پر تھے روزے سے بدن کو پاکیزگی ملتی ہے اور عمل شیطانی راہ پر چلنے سے رک جاتا ہے۔

صحیحین میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اے جو انو تم میں سے جسے نکاح کی طاقت ہو وہ نکاح کر لے اور جسے طاقت نہ ہو وہ روزے رکھے۔ اس کے لئے یہ جوش کو سرد کر دیتے ہیں پھر روزوں کی مقدار بیان ہو رہی ہے کہ یہ چند دن ہی ہیں تاکہ کسی پر بھاری نہ پڑے اور ادائیگی سے قاصر نہ رہ جائے بلکہ ذوق و شوق سے اس الہی فریضہ کو بجالائے پہلے تو ہر ماہ میں تین روزوں کا حکم تھا۔ پھر رمضان کے روزوں کا حکم ہوا اور اگلا حکم منسوخ ہوا۔ اس کا مفصل بیان آ رہا ہے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

حضرت معاذؓ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت ابن عباسؓ، عطاءؓ، قتادہؓ، ضحاکؓ کا فرمان ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ سے ہر مہینہ میں تین روزوں کا حکم تھا جو حضورؐ کی امت کے لئے بدلا اور ان پر اس مبارک مہینہ کے روزے فرض ہوئے۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ اگلی امتوں پر بھی ایک مہینہ کامل کے روزے فرض تھے۔ ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ رمضان کے روزے تم سے پہلے کی امتوں پر بھی فرض تھے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ پہلی امتوں کو یہ حکم تھا کہ جب وہ عشاء کی نماز ادا کر لیں اور سو جائیں تو ان پر کھانا پینا عورتوں سے مباشرت کرنا حرام ہو جاتا ہے حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں اگلے لوگوں سے مراد اہل کتاب ہیں۔ پھر بیان ہو رہا ہے کہ تم میں سے جو شخص ماہ رمضان میں بیمار ہو یا سفر میں ہو تو وہ اس حالت میں روزے چھوڑ دے مشقت نہ اٹھائے اور اس کے بعد اور دنوں میں جبکہ یہ عذر ہٹ جائیں قضا کر لیں ہاں ابتداء اسلام میں جو شخص تندرست ہو اور مسافر بھی نہ ہو اسے بھی اختیار تھا خواہ روزہ رکھے خواہ نہ رکھے مگر فدیہ میں ایک مسکین کو کھانا کھلا دے۔ اگر ایک سے زیادہ کو کھلائے تو افضل تھا۔ گوروزہ رکھنا فدیہ دینے سے زیادہ بہتر تھا ابن مسعودؓ، ابن عباسؓ، مجاہدؓ طاؤسؓ، مقاتلؓ وغیرہ یہی فرماتے ہیں۔ مسند احمد میں ہے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں نماز کی اور روزے کی تین حالتیں بدلی گئیں۔ پہلے تو سولہ سترہ مہینہ تک مدینہ میں آ کر حضورؐ نے بیت المقدس کی طرف نماز ادا کی۔ پھر ”قَدْ نَزَى“ والی آیت آئی اور مکہ شریف کی طرف آپؐ نے منہ پھیرا۔ دوسری تبدیلی یہ ہوئی کہ نماز کے لئے ایک دوسرے کو پکارنا تھا اور جمع ہو جاتے تھے لیکن اس سے آخر عاجز آ گئے۔ پھر ایک انصاری حضرت عبداللہ بن زید حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ میں نے خواب میں دیکھا لیکن وہ خواب گویا بیداری کی سی حالت میں تھا کہ ایک شخص سبز رنگ کا حلہ پہنے ہوئے ہے اور قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر کہہ رہا ہے اللہ اکبر اللہ اکبر اشہد ان لا الہ الا اللہ دوبارہ یونہی اذان پوری کی پھر تھوڑی دیر کے بعد اس نے بکیر کہی جس میں قد قامت الصلوۃ بھی دوسرے کہا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حضرت بلالؓ کو یہ سکھاؤ۔ وہ اذان کہیں گے چنانچہ سب سے پہلے حضرت بلالؓ نے اذان کہی۔ دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے بھی آ کر اپنا یہی خواب بیان کیا تھا۔ لیکن ان سے پہلے حضرت زیدؓ آ چکے تھے۔ تیسری تبدیلی یہ ہوئی کہ پہلے یہ دستور تھا کہ حضورؐ نماز پڑھا رہے ہیں۔ کوئی آیا کچھ رکعتیں ہو چکی ہیں تو وہ کسی سے دریافت کرتا کہ کتنی رکعتیں ہو چکی ہیں۔ وہ

جواب دیتا کہ اتنی رکعتیں پڑھ لی ہیں۔ وہ اتنی رکعتیں ادا کرتا پھر حضورؐ کے ساتھ مل جاتا، حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مرتبہ آئے اور کہنے لگے کہ میں حضورؐ کو جس حال میں پاؤں گا اسی میں مل جاؤں گا اور جو نماز چھوٹ گئی ہے اسے حضورؐ کے سلام پھیرنے کے بعد ادا کروں گا چنانچہ انہوں نے یہی کیا اور آنحضرت ﷺ کے سلام پھیرنے کے بعد اپنی رہی ہوئی رکعتیں ادا کرنے کے لئے کھڑے ہوئے آنحضرت ﷺ نے انہیں دیکھ کر فرمایا حضرت معاذ نے تمہارے لئے یہ اچھا طریقہ نکالا ہے۔ تم بھی اب یونہی کیا کر دیتے تین تبدیلیاں تو نماز کی ہوئیں۔ روزوں کی تبدیلیاں سنئے۔ اول جب نبی ﷺ مدینہ میں آئے تو ہر مہینہ میں تین روزے رکھتے تھے اور عاشورے کا روزہ رکھا کرتے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آیت **كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ** الخ نازل فرما کر رمضان کے روزے فرض کئے۔ دوسرا ابتدائی یہ حکم تھا کہ جو چاہے روزہ رکھے جو چاہے نہ رکھے اور فدیہ دے دے۔ پھر یہ آیت **فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ** تم میں سے جو شخص رمضان کے مہینے میں قیام کی حالت میں ہو وہ روزہ رکھا کرے پس جو شخص مقیم ہو مسافر نہ ہو تندرست ہو بیمار نہ ہو اس پر روزہ رکھنا ضروری ہو گیا ہاں بیمار اور مسافر کے لئے رخصت ملی اور ایسا بوڑھا جو روزے کی طاقت ہی نہ رکھتا ہو اسے بھی رخصت دی گئی۔ تیسری حالت یہ ہے کہ ابتداء میں کھانا پینا عورتوں کے پاس آنا سونے سے پہلے پہلے جائز تھا۔ سو گیا تو پھر گورات کو ہی جاگے لیکن کھانا پینا اور جماع اس کے لئے منع تھا۔ پھر صرمٹ نامی ایک انصاری صحابی دن بھر کام کاج کر کے رات کو تھکے ہارے گھر آئے۔ عشاء کی نماز ادا کی اور نیند آ گئی۔ دوسرے دن کچھ کھائے پئے بغیر روزہ رکھا لیکن حالت بہت نازک ہو گئی۔ حضورؐ نے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے؟ تو انہوں نے سارا واقعہ کہہ دیا۔ ادھر یہ واقعہ تو ان کے ساتھ ہوا۔ ادھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سو جانے کے بعد اپنی بیوی صاحبہ سے مجامعت کر لی اور حضورؐ کے پاس آ کر حسرت و افسوس کے ساتھ اپنے اس قصور کا اقرار کیا جس پر آیت **اِجْلٌ لَّكُمْ لَيْلَةُ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰی نِسَائِكُمْ** سے **ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلٰی الْاٰلِیِّ تَحْتَ نَازِلٍ** اور مغرب کے بعد سے لے کر صبح صادق کے طلوع ہونے تک رمضان کی راتوں میں کھانے پینے اور مجامعت کرنے کی رخصت دے دی گئی۔ بخاری و مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ پہلے عاشورے کا روزہ رکھا جاتا تھا۔ جب رمضان کی فرضیت نازل ہوئی تو اب ضروری نہ رہا۔ جو چاہتا رکھ لیتا۔ جو نہ چاہتا نہ رکھتا۔ حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابن مسعودؓ سے بھی یہ مروی ہے۔ **وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ** کا مطلب حضرت معاذؓ بیان فرماتے ہیں کہ ابتداء اسلام میں جو چاہتا روزہ رکھتا جو چاہتا نہ رکھتا اور ہر روزے کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلا دیتا۔ حضرت سلمہ بن اکوعؓ سے بھی صحیح بخاری میں ایک روایت آئی ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے وقت جو شخص چاہتا افطار کرتا اور فدیہ دے دیتا یہاں تک کہ اس کے بعد کی آیت اتری اور یہ منسوخ ہوئی، حضرت ابن عمرؓ بھی اسے منسوخ کہتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں یہ منسوخ نہیں۔ مراد اس سے بوڑھا مرد اور بوڑھی عورت ہے جسے روزے کی طاقت نہ ہو۔ ابن ابی لیلیٰؓ کہتے ہیں میں عطار رحمۃ اللہ علیہ کے پاس رمضان میں گیا۔ دیکھا کہ وہ کھانا کھا رہے ہیں۔ مجھے دیکھ کر فرمانے لگے کہ حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ اس آیت نے پہلی آیت کا حکم منسوخ کر دیا اب یہ حکم صرف بہت زیادہ بے طاقت بوڑھے بڑے کے لئے ہے حاصل کلام یہ ہے کہ جو شخص مقیم ہو اور تندرست ہو اس کے لئے یہ حکم نہیں بلکہ اسے روزہ ہی رکھنا ہوگا۔ ہاں ایسے بوڑھے بڑے، معمر اور کمزور آدمی جنہیں روزے کی طاقت ہی نہ ہو۔ روزہ نہ رکھیں اور نہ ان پر قضا ضروری ہے لیکن اگر وہ مالدار ہوں تو آیا انہیں کفارہ بھی دینا پڑے گا یا نہیں۔ ہمیں اختلاف ہے۔ امام شافعیؒ کا ایک قول تو یہ ہے کہ چونکہ اس میں روزے کی طاقت نہیں لہذا یہ بھی مثل بچے کے ہے۔ نہ اس پر کفارہ ہے نہ اس پر قضا کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ دوسرا قول حضرت امام

شافعی کا یہ ہے کہ اس کے ذمہ کفارہ ہے، اکثر علماء کرام کا بھی یہی فیصلہ ہے۔ حضرت ابن عباسؓ وغیرہ کی تفسیروں سے بھی یہی ثابت ہوا ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا پسندیدہ مسئلہ بھی یہی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ بہت بڑی عمر والا بوڑھا جسے روزے کی طاقت نہ ہو تو فدیہ دے دے جیسے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی بڑی عمر میں بڑھاپے کے آخری دنوں میں سال دو سال تک روزہ نہ رکھا اور ہر روزے کے بدلے ایک مسکین کو روٹی گوشت کھلا دیا کرتے، مسند ابولیلی میں ہے کہ جب حضرت انسؓ روزہ رکھنے سے عاجز ہو گئے تو گوشت روٹی تیار کر کے تیس مسکینوں کو بلا کر کھلا دیا کرتے۔ اسی طرح حمل والی اور دودھ پلانے والی عورت کے بارے میں جب انہیں اپنی جان کا یا اپنے بچے کی جان کا خوف ہو، علماء میں سخت اختلاف ہے، بعض تو کہتے ہیں کہ وہ روزہ نہ رکھیں۔ فدیہ دے دیں اور جب خوف ہٹ جائے قضا بھی کر لیں، بعض کہتے ہیں صرف فدیہ ہے قضا نہ کریں، بعض کہتے ہیں قضا کر لیں فدیہ نہیں اور بعض کا قول ہے کہ نہ روزہ رکھیں نہ فدیہ نہ قضا کریں۔ امام ابن کثیر نے اس مسئلہ کو اپنی کتاب الصیام میں بسط و تفصیل کے ساتھ لکھا ہے فالحمد للہ (بظاہر یہی بات دلائل سے زیادہ قریب نظر آتی ہے کہ یہ دونوں ایسی حالت میں روزہ نہ رکھیں اور بعد میں قضا کریں۔ نہ فدیہ دیں۔)

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ  
مِّنَ الْهُدَى وَالْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ وَمَنْ  
كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ  
الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا  
اللَّهَ عَلَى مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ١٨٥

ماہ رمضان وہ ہے جس میں قرآن اتار گیا جو لوگوں کو ہدایت کرنے والا ہے اور جس میں ہدایت کی اور حق و باطل کی تمیز کی نشانیاں ہیں۔ تم میں سے جو شخص اس مہینے میں مقیم ہوا سے روزہ رکھنا چاہے ہاں جو بیمار ہو یا مسافر ہو اسے دوسرے دنوں میں یہ کتنی پوری کرنی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کا ارادہ تمہارے ساتھ آسانی کا ہے۔ سختی کا نہیں۔ وہ چاہتا ہے کہ تم کتنی پوری کرو اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہدایت پر اس کی بڑائیاں بیان کرو اور اس کا شکر کرو ○

نزول قرآن اور ماہ رمضان: ☆☆ (آیت: ۱۸۵) ماہ رمضان شریف کی فضیلت و بزرگی کا بیان ہو رہا ہے کہ اسی ماہ مبارک میں قرآن کریم اترا۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے، حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ ابراہیمی صحیفہ رمضان کی پہلی رات اترا اور توراۃ چھٹی تاریخ، انجیل تیرہویں تاریخ اور قرآن چوبیسویں تاریخ نازل ہوا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ زبور بارہویں کو اور انجیل اٹھارہویں کو۔ اگلے تمام صحیفے اور توراۃ و انجیل و زبور جس پیغمبر پر اتریں، ایک ساتھ ایک ہی مرتبہ اتریں لیکن قرآن کریم بیت العزۃ سے آسمانی دنیا تک تو ایک ہی مرتبہ نازل ہوا اور پھر مرقا فوفا حسب ضرورت زمین پر نازل ہوتا رہا۔ یہی مطلب اِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ اور اِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ مُبَرَّكَةٍ اور اُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ کا۔ مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم ایک ساتھ آسمان اول پر رمضان المبارک کے مہینے میں لیلۃ القدر کو نازل ہوا اور اسی کو لیلۃ مبارکہ بھی کہا ہے ابن عباسؓ وغیرہ سے یہی مروی ہے۔ آپؐ سے جب یہ سوال ہوا کہ قرآن کریم تو مختلف مہینوں میں برسوں میں اترتا رہا، پھر رمضان میں اور وہ بھی لیلۃ القدر میں اترنے کے کیا معنی؟ تو آپؐ نے یہی مطلب بیان کیا (ابن مردودہ وغیرہ) آپؐ سے یہ بھی مروی ہے

کہ آدمی رمضان میں قرآن کریم دینا کے آسان کی طرف اترے۔ بیت العزۃ میں رکھا گیا پھر حسب ضرورت وقائع اور سوالات پر تھوڑا تھوڑا اترتا رہا اور بیس سال میں کامل ہوا۔ اس میں بہت سی آیتیں کفار کے جواب میں بھی اتریں کفار کا ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ یہ قرآن کریم ایک ساتھ سارا کیوں نہیں اترتا؟ جس کے جواب میں فرمایا گیا لِنُثَبِّتَ بِهِ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنَاهُ تَرْتِيلاً الخ یہ اس لئے کہ تیرے دل کو برقرار اور مضبوط رکھیں۔ پھر قرآن کریم کی تعریف میں بیان ہو رہا ہے کہ یہ لوگوں کے دلوں کی ہدایت ہے اور اس میں واضح اور روشن دلیلیں ہیں۔ تدبر اور غور و فکر کرنے والا اس سے صحیح راہ پر پہنچ سکتا ہے۔ یہ حق و باطل، حرام و حلال میں فرق ظاہر کرنے والا ہے ہدایت و گمراہی اور رشد و برائی میں علیحدگی کرنے والا ہے، بعض سلف سے منقول ہے کہ صرف رمضان کا مہینہ کہا نہ کر، شہر رمضان یعنی رمضان کا مہینہ کہنا چاہئے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے رمضان نہ کہو یہ اللہ تعالیٰ کا نام ہے شہر رمضان یعنی رمضان کا مہینہ کہا کر، حضرت مجاہدؓ اور محمد بن کعبؓ سے بھی یہی مروی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ کا مذہب اس کے خلاف ہے۔ رمضان نہ کہنے کے بارے میں ایک مرفوع حدیث بھی ہے لیکن سند اودھ وہی ہے۔ امام بخاریؒ نے بھی اس کے رد میں باب باندھ کر بہت سی حدیثیں بیان فرمائی ہیں۔ ایک میں ہے جو شخص رمضان کے روزے ایمان اور نیک نیتی کے ساتھ رکھے، اس کے سبب اس کے اگلے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں وغیرہ غرض اس آیت سے ثابت ہوا کہ جب رمضان کا چاند چڑھے، کوئی شخص اپنے گھر ہو، سفر میں نہ ہو اور تندرست بھی ہو اسے روزے رکھنے لازمی اور ضروری ہیں۔ پہلے اس قسم کے لوگوں کو بھی جو رخصت تھے وہ اٹھ گئی، اس کا بیان فرما کر پھر بیمار اور مسافر کے لئے رخصت کا بیان فرمایا کہ یہ لوگ روزہ ان دنوں میں نہ رکھیں اور پھر قضا کر لیں یعنی جس کے بدن میں کوئی تکلیف ہو جس کی وجہ سے روزے میں مشقت پڑے یا تکلیف بڑھ جائے یا سفر میں ہو تو افطار کر لے اور جتنے روزے جائیں اتنے دن پھر قضا کر لے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ ان حالتوں میں رخصت عطا فرما کر تمہیں مشقت سے بچالینا یہ سراسر ہماری رحمت کا ظہور ہے اور احکام اسلام میں آسانی ہے۔ اب یہاں چند مسائل بھی سنئے (۱) سلف کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ جو شخص اپنے گھر میں مقیم ہو اور چاند چڑھ جائے رمضان شریف کا مہینہ آجائے پھر درمیان میں اسے سفر درپیش ہو تو اسے روزہ ترک کرنا جائز نہیں کیونکہ ایسے لوگوں کو روزہ رکھنے کا صاف حکم قرآن پاک میں موجود ہے ہاں ان لوگوں کو بحالت سفر روزہ چھوڑنا جائز ہے جو سفر میں ہوں اور رمضان کا مہینہ آجائے لیکن یہ قول غریب ہے ابو محمد بن حزمؒ نے اپنی کتاب محلی میں صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت کا یہی مذہب نقل کیا ہے لیکن اس میں کلام ہے۔ واللہ اعلم۔

نبی ﷺ رمضان المبارک میں فتح مکہ کے غزوہ کے لئے نکلے روزے سے تھے۔ کدید میں پہنچ کر روزہ افطار کیا اور لوگوں کو بھی حکم دیا کہ روزہ توڑ دیں (محقق علیہ) (۲) صحابہؓ اور تابعین کی ایک اور جماعت نے کہا ہے کہ سفر میں روزہ توڑ دینا واجب ہے کیونکہ قرآن کریم میں ہے فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ لیکن صحیح قول جو جمہور کا مذہب ہے یہ ہے کہ آدمی کو اختیار ہے خواہ رکھے خواہ نہ رکھے اس لئے کہ ماہ رمضان میں لوگ جناب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلتے تھے، بعض روزے سے ہوتے تھے، بعض روزے سے نہیں ہوتے تھے پس روزے دار بے روزہ پر اور بے روزہ دار روزہ دار پر کوئی عیب نہیں پکڑتا تھا۔ اگر افطار واجب ہو تو روزہ رکھنے والوں پر انکار کیا جاتا بلکہ خود نبی ﷺ سے بحالت سفر روزہ رکھنا ثابت ہے، صحیحین میں ہے، حضرت ابوہریرہؓ اور دراجی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں رمضان المبارک میں سخت گرمی کے موسم میں ہم نبی ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے گرمی کی شدت کی وجہ سے سر پر ہاتھ رکھے رکھے پھر رہے تھے ہم میں سے کوئی بھی روزے سے نہ تھا سوائے رسول اللہ ﷺ اور حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کے۔ تیسرا مسئلہ۔ ایک جماعت علماء کا خیال ہے جن میں حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں کہ سفر

میں روزہ رکھنا نہ رکھنے سے افضل ہے کیونکہ حضورؐ سے بحالت سفر روزہ رکھنا ثابت ہے ایک دوسری جماعت کا خیال ہے کہ روزہ نہ رکھنا افضل ہے کیونکہ اس میں رخصت پر عمل ہے اور ایک حدیث میں ہے کہ حضورؐ سے سفر کے روزے کی بابت سوال ہوا تو آپؐ نے فرمایا جو روزہ توڑ دے اس نے اچھا کیا اور جو نہ توڑے اس پر کوئی گناہ نہیں، ایک اور حدیث شریف میں ہے نبی ﷺ نے فرمایا اللہ کی رخصتوں کو جو اس نے تمہیں دی ہیں تم لے لو۔ تیسری جماعت کا قول ہے کہ رکھنا نہ رکھنا دونوں برابر ہے۔ ان کی دلیل حضرت عائشہؓ والی حدیث ہے کہ حضرت حمزہ بن عمروؓ نے کہا یا رسول اللہؐ میں روزے اکثر رکھا کرتا ہوں تو کیا اجازت ہے کہ سفر میں بھی روزے رکھ لیا کروں۔ فرمایا اگر چاہو نہ رکھو (بخاری و مسلم)

بعض لوگوں کا قول ہے کہ اگر روزہ بھاری پڑتا ہو تو افطار کرنا افضل ہے، حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا اس پر سایہ کیا گیا ہے پوچھا یہ کیا بات ہے؟ لوگوں نے کہا حضورؐ یہ روزے سے ہے۔ آپؐ نے فرمایا۔ سفر میں روزہ رکھنا نیکی نہیں (بخاری و مسلم) یہ خیال رہے کہ جو شخص سنت سے منہ پھیرے اور روزہ چھوڑنا سفر کی حالت میں بھی مکروہ جانے تو اس پر افطار ضروری ہے اور روزہ رکھنا حرام ہے۔ مسند احمد وغیرہ میں حضرت ابن عمرؓ حضرت جابرؓ وغیرہ سے مروی ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی رخصت کو قبول نہ کرے اس پر عرفات کے پہاڑوں برابر گناہ ہوگا۔ چوتھا مسئلہ۔ آیا قضا روزوں میں پے در پے روزے رکھنے ضروری ہیں یا جدا جدا بھی رکھ لئے جائیں تو حرج نہیں؟ ایک مذہب بعض لوگوں کا یہ ہے کہ قضا کو مثل ادا کے پورا کرنا چاہئے ایک کے پیچھے ایک یونہی لگا تا روزے رکھنے چاہئیں۔ دوسرے یہ کہ پے در پے رکھنے واجب نہیں۔ خواہ الگ الگ رکھے خواہ ایک ساتھ اختیار ہے۔ جمہور سلف و خلف کا یہی قول ہے اور دلائل سے ثبوت بھی اسی کا ہے۔ رمضان میں پے در پے رکھنا اس لئے ہیں کہ وہ مہینہ ہی ادائیگی روزہ کا ہے اور رمضان کے نکل جانے کے بعد تو صرف وہ گنتی پوری کرنی ہے خواہ کوئی دن ہو۔ اسی لئے قضا کے حکم کے بعد اللہ کی آسانی کی نعمت کا بیان ہوا ہے۔

مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، بہتر دین وہی ہے جو آسانی والا ہو، بہتر دین وہی ہے جو آسانی والا ہو۔ مسند ہی کی ایک اور حدیث میں ہے عربی عرود کہتے ہیں ہم ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کا انتظار کر رہے تھے کہ آپؐ تشریف لائے۔ سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ معلوم ہوتا تھا کہ وضو یا غسل کر کے تشریف لا رہے ہیں۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو لوگوں نے آپؐ سے سوالات کرنے شروع کر دیئے کہ حضورؐ کیا فلاں کام میں کوئی حرج ہے؟ فلاں کام میں کوئی حرج ہے؟ آخر میں حضورؐ نے فرمایا، اللہ کا دین آسانیوں والا ہے، تین مرتبہ بھی فرمایا، مسند ہی کی ایک اور حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، لوگو آسانی کرو، سختی نہ کرو تسکین دو، نفرت نہ دلاؤ۔

صحیحین کی حدیث میں بھی ہے رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذؓ اور حضرت ابو موسیٰؓ کو جب یمن کی طرف بھیجا تو فرمایا تم دونوں خوشخبریاں دینا، نفرت نہ دلانا آسانیاں کرنا، سختیاں نہ کرنا۔ آپس میں اتفاق سے رہنا۔ اختلاف نہ کرنا۔ سنن اور مسانید میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، میں یکطرفہ نرمی اور آسانی والے دین کے ساتھ بھیجا گیا ہوں۔

حج بن ادريس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ غور سے آپؐ اسے دیکھتے رہے۔ پھر فرمایا کیا تم اسے سچائی کے ساتھ نماز پڑھتے ہوئے دیکھ رہے ہو۔ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ یہ تمام اہل مدینہ سے زیادہ نماز پڑھنے والا ہے۔ آپؐ نے فرمایا۔ اسے نہ سناؤ۔ کہیں یہ اس کی ہلاکت کا باعث نہ ہو۔ سنو اللہ تعالیٰ کا ارادہ اس امت کے ساتھ آسانی کا ہے۔ سختی کا نہیں پس آیت کا مطلب یہ ہوا کہ مریض اور مسافر وغیرہ کو یہ رخصت دینا اور انہیں معذور جاننا اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ آسانی

کا ہے سختی کا نہیں اور قضا کا حکم گنتی کے پورا کرنے کے لئے ہے اور اس رحمت، نعمت، ہدایت اور عبادت پر تمہیں اللہ تبارک و تعالیٰ کی بڑائی اور ذکر کرنا چاہئے جیسے اور جگہ حج کے موقع پر فرمایا فَإِذَا قَضَيْتُمْ مَنَا سَبْغَكُمْ فَأَذْكُرُوا اللَّهَ الْحَیَّ الَّذِیْ جَبَّ احْکَامُ حَجِّ ادا کر چکو تو اللہ کا ذکر کرو اور جگہ جمعہ کی نماز کی ادائیگی کے بعد فرمایا کہ جب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ رزق تلاش کرو اور اللہ کا ذکر زیادہ کرو تاکہ تمہیں فلاح ملے۔ اور جگہ فرمایا سَبَّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ الْحَیِّ الَّذِیْ سَبَّحَ سَورج کے نکلنے سے پہلے سورج کے ڈوبنے سے پہلے رات کو اور سجدوں کے بعد اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کیا کرو۔ اسی لئے مسنون طریقہ یہ ہے کہ ہر فرض نماز کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد، تسبیح اور تکبیر پڑھنی چاہئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کا نماز سے فارغ ہونا صرف اللہ اکبر کی آوازوں سے جانتے تھے۔ یہ آیت ذیل ہے اس امر کی کہ عید الفطر میں بھی تکبیریں پڑھنی چاہئیں۔ داؤد بن علی اصہبانی ظاہری کا مذہب ہے کہ اس عید میں تکبیروں کا کہنا واجب ہے کیونکہ اس میں صیغہ امر کا ہے۔ وَلْتَكْبِرُوا اللَّهَ اور اس کے بالکل برخلاف حنفی مذہب ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس عید میں تکبیریں پڑھنا مسنون نہیں۔ باقی بزرگان دین اسے مستحب بتلاتے ہیں گو بعض تفصیلوں میں قدرے اختلاف ہے۔ پھر فرمایا تاکہ تم شکر کرو یعنی اللہ تعالیٰ کے احکام بجالا کر اس کے فرائض کو ادا کر کے اس کے حرام کردہ کاموں سے بچ کر اس کی حدود کی حفاظت کر کے تم شکر گزار بندے بن جاؤ۔

**وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ**  
**إِذَا دَعَانِ فَلَيْسَتْ حَبِيبَاتِي وَلَكِنَّهُنَّ يَبْغِيْنَ لِيَّ عِلْمَهُمْ يَرْشِدُونَ ١٨٥**

جب میرے بندے میرے بارے میں تجھ سے سوال کریں تو کہہ دے کہ میں بہت ہی قریب ہوں۔ ہر پکارنے والے کی پکار کو جب کبھی وہ مجھے پکارے میں قبول کرتا ہوں۔ پس لوگوں کو بھی چاہئے کہ وہ میری بات مان لیا کریں اور مجھ پر ایمان رکھیں۔ لیکن ان کی بھلائی کا باعث ہے۔

دعا اور اللہ حبیب الدعوات: ☆ ☆ (آیت: ۱۸۶) ایک اعرابی نے پوچھا تھا کہ یا رسول اللہ ﷺ کیا ہمارا رب قریب ہے؟ اگر قریب ہو تو ہم اس سے سرگوشیاں کر لیں یا دور ہے؟ اگر دور ہو تو ہم اونچی اونچی آوازوں سے اسے پکاریں۔ نبی ﷺ خاموش رہے۔ اس پر یہ آیت اتری (ابن ابی حاتم) ایک اور روایت میں ہے کہ صحابہؓ کے اس سوال پر کہ ہمارا رب کہاں ہے؟ یہ آیت اتری (ابن جریر) حضرت عطاء فرماتے ہیں کہ جب آیت اذْعُونَنِيْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ نازل ہوئی یعنی مجھے پکارو میں تمہاری دعائیں قبول کرتا رہوں گا تو لوگوں نے پوچھا کہ دعا کس وقت کرنی چاہئے؟ اس پر یہ آیت اتری (ابن جریر) حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک غزوے میں تھے ہر بلندی پر چڑھتے وقت ہر وادی میں اترتے وقت بلند آوازوں سے تکبیر کہتے جا رہے تھے۔ نبی ﷺ ہمارے پاس آ کر کر فرمانے لگے لوگو اپنی جانوں پر رحم کرو۔ تم کسی کم سننے والے یا دور والے کو نہیں پکار رہے بلکہ جسے تم پکارتے ہو وہ تم سے تمہاری سوار یوں کی گردن سے بھی زیادہ قریب ہے اے عبد اللہ بن قیس جن جنت کا خزانہ لاحول ولاقوالا باللہ ہے (مسند احمد) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرا بندہ میرے ساتھ جیسا عقیدہ رکھتا ہے میں بھی اس کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کرتا ہوں۔ جب بھی وہ مجھ سے دعا مانگتا ہے میں اس کے قریب ہی ہوتا ہوں (مسند احمد) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرا بندہ جب مجھے یاد کرتا ہے اور اس کے ہونٹ میرے ذکر میں ملتے ہیں میں اس کے قریب ہوتا ہوں۔ اس کو امام احمد نے روایت کیا ہے۔ اس مضمون کی آیت کلام پاک میں بھی ہے۔ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا وَالَّذِينَ

هُمْ مُحْسِنُونَ جو تقویٰ و احسان و خلوص والے لوگ ہوں ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہوتا ہے۔ حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام سے فرمایا جاتا ہے اِنْنِیْ مَعَكُمْ اَسْمَعُ وَاَزِیْ میں تم دونوں کے ساتھ ہوں سنتا ہوں اور دیکھ رہا ہوں۔ مقصود یہ ہے کہ باری تعالیٰ دعا کرنے والوں کی دعا کو ضائع نہیں کرتا نہ ایسا ہوتا ہے کہ وہ اس دعا سے غافل رہے یا نہ سنے اس نے دعا کرنے کی دعوت دی ہے اور اس کے ضائع نہ ہونے کا وعدہ کیا ہے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ بندہ جب اللہ تعالیٰ کے سامنے ہاتھ بلند کر کے دعا مانگتا ہے تو وہ ارحم الراحمین اس کے ہاتھوں کو خالی پھیرتے ہوئے شرماتا ہے (مسند احمد)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو بندہ اللہ تعالیٰ سے کوئی ایسی دعا کرتا ہے جس میں نہ گناہ ہو نہ رشتے ناتے ٹوٹتے ہوں تو اسے اللہ تعالیٰ تین باتوں میں سے ایک ضرور عطا فرماتا ہے۔ یا تو اس کی دعا اسی وقت قبول فرما کر اس کی منہ مانگی مراد پوری کرتا ہے یا اسے ذخیرہ کر کے رکھ چھوڑتا ہے اور آخرت میں عطا فرماتا ہے یا اس کی وجہ سے کوئی آنے والی بلا اور مصیبت کو نال دیتا ہے۔ لوگوں نے یہ سن کر کہا کہ حضور پھر تو ہم بکثرت دعا مانگا کریں گے۔ آپ نے فرمایا پھر اللہ کے ہاں کیا کمی ہے؟ (مسند احمد)

عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ روئے زمین کا جو مسلمان اللہ عزوجل سے دعا مانگے اسے اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے۔ یا تو اسے اس کی منہ مانگی مراد ملتی ہے یا ویسی ہی برائی ملتی ہے جب تک کہ گناہ کی اور رشتہ داری کے کٹنے کی دعا نہ ہو (مسند احمد) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تک کوئی شخص دعا میں جلدی نہ کرے اس کی دعا ضرور قبول ہوتی ہے۔ جلدی کرنا یہ ہے کہ کہنے لگے میں نے تو ہر چند دعا مانگی لیکن اللہ قبول نہیں کرتا (موطأ مالک) بخاری کی روایت میں یہ بھی ہے کہ اسے ثواب میں جنت عطا فرماتا ہے صحیح مسلم میں یہ بھی ہے کہ تا مقبولیت کا خیال کر کے وہ ناامیدی کے ساتھ دعا مانگنا ترک کر دے یہ جلدی کرنا ہے ابو جعفر طبری کی تفسیر میں یہ قول حضرت عائشہ کا بیان کیا گیا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ دل مثل برتنوں کے ہیں۔ بعض بعض سے زیادہ مگرانی کرنے والے ہوتے ہیں۔ ابے لوگو تم جب اللہ تعالیٰ سے دعا مانگا کر دو تو قبولیت کا یقین رکھا کرو۔ سنو غفلت والے دل کی دعا اللہ تعالیٰ ایک مرتبہ بھی قبول نہیں فرماتا (مسند احمد) حضرت عائشہ صدیقہؓ نے ایک مرتبہ حضور ﷺ سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے دعا کی کہ اے العالمین عائشہ کے اس سوال کا جواب کیا ہے؟ جبرئیل علیہ السلام آئے اور فرمایا اللہ تعالیٰ آپ کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے مراد اس سے وہ شخص ہے جو نیک اعمال کرنے والا ہو اور سچی نیت اور نیک دلی کے ساتھ مجھے پکارے تو میں لبیک کہہ کر اس کی حاجت ضرور پوری کر دیتا ہوں (ابن مردویہ) یہ حدیث اسناد کی رو سے غریب ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ حضور نے اس آیت کی تلاوت کی۔ پھر فرمایا اے اللہ تو نے دعا کا حکم دیا ہے اور اجابت کا وعدہ فرمایا ہے۔ میں حاضر ہوں الہی میں حاضر ہوں۔ میں حاضر ہوں۔ اے لاشریک اللہ میں حاضر ہوں حمد و نعمت اور ملک تیرے ہی لئے ہے۔ تیرا کوئی شریک نہیں میری گواہی ہے کہ تو زالا یکتا ہے مثل اور ایک ایسی ہے۔ تو پاک ہے۔ بیوی بچوں سے دور ہے تیرا ہم پلہ کوئی نہیں تیری کھوکھا کوئی نہیں تجھ جیسا کوئی نہیں۔ میری گواہی ہے کہ تیرا وعدہ سچا تیری ملاقات حق جنت دوزخ قیامت اور دوبارہ جہنما یہ سب برحق امر ہیں (ابن مردویہ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے اے ابن آدم ایک چیز تو تیری ہے ایک میری ہے اور ایک مجھ اور تجھ میں مشترک ہے۔ خالص میرا حق تو یہ ہے کہ ایک میری ہی عبادت کرے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے۔ گویا میرے لئے مخصوص یہ ہے کہ تیرے ہر عمل کا پورا پورا بدلہ میں تجھے ضرور دوں گا۔ کسی نیکی کو ضائع نہ کروں گا۔ مشترک



کی چیز یہ ہے کہ تو دعا کرو اور میں قبول کروں تیرا کام دعا کرنا میرا کام قبول کرنا (بزار) دعا کی اس آیت کو روزوں کے احکام کی آیتوں کے درمیان وارد کرنے کی حکمت یہ ہے کہ روزے ختم ہونے کے بعد لوگوں کو دعا کی ترغیب ہو بلکہ ہر روز افطار کے وقت وہ بکثرت دعائیں کیا کریں۔ حضور کا ارشاد ہے کہ روزے دار افطار کے وقت جو دعا کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے قبول فرماتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ افطار کے وقت اپنے گھر والوں کو اور بچوں کو سب کو بلا لیتے اور دعائیں کیا کرتے تھے (ابوداؤد طیالسی) ابن ماجہ میں بھی یہ روایت ہے اور اس میں صحابی کی یہ دعا منقول ہے اللھم انی اسئلك برحمتك اللتی وسعت کل شی ان تغفر لی یعنی اے اللہ میں تیری اس رحمت کو تجھے یاد دلا کر جس نے تمام چیزوں کو گھیر رکھا ہے تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ تو میرے گناہ معاف فرما دے۔ اور حدیث میں ہے تین مخصوص کی دعا رد نہیں ہوتی۔ عادل بادشاہ روزے دار شخص اور مظلوم اسے قیامت والے دن اللہ تعالیٰ بلند کرے گا۔ مظلوم کی بددعا کے لئے آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مجھے میری عزت کی قسم میں تیری مدد ضرور کروں گا گو دیر سے کروں (مسند ترمذی) نسائی اور ابن ماجہ

أَحَلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَقُ إِلَى نِسَائِكُمْ هُنَّ لِبَاسٌ لَكُمْ  
وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَهُنَّ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُونَ أَنْفُسَكُمْ فَتَابَ  
عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ فَالآنَ بَاشِرُوهُنَّ وَأَبْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ  
لَكُمْ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ  
الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ أَتِمُوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ وَلَا  
تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنْتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَجِدِ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا  
تَقْرُبُوهَا كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لِّلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ۝

روزے کی راتوں میں اپنی بیویوں سے ملنا تمہارے لئے حلال کیا گیا وہ تمہارا لباس ہیں اور تم ان کے لباس ہو تمہاری پوشیدہ خیانتوں کو اللہ تعالیٰ نے معلوم کر لیا۔ اس نے تمہاری توبہ قبول فرما کر تم سے درگزر فرمایا اب تمہیں ان سے مباشرت کی اور اللہ تعالیٰ کی لکھی ہوئی چیز کو تلاش کرنے کی اجازت ہے تم کھاتے پیتے رہو یہاں تک کہ صبح کا سفید دھاگا سیاہ دھاگے سے ظاہر ہو جائے گا۔ پھر رات تک روزے کو پورا کرو اور عورتوں سے اس وقت مباشرت نہ کرو جبکہ تم مسجدوں میں احکاف میں ہو یہ اللہ تعالیٰ کی حدیں ہیں۔ تم ان کے قریب بھی نہ چکو اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنی آیتیں لوگوں کے لئے بیان فرماتا ہے تاکہ وہ بچیں ○

رمضان میں مراعات اور کچھ پابندیاں: ☆☆ (آیت: ۱۸۷) ابتداء اسلام میں یہ حکم تھا کہ افطار کے بعد کھانا پینا جماع کرنا عشاء کی نماز تک جائز تھا اور اگر کوئی اس سے بھی پہلے سو گیا تو اس پر نیند آتے ہی حرام ہو گیا۔ اس میں صحابہ کو قدرے مشقت ہوئی جس پر یہ رخصت کی آیتیں نازل ہوئیں اور آسانی کے احکام مل گئے۔ رفق سے مراد یہاں جماع ہے۔ ابن عباسؓ، عطاءؓ، مجاہدؓ، سعید بن جبیرؓ، طاؤسؓ، سالم بن عبد اللہ عمرو بن دینارؓ، حسنؓ، قتادہؓ، زہریؓ، ضحاکؓ، ابراہیمؓ، نفعیؓ، سدیؓ، عطاء خراسانیؓ، مقاتلؓ، بن حیانؓ رحمہم اللہ بھی یہی فرماتے ہیں۔ لباس سے مراد سکون ہے۔ ربیع بن انسؓ لحاف کے معنی بیان کرتے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ میاں بیوی کے آپس کے تعلقات اس قسم کے ہیں کہ انہیں ان راتوں میں بھی اجازت دی جاتی ہے۔ پہلے حدیث گزر چکی ہے کہ اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟ جس میں بیان ہو چکا ہے کہ

جب یہ حکم تھا کہ افطار سے پہلے اگر کوئی سو جائے تو اب رات کو جاگ کر کھا پی نہیں سکتا۔ اب اسے یہ رات اور دوسرا دن گذار کر مغرب سے پہلے کھانا پینا حلال ہوگا۔

حضرت قیس بن صرمہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ دن بھر کھیتی باڑی کا کام کر کے شام کو گھر آئے۔ بیوی سے کہا کچھ کھانے کو ہے؟ جواب ملا کچھ نہیں۔ میں جاتی ہوں اور کہیں سے لاتی ہوں۔ وہ تو گئیں اور یہاں ان کی آنکھ لگ گئی۔ جب آ کر دیکھا تو بڑا افسوس ہوا کہ اب یہ رات اور دوسرا دن بھوکے پیٹ کیسے گزرے گا؟ چنانچہ جب آدھا دن ہوا تو حضرت قیس بھوک کے مارے بیہوش ہو گئے۔ حضور علیہ السلام کے پاس ذکر ہوا۔ اس پر یہ آیت اتری اور مسلمان بہت خوش ہوئے۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ صحابہؓ رمضان بھڑوٹوں کے پاس نہیں جاتے تھے لیکن بعض لوگوں سے کچھ ایسے قصور بھی ہو جایا کرتے تھے جس پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔ ایک اور روایت میں ہے کہ یہ قصور کئی ایک حضرات سے ہو گیا تھا جن میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ بھی تھے جنہوں نے عشاء کی نماز کے بعد اپنی اہلیہ سے مباشرت کی تھی۔ پھر دربار نبوت میں شکایتیں ہوئیں اور یہ رحمت کی آیتیں اتریں۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے جب آ کر یہ واقعہ سنایا تو آپؐ نے فرمایا۔ عمر تم سے تو ایسی امید نہ تھی۔ اسی وقت یہ آیت اتری۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت قیسؓ نے عشاء کی نماز کے بعد نیند سے ہوشیار ہو کر کھا پی لیا تھا اور صبح حاضر ہو کر سرکار محمدیؐ میں اپنا قصور بیان کیا تھا۔ ایک اور روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت عمرؓ نے جب مباشرت کا ارادہ کیا تو بیوی صاحبہ نے فرمایا کہ مجھے نیند آگئی تھی لیکن انہوں نے اسے بہانہ سمجھا۔ اس رات آپؐ دیر تک مجلس نبویؐ میں بیٹھے رہے تھے اور بہت رات گئے گھر پہنچے تھے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی ایسا ہی قصور ہو گیا تھا مامکتب اللہ سے مراد اولاد ہے۔ بعضوں نے کہا جماع مراد ہے۔ بعض کہتے ہیں لیلۃ القدر مراد ہے، قتادہ کہتے ہیں مراد یہ رخصت ہے۔ تطبیق ان سب اقوال میں اس طرح ہو سکتی ہے کہ عموم کے طور پر سبھی مراد ہیں۔ جماع کی رخصت کے بعد کھانے پینے کی اجازت مل رہی ہے کہ صبح صادق تک اس کی بھی اجازت ہے۔

صحیح بخاری شریف میں ہے، حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، جب من الفجر کا لفظ نہیں اترتا تھا تو چند لوگوں نے اپنے پاؤں میں سفید اور سیاہ دھاگے باندھ لئے اور جب تک ان کی سفیدی اور سیاہی میں تمیز نہ ہوئی، کھاتے پیتے رہے۔ اس کے بعد یہ لفظ اتر اور معلوم ہو گیا کہ اس سے مراد رات سے دن ہے، مسند احمد میں ہے حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دو دھاگے (سیاہ اور سفید) اپنے نکلے تلے رکھ لئے اور جب تک ان کے رنگ میں تمیز نہ ہوئی تب تک کھانا پیتا رہا۔ صبح کو حضرتؐ سے ذکر کیا تو آپؐ نے فرمایا تیرا نکیہ بڑا لمبا چوڑا نکلا۔ اس سے مراد تو صبح کی سفیدی کا رات کی سیاہی سے ظاہر ہونا ہے، یہ حدیث صحیحین میں بھی ہے مطلب حضورؐ کے امر قول کا یہ ہے کہ آیت میں تو دھاگوں سے مراد دن کی سفیدی اور رات کی تاریکی ہے۔ اگر تیرے نکیے تلے یہ دونوں آ جاتی ہوں تو گویا اس کی لمبائی مشرق مغرب تک کی ہے، صحیح بخاری میں یہ تفسیر بھی روایتاً موجود ہے۔ بعض روایتوں میں یہ لفظ بھی ہیں کہ پھر تو تو بڑی لمبی چوڑی گردن والا ہے۔ بعض لوگوں نے اس کے معنی بیان کئے ہیں کہ کند ذہن ہے لیکن یہ معنی غلط ہیں بلکہ مطلب دونوں جملوں کا ایک ہی ہے کیونکہ جب نکیہ اتنا بڑا ہے تو گردن بھی اتنی بڑی ہی ہوگی۔ واللہ اعلم۔

بخاری شریف میں حضرت عدیؓ کا اسی طرح کا سوال اور آپؐ کا اسی طرح کا جواب تفصیل وار یہی ہے۔ آیت کے ان الفاظ سے سحری کھانے کا مستحب ہونا بھی ثابت ہوتا ہے اس لئے کہ اللہ کی رخصتوں پر عمل کرنا اسے پسند ہے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ سحری کھایا کرو۔ اس میں برکت ہے (بخاری و مسلم) ہمارے اور اہل کتاب کے روزوں میں سحری کھانے ہی کا فرق ہے (مسلم) سحری کا کھانا

برکت ہے۔ اسے نہ چھوڑو۔ اگر کچھ نہ ملے تو پانی کا گھونٹ ہی سہی۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے سحری کھانے والوں پر رحمت بھیجتے ہیں (مسند احمد) اسی طرح کی اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں۔ سحری کو دیر کر کے کھانا چاہئے۔ ایسے وقت کہ فراغت کے کچھ ہی دیر بعد صبح صادق ہو جائے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم سحری کھاتے ہی نماز کے لئے کھڑے ہو جایا کرتے تھے۔ اذان اور سحری کے درمیان اتنا ہی فرق ہوتا تھا کہ پچاس آیتیں پڑھ لی جائیں (بخاری و مسلم) رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں۔ جب تک میری امت افطار میں جلدی کرے اور سحری میں تاخیر کرے گی تب تک بھلائی میں رہے گی (مسند احمد) یہ بھی حدیث سے ثابت ہے کہ حضورؐ نے اس کا نام غذا مبارک رکھا ہے مسند احمد وغیرہ کی حدیث میں ہے حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے حضورؐ کے ساتھ سحری کھائی ایسے وقت کہ گویا سورج طلوع ہونے والا ہی تھا لیکن اس میں ایک راوی عامر بن ابونجود منفرد ہیں اور مراد اس سے دن کی نزدیکی ہے جیسے فرمان باری تعالیٰ ہے فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ اِلٰح یعنی جب وہ عورتیں اپنے وقتوں کو پہنچ جائیں۔ مراد یہ ہے کہ جب عدت کا زمانہ ختم ہو جانے کے قریب ہو یہی مراد یہاں اس حدیث سے بھی ہے کہ انہوں نے سحری کھائی اور صبح صادق ہو جانے کا یقین نہ تھا بلکہ ایسا وقت تھا کہ کوئی کہتا تھا، ہوگی، کوئی کہتا تھا، نہیں ہوئی۔ اکثر اصحاب رسول اللہ ﷺ کا دیر سے سحری کھانا اور آخری وقت تک کھاتے رہنا ثابت ہے جیسے حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، ابن مسعودؓ، حضرت حذیفہؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت ابن عمرؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اور تابعین کی بھی ایک بہت بڑی جماعت سے صبح صادق طلوع ہونے کے بالکل قریب تک ہی سحری کھانا مروی ہے جیسے محمد بن صادق بن حسین ابو جہل، ابراہیم فحفی، ابو الضحی، ابو وائل وغیرہ شاگردان ابن مسعودؓ، عطاء حسن، حاکم بن عینیہ، مجاہد، عروہ بن زبیر، ابوالششاء، جابر بن زید کا بھی یہی مذہب ہے۔ امش اور جابر بن رشد کا اللہ تعالیٰ ان سب پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے، ہم نے ان سب کی اسنادیں اپنی مستقل کتاب کتاب الصیام میں بیان کر دی ہیں واللہ الحمد، ابن جریرؒ نے اپنی تفسیر میں بعض لوگوں سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ سورج کے طلوع ہونے تک کھانا پینا جائز ہے جیسے غروب ہوتے ہی افطار کرنا لیکن یہ قول کوئی اہل علم قبول نہیں کر سکتا کیونکہ نص قرآن کے خلاف ہے۔ قرآن میں حیط کا لفظ موجود ہے بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حضرت (بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی اذان سن کر تم سحری سے نہ رک جایا کرو۔ وہ رات باقی ہوتے ہی اذان دیا کرتے ہیں۔ تم کھاتے پیتے رہو جب تک حضرت عبد اللہ بن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اذان نہ سن لو۔ وہ اذان نہیں کہتے جب تک فجر طلوع نہ ہو جائے مسند احمد میں حدیث ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ وہ فجر نہیں جو آسمان کے کناروں میں لمبی پھیلتی ہے بلکہ وہ جو سرفی والی اور کنارے کنارے ظاہر ہونے والی ہوتی ہے۔ ترمذی میں بھی یہ روایت ہے اس میں ہے۔ کہ اس پہلی فجر کو جو طلوع ہو کر اوپر کو چڑھتی ہے دیکھ کر کھانے پینے سے نہ روکو بلکہ کھاتے پیتے رہو یہاں تک کہ سرخ دھاری پیش ہو جائے ایک اور حدیث میں صبح کاذب اور اذان بلال کو ایک ساتھ بھی بیان فرمایا ہے ایک اور روایت میں صبح کاذب کو صبح کی سفیدی کے ستون کی مانند بتایا ہے دوسری روایت میں اس پہلی اذان کو جس کے موذن حضرت بلالؓ تھے یہ وجہ بیان کی ہے کہ وہ سوتوں کو جگانے اور نماز (تہجد) پڑھنے والوں اور قضا لوٹانے کے لئے ہوتی ہے فجر اس طرح نہیں ہے جب تک اس طرح نہ ہو یعنی آسمان میں اونچی چڑھنے والی نہیں بلکہ کناروں میں دھاری کی طرح ظاہر ہونے والی) ایک مرسل حدیث میں ہے فجر وہ ہیں ایک تو بھیڑیئے کی دم کی طرح ہے۔ اس سے روزے دار پر کوئی چیز حرام نہیں ہوتی۔ ہاں وہ فجر جو کناروں میں ظاہر ہو وہ نماز صبح کا وقت ہے اور روزے دار کے کھانے پینے کو موقوف کرنے کا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جو سفیدی آسمان کے نیچے سے اوپر کو چڑھتی ہے اسے نماز کی حلت اور روزے کی حرمت سے کوئی سروکار نہیں لیکن فجر جو پہاڑوں

کی چوٹیوں پر چمکنے لگتی ہے، وہ کھانا پینا حرام کرتی ہے۔ حضرت عطل سے مروی ہے کہ آسمان میں لمبی لمبی چڑھنے والی روشنی نہ تو روزہ رکھنے والے پر کھانا پینا حرام کرتی ہے نہ اس سے نماز کا وقت آیا ہوا معلوم ہو سکتا ہے نہ حج فوت ہوتا ہے لیکن جو صبح پہاڑوں کی چوٹیوں پر پھیل جاتی ہے یہ وہ صبح ہے کہ روزہ دار کے لئے سب چیزیں حرام کر دیتی ہے اور نمازی کو نماز حلال کر دیتی ہے اور حج فوت ہو جاتا ہے۔ ان دونوں روایتوں کی سند صحیح ہے اور بہت سے سلف سے منقول ہے۔ اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔

مسئلہ: ☆☆ چونکہ جماع کا اور کھانے پینے کا آخری وقت اللہ تعالیٰ نے روزہ رکھنے والے کے لئے صبح صادق کا مقرر کیا ہے، اس سے اس مسئلہ پر بھی استدلال ہو سکتا ہے کہ صبح کے وقت جو شخص جنبی اٹھا، وہ غسل کر لے اور اپنا روزہ پورا کر لے۔ اس پر کوئی حرج نہیں چاروں اماموں اور سلف و خلف کے جمہور علماء کرام کا یہی مذہب ہے۔ بخاری و مسلم میں حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ رات کو جماع کرتے۔ صبح کے وقت جنبی اٹھتے۔ پھر غسل کر کے روزہ رکھتے، آپ کا یہ جنبی ہونا احتلام کے سبب نہ ہوتا تھا۔ حضرت ام سلمہؓ والی روایت میں ہے پھر آپ نہ افطار کرتے تھے۔ نہ قضا کرتے تھے صحیح مسلم شریف میں حضرت عائشہؓ سے روایت میں ہے کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میں صبح نماز کا وقت آ جانے تک جنبی ہوتا ہوں تو پھر کیا میں روزہ رکھ لوں؟ آپ نے فرمایا یہی بات میرے ساتھ بھی ہوتی ہے اور میں روزہ رکھتا ہوں۔ اس نے کہا یا رسول اللہ! ہم تو آپ جیسے نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے تو سب اگلے پچھلے گناہ معاف فرما دیئے ہیں آپ نے فرمایا۔ واللہ مجھے تو امید ہے کہ تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا اور تم سب سے زیادہ تقویٰ کی باتوں کو جاننے والا میں ہوں۔ مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے کہ جب صبح کی اذان ہو جائے اور تم میں سے کوئی جنبی ہو تو وہ اس دن روزہ نہ رکھے۔ اس کی اسناد بہت عمدہ ہے اور یہ حدیث شرط شخیں پر ہے جیسے کہ ظاہر ہے یہ حدیث بخاری و مسلم میں بھی حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے۔ وہ فضل بن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں وہ نبی ﷺ سے نسائی میں یہ حدیث بروایت ابو ہریرہؓ ہے وہ اسامہ بن زیدؓ سے اور فضل بن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں اور مرفوع نہیں اور بعض دیگر علماء کا یہی مذہب ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سلم، عطاء، شام بن عروہ اور حسن بصریؒ یہی کہتے ہیں بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگر جنبی ہو کر سو گیا ہو اور آنکھ کھلے تو صبح صادق ہوگئی ہو تو اس کے روزے میں کوئی نقصان نہیں۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلمہؓ والی حدیث کا یہی مطلب ہے اور اگر اس نے عمدہ غسل نہیں کیا اور اسی حالت میں صبح صادق ہوگئی ہو تو اس کا روزہ نہیں ہوگا۔ حضرت عروہؓ، طاؤسؓ اور حسنؓ یہی کہتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں اگر فرضی روزہ ہو تو پورا تو کر لے لیکن قضا لازم ہے اور نفلی روزہ ہو تو کوئی حرج نہیں ابراہیم نخعیؒ یہی کہتے ہیں خواجهن بصریؒ سے بھی ایک روایت ہے بعض کہتے ہیں حضرت ابو ہریرہؓ والی حدیث حضرت عائشہؓ والی حدیث سے منسوخ ہے لیکن حقیقت میں تاریخ کا یہ نہیں جس سے نسخ ثابت ہو سکے۔

ابن حزمؒ فرماتے ہیں اس کی ناخ یہ آیت قرآنی ہے لیکن یہ بھی دور کی بات ہے اس لئے کہ اس آیت کا بعد میں ہونا تاریخ سے ثابت نہیں بلکہ اس حیثیت سے تو بظاہر یہ حدیث اس آیت کے بعد کی ہے بعض لوگ کہتے ہیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی حدیث میں لا کمال نفی کا ہے یعنی اس شخص کا روزہ کامل نہیں کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت ام سلمہؓ والی حدیث سے جواز صاف طور سے ثابت ہو رہا ہے۔ یہی مسلک ٹھیک بھی ہے۔ اور دوسرے تمام اقوال سے یہ قول عمدہ ہے اور یوں کہنے سے دونوں روایتوں میں تطبیق کی صورت بھی نکل آتی ہے۔ واللہ اعلم۔ پھر فرماتا ہے کہ روزے کو رات تک پورا کرو۔ اس سے ثابت ہوا کہ سورج کے ڈوبتے ہی روزہ افطار کر لینا چاہئے بخاری و مسلم میں امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب ادھر سے

رات آجائے اور ادھر سے دن چلا جائے تو روزے دار افطار کر لے بخاری و مسلم میں حضرت اہل بن سعد ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تک لوگ افطار کرنے میں جلدی کریں گے خیر سے رہیں گے مسند احمد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا اللہ عز و جل کا ارشاد ہے کہ مجھے سب سے زیادہ پیارے وہ بندے ہیں جو روزہ افطار کرنے میں جلدی کرنے والے ہیں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کو حسن غریب کہتے ہیں۔

مسند کی ایک اور حدیث میں ہے کہ بشر بن خصاصیہ کی بیوی صاحبہ حضرت لیلیٰ فرماتی ہیں کہ میں نے دو روزوں کو بغیر افطار کئے ملانا چاہا تو میرے خاوند نے مجھے منع کیا اور کہا رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع کیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ کام نصرائیوں کا ہے۔ تم تو روزے اس طرح رکھو جس طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ رات کو روزہ افطار کر لیا کرو۔ اور بھی بہت سی حدیثوں میں روزے سے روزے کو ملائے کی ممانعت آئی ہے۔ مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا روزے سے روزہ نہ ملاؤ تو لوگوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ خود آپ تو ملاتے ہیں آپ نے فرمایا میں تم جیسا نہیں ہوں۔ میں رات گزارتا ہوں۔ میرا رب مجھے کھلا پلا دیتا ہے لیکن لوگ پھر بھی اس سے باز نہ رہے تو آپؐ نے دو دن دو راتوں کا برابر روزہ رکھا۔ پھر چاند دکھائی دیا تو آپؐ نے فرمایا اگر چاند نہ چڑھتا تو میں تو یونہی روزوں کو ملائے جاتا گویا آپ اپنی عاجزی ظاہر کرنا چاہتے تھے۔

صحیحین میں بھی یہ حدیث ہے اور اسی طرح روزے کو بے افطار کئے اور رات کو کچھ کھائے بغیر دوسرے روزے سے ملا لینے کی ممانعت میں بخاری و مسلم میں حضرت انسؓ، حضرت ابن عمرؓ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے بھی مرفوع حدیثیں مروی ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ امت کو تو منع کیا گیا ہے لیکن آپؐ کی ذات اس سے مستثنیٰ تھی۔ آپؐ کو اس کی طاقت تھی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپؐ کی مدد کی جاتی تھی۔ یہ بھی خیال رہے کہ مجھے میرا رب کھلا پلا دیتا ہے اس سے مراد حقیقتاً کھانا پینا نہیں کیونکہ پھر تو روزے سے روزے کا وصال نہ ہوا بلکہ یہ صرف روحانی طور پر مدد ہے جیسے کہ ایک عربی شاعر کا شعر ہے۔

لہا احادیث من ذکراک تشغلہا عن الشراب وتلہیہا عن الزاد

یعنی اسے تیرے ذکر اور تیری باتوں میں وہ دلچسپی ہے کہ کھانے پینے سے یک قلم بے پرواہ ہو جاتی ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص دوسری سحری تک رک رہنا چاہے تو یہ جائز ہے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا روزے کو روزے سے مت ملاؤ۔ جو ملنا ہی چاہے تو سحری تک ملا لے۔ لوگوں نے کہا۔ آپؐ تو ملا دیتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا۔ میں تم جیسا نہیں مجھے تو رات ہی کو کھلانے والا کھلا دیتا ہے اور پلانے والا پلا دیتا ہے (بخاری و مسلم) ایک اور روایت میں ہے کہ ایک صحابیہؓ عورت نبی ﷺ کے پاس آئیں۔ آپؐ سحری کھا رہے تھے۔ فرمایا آؤ تم بھی کھا لو۔ اس نے کہا میں تو روزے سے ہوں۔ آپؐ نے فرمایا تم روزہ کس طرح رکھتی ہو اس نے بیان کیا۔ آپؐ نے فرمایا۔ آل محمد ﷺ کی طرح سحری کے وقت سے دوسری سحری کے وقت تک کھانا ہوا روزہ کیوں نہیں رکھتی؟ (ابن جریر) مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ ایک سحری سے دوسری سحری تک کا روزہ رکھتے تھے۔ ابن جریر میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ سلف صالحین سے مروی ہے کہ وہ کئی کئی دن تک بے درپے بغیر کچھ کھائے روزہ رکھتے تھے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ عبادت کے طور پر نہ تھا بلکہ نفس کو مارنے کے لئے ریاضت کے طور پر تھا۔ واللہ اعلم۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ انہوں نے سمجھا ہو کہ حضورؐ کا اس سے روکنا صرف شفقت اور مہربانی کے طور پر تھا نہ کہ ناجائز بتلانے کے طور پر جیسے کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں آپؐ نے لوگوں پر رحم کھا کر اس سے منع فرمایا تھا۔ پس ابن زبیرؓ اور ان کے صاحبزادے عامر اور ان کی راہ چلنے والے اپنے نفس میں قوت پاتے تھے اور روزے پر روزہ رکھے جاتے تھے یہ بھی مروی

ہے کہ جب وہ افطار کرتے تو پہلے گھی اور کڑوا گوند کھاتے تاکہ پہلے غذا پیچنے سے آنتیں جل نہ جائیں، مروی ہے کہ حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سات سات دن تک برابر روزے سے رہتے۔ اس اثناء میں دن کو یارات کو کچھ نہ کھاتے اور پھر ساتویں دن خوب تندرست چست و چالاک اور سب سے زیادہ قوی پائے جاتے، ابو العالیہؒ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے دن کا روزہ فرض کر دیا، رات تو جو چاہے کھا لے نہ چاہے نہ کھائے۔ پھر فرمان ہوتا ہے کہ اعتکاف کی حالت میں عورتوں سے مباشرت نہ کرو۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے جو شخص مسجد میں اعتکاف میں بیٹھا ہو، خواہ رمضان میں خواہ اور مہینوں میں اس پردن کے وقت یارات کے وقت اپنی بیوی سے جماع کرنا حرام ہے۔ جب تک اعتکاف پورا نہ ہو جائے، حضرت ضحاکؒ فرماتے ہیں پہلے لوگ اعتکاف کی حالت میں بھی جماع کر لیا کرتے تھے جس پر یہ آیت اتری اور مسجد میں اعتکاف کئے ہوئے پر جماع حرام کیا گیا۔ مجاہدؒ اور قتادہؒ بھی یہی کہتے ہیں۔

پس علمائے کرام کا متفقہ فتویٰ ہے کہ اعتکاف والا اگر کسی ضروری حاجت کے لئے گھر میں جائے مثلاً پیشاب یا خانہ کے لئے یا کھانا کھانے کے لئے تو اس کام سے فارغ ہوتے ہی مسجد میں چلا آئے۔ وہاں ٹھہرنا جائز نہیں نہ اپنی بیوی سے بوس و کننا وغیرہ جائز ہے نہ کسی اور کام میں سوائے اعتکاف کے مشغول ہونا اس کے لئے جائز ہے بلکہ بیمار کی بیمار پرسی کے لئے بھی جانا جائز نہیں۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ چلتے چلتے پوچھ لئے اعتکاف کے اور بھی بہت سے احکام ہیں۔ بعض میں اختلاف بھی ہے جن سب کو ہم نے اپنی مستقل کتاب کتاب الصیام کے آخر میں بیان کئے ہیں واللہ الحمد والمناہ چونکہ قرآن پاک میں روزوں کے بیان کے بعد اعتکاف کا ذکر ہے اسی لئے اکثر مصنفین نے بھی اپنی اپنی کتابوں میں روزے کے بعد ہی اعتکاف کے احکام بیان کئے ہیں۔ اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ اعتکاف روزے کی حالت میں کرنا چاہئے یا رمضان کے آخر میں، آنحضرت ﷺ بھی رمضان شریف کے آخری دنوں میں اعتکاف کیا کرتے تھے یہاں تک کہ آپ کو وفات آئی۔ آپ کے بعد اہمات المؤمنین آپ کی بیویاں اعتکاف کیا کرتی تھیں (بخاری و مسلم) بخاری و مسلم میں ہے کہ حضرت صفیہ بنت حمی نبی ﷺ کی خدمت میں آپ کی اعتکاف کی حالت میں حاضر ہوتی تھیں اور کوئی ضروری بات پوچھنے کی ہوتی تو وہ دریافت کر کے چلی جاتیں۔ ایک مرتبہ رات کو جب جانے لگیں تو چونکہ مکان مسجد نبوی سے فاصلہ پر تھا اس لئے حضورؐ ساتھ ہو لئے کہ پہنچا آئیں راستہ میں دو انصاری صحابی مل گئے اور آپ کے ساتھ آپ کی بیوی صاحبہ کو دیکھ کر شرم کے مارے جلدی جلدی قدم بڑھا کر جانے لگے۔ آپؐ نے فرمایا۔ ٹھہر جاؤ۔ سنو۔ یہ میری بیوی صفیہ ہیں۔ وہ کہنے لگے سبحان اللہ (کیا ہمیں کوئی اور خیال بھی ہو سکتا ہے؟) آپؐ نے فرمایا۔ شیطان انسان کی رگ رگ میں خون کی طرح پھرتا رہتا ہے۔ مجھے خیال ہوا کہ کہیں تمہارے دل میں کوئی بدگمانی نہ پیدا کر دے۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ اپنے اس واقعہ سے اپنی امت کو گویا سبق سکھا رہے ہیں کہ وہ تہمت کی جگہوں سے بچتے رہیں ورنہ ناممکن ہے کہ وہ پاکباز صحابہؓ حضورؐ کی نسبت کوئی برا خیال بھی دل میں لائیں اور یہ بھی ناممکن ہے کہ آپؐ ان کی نسبت یہ خیال فرمائیں۔ واللہ اعلم۔ آیت میں مراد مباشرت سے جماع اور اس کے اسباب ہیں جیسے بوس و کننا وغیرہ ورنہ کسی چیز کا لینا دینا وغیرہ یہ سب باتیں جائز ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اعتکاف کی حالت میں سرمہ پاک میری طرف جھکا دیا کرتے تھے۔ میں آپؐ کے سر میں کنگھی کر دیا کرتی تھی حالانکہ میں حیض سے ہوتی تھی۔ آپؐ اعتکاف کے دنوں میں ضروری حاجت کے رفع کے سوا اور وقت گھر میں تشریف نہیں لاتے تھے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں اعتکاف کی حالت میں تو چلتے چلتے ہی گھر کے بیمار کی بیمار پرسی کر لیا کرتی ہوں۔ پھر فرماتا ہے کہ یہ ہماری بیان کردہ باتیں اور فرض کئے ہوئے احکام اور مقرر کی ہوئی حدیں ہیں۔ روزے اور روزوں کے احکام اور اس کے مسائل اور اس میں جو کام جائز ہیں یا جو ناجائز ہیں غرض وہ سب ہماری حد بندیاں ہیں۔ خبردار ان کے قریب بھی نہ آنا نہ ان سے

تجاوز کرنا نہ ان کے آگے بڑھنا بعض کہتے ہیں یہ حد اعتکاف کی حالت میں مباشرت سے الگ رہنا ہے۔ بعض کہتے ہیں ان آیاتوں کے چاروں حکم مراد ہیں۔ پھر فرمایا جس طرح روزے اور اس کے احکام اور اس کے مسائل اور اس کی تفصیل ہم نے بیان کر دی اسی طرح اور احکام بھی ہم اپنے بندے اور رسول کی معرفت سب کے سب تمام جہان کے لئے بیان کیا کرتے ہیں تاکہ وہ یہ معلوم کر سکیں کہ ہدایت کیا ہے اور اطاعت کسے کہتے ہیں؟ اور اس بنا پر وہ متقی بن جائیں جیسے اور جگہ ہے **هُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ عَلَى عَبْدِهِ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ لِّيُخْرِجَكُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَإِنَّ اللَّهَ بِكُمْ لَرَؤُوفٌ رَحِيمٌ** وہ خدا جو اپنے بندے پر روشن آیتیں نازل فرماتا ہے تاکہ تمہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لائے۔ اللہ تعالیٰ تم پر رافت و رحمت کرنے والا ہے۔

**وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَآ إِلَى الْحُكْمِ  
لِتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ١٨٨**

ایک دوسروں کا مال ناحق نہ کھایا کرو نہ حاکموں کو رشوت پہنچا کر کسی کا کچھ مال ظلم و ستم سے اپنا کر لیا کرو حالانکہ تم جانتے ہو ○

منصف، انصاف اور مدعی: ☆ ☆ (آیت: ۱۸۸) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں یہ آیت اس شخص کے بارے میں ہے جس پر کسی اور کا مال چاہئے اور اس حقدار کے پاس کوئی دلیل نہ ہو تو یہ شخص اس کا انکار کر جائے اور حاکم کے پاس جا کر بری ہو جائے حالانکہ وہ جانتا ہو کہ اس پر اس کا حق ہے اور وہ اس کا مال مار رہا ہے اور حرام کھا رہا ہے اور اپنے تئیں گنہگاروں میں کر رہا ہے حضرت مجاہد، سعید بن جبیر، عکرمہ، مجاہد، حسن، قتادہ، سدی، مقاتل بن حیان، عبدالرحمن بن زید، اسلم رحمہم اللہ بھی یہی فرماتے ہیں کہ باوجود اس علم کے کہ تو ظالم ہے جھگڑا نہ کر، صحیحین میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں انسان ہوں۔ میرے پاس لوگ جھگڑا لے کر آتے ہیں۔ شاید ایک دوسرے سے زیادہ حجت باز ہو۔ میں اس کی چکنی چڑی تقریر سن کر اس کے حق میں فیصلہ کر دوں (حالانکہ درحقیقت میرا فیصلہ واقعہ کے خلاف ہو) تو سمجھ لو کہ جس کے حق میں اس طرح کے فیصلہ سے کسی مسلمان کے حق کو میں دلوادوں وہ آگ کا ایک ٹکڑا ہے خواہ اٹھالے خواہ نہ اٹھائے۔ میں کہتا ہوں یہ آیت اور حدیث اس امر پر دلیل ہے کہ حاکم کا حکم کسی معاملہ کی حقیقت کو شریعت کے نزدیک بدلتا نہیں فی الواقع بھی نفس الامر کے مطابق ہو تو خیر ورنہ حاکم کو تو اجر ملے گا لیکن اس فیصلہ کی بنا پر ناحق کو حق بنالینے والا اللہ کا مجرم ٹھہرے گا اور اس پر دباں باقی رہے گا جس پر آیت مندرجہ بالا گواہ ہے کہ تم اپنے دعوے کو باطل ہونے کا علم رکھتے ہوئے لوگوں کے مال مار کھانے کے لئے جموئے مقدّمات بنا کر جموئے گواہ گزار کر ناجائز طریقوں سے حکام کو غلطی کھلا کر اپنے دعوؤں کو ثابت نہ کیا کرو حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں لوگو سمجھ لو کہ قاضی کا فیصلہ تیرے لئے حرام کو حلال نہیں کر سکتا اور نہ باطل کو حق کر سکتا ہے۔ قاضی تو اپنی عقل سمجھ سے گواہوں کی گواہی کے مطابق ظاہری حالات کو دیکھتے ہوئے فیصلہ صادر کر دیتا ہے اور وہ بھی آخر انسان ہی ہے۔ ممکن ہے خطا کرے اور ممکن ہے خطا سے بچ جائے تو جان لو کہ اگر فیصلہ قاضی کا واقعہ کے خلاف ہو تو تم صرف قاضی کا فیصلہ سمجھ کر اسے جائز مال نہ سمجھو۔ یہ جھگڑا باقی ہی ہے یہاں تک کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ دونوں کو جمع کرے اور باطل والوں پر حق والوں کو غلبہ دے کر ان کا حق ان سے دلوائے اور دنیا میں جو فیصلہ ہوا تھا اس کے خلاف فیصلہ صادر فرما کر اس کی نیکیوں میں اسے بدلہ دلوائے۔

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْإِهْلَةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ وَلَيْسَ  
الْبِرُّ بِأَنْ تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ ظُهُورِهَا وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقَى  
وَأَتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۵۸﴾

لوگ تم سے چاند کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ تم کہو کہ یہ لوگوں کے وعدے کے وقتوں اور حج کے موسم کے لئے ہے (احرام کی حالت میں) گھروں کے پیچھے سے تمہارا آنا کچھ نیکی نہیں بلکہ نیکی والا وہ ہے جو تقویٰ ہو۔ گھروں میں تو دروازوں میں سے آیا کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ ○

چاند اور مہ وسال: ☆☆ (آیت: ۱۸۹) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے لوگوں نے چاند کے بارے میں سوال کیا جس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ اس سے قرض وغیرہ کے وعدوں کی معیاد معلوم ہو جاتی ہے، عورتوں کی عدت کا وقت معلوم ہوتا ہے، حج کا وقت معلوم ہوتا ہے، مسلمانوں کے روزے کے انظار کا تعلق بھی اسی سے ہے۔ مسند عبد الرزاق میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے چاند کو لوگوں کے وقت معلوم کرنے کے لئے بنایا ہے اسے دیکھ کر روزے رکھو اسے دیکھ کر عید مناؤ، اگر ایرو باران کی وجہ سے چاند نہ دیکھ سکو تو تیس دن پورے گن لیا کرو اس روایت کو حضرت امام حاکم نے صحیح کہا ہے یہ حدیث اور سندوں میں بھی مروی ہے۔ حضرت علیؓ سے ایک موقوف روایت میں بھی یہ مضمون وارد ہوا ہے۔ آگے چل کر ارشاد ہوتا ہے کہ بھلائی گھروں کے پیچھے سے آنے میں نہیں بلکہ بھلائی تقویٰ میں ہے۔ گھروں میں دروازوں سے آؤ، صحیح بخاری شریف میں ہے کہ جاہلیت کے زمانہ میں یہ دستور تھا کہ احرام میں ہوتے تو گھروں میں پشت کی جانب سے آتے جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ابوداؤد طیالسی میں بھی یہ روایت ہے۔ انصار کا عام دستور تھا کہ سفر سے جب واپس آتے تو گھر کے دروازے میں نہیں گھستے تھے۔ دراصل یہ بھی جاہلیت کے زمانہ میں قریشیوں نے اپنے لئے ایک اور امتیاز قائم کر لیا تھا کہ اپنا نام انہوں نے جس رکھا تھا۔ احرام کی حالت میں یہ تو براہ راست اپنے گھروں میں آ سکتے تھے لیکن باقی کے لوگ سیدھے راستے گھروں میں داخل نہیں ہو سکتے تھے۔ آنحضرت ﷺ ایک بارغ سے اس کے دروازے سے نکلے۔ آپ کے ایک انصار صحابی حضرت قطبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی آپ کے ساتھ ہی اسی دروازے سے نکلے۔ اس پر لوگوں نے حضرت سے کہا یا رسول اللہؐ۔ یہ تو ایک تجارت پیشہ شخص ہیں۔ یہ آپ کے ساتھ آپ کی طرح دروازے سے کیوں نکلے؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں نے تو حضور کو جس طرح کرتے دیکھا، کیا مانا کہ آپ محسوس میں سے ہیں لیکن میں بھی تو آپ کے دین پر ہی ہوں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی (ابن ابی حاتم) حضرت ابن عباسؓ وغیرہ سے بھی یہ روایت مروی ہے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جاہلیت کے زمانے میں بہت سی قوموں کا یہ رواج تھا کہ جب وہ سفر کے ارادے سے نکلتے، پھر سفر ادھورا چھوڑ کر اگر کسی وجہ سے واپس چلے آتے تو گھر کے دروازے سے گھر میں نہ آتے بلکہ پیچھے کی طرف سے چڑھ کر آتے جس سے اس آیت میں ردو کیا گیا۔ محمد بن کعبؓ فرماتے ہیں اعتکاف کی حالت میں بھی یہی دستور تھا جسے اسلام نے ختم کیا، عطاؒ فرماتے ہیں اہل مدینہ کا عیدوں میں بھی یہی دستور تھا جسے اسلام نے ختم کر دیا۔ پھر فرمایا اللہ تعالیٰ کے حکموں کو بجالانا اس کے منع کئے ہوئے کاموں سے رک جانا اس کا ڈر دل میں رکھنا یہ چیزیں ہیں جو دراصل اس دن کام آنے والی ہیں جس دن ہر شخص اللہ کے سامنے پیش ہوگا اور پوری پوری جزا سزا پائے گا۔

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ  
لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ﴿۵۹﴾ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ وَأَخْرِجُوهُمْ



مِّنْ حَيْثُ أَخْرَجُوكُمْ وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ وَلَا تُقَاتِلُوهُمْ  
عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّىٰ يَقْتُلُوكُمْ فِيهِ ۚ فَإِنْ قَتَلُوكُمْ  
فَاقْتُلُوهُمْ كَذَلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ ۚ فَإِنْ انْتَهَوْا فَإِنَّ  
اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۚ وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ  
الدِّينُ لِلَّهِ ۚ فَإِنْ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ إِلَّا عَلَى الظَّالِمِينَ ۚ

لڑو اللہ کی راہ میں ان سے جو تم سے لڑتے ہیں اور زیادتی نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔ انہیں مارو جہاں بھی پاؤ اور انہیں نکالو جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا (سنو) فتنہ قتل سے بھی زیادہ سخت ہے۔ مسجد حرام کے پاس ان سے لڑائی نہ کرو جب تک کہ یہ خود تم سے وہاں نہ لڑیں۔ اگر یہ تم سے لڑیں تو تم بھی انہیں مارو کافروں کا بدلہ یہی ہے ○ اگر یہ باز آجائیں تو اللہ تعالیٰ بھی بخشنے والا مہربان ہے ○ ان سے لڑو جب تک کہ فتنہ نہ مٹ جائے اور اللہ کا دین غالب نہ آجائے۔ اگر یہ رک جائیں (تو تم بھی رک جاؤ) زیادتی تو صرف ظالموں پر ہی ہے ○

عالم جہاد اور شرائط: ☆ ☆ (آیت: ۱۹۰-۱۹۳) حضرت ابو العالیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مدینہ شریف میں جہاد کا پہلا حکم یہی نازل ہوا ہے حضور علیہ السلام اس آیت کے حکم کی رو سے صرف ان لوگوں سے ہی لڑتے تھے جو آپ سے لڑیں۔ جو آپ سے نہ لڑیں خود ان سے لڑائی نہیں کرتے تھے یہاں تک کہ سورہ برات نازل ہوئی بلکہ عبدالرحمن بن زید بن اسلام رحمۃ اللہ علیہ تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ ہے اور تاریخ آیت فَاَقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ ہے یعنی جہاں کہیں مشرکین کو پاؤ انہیں قتل کرو لیکن اس بارہ میں اختلاف ہے اس لئے کہ اس سے تو مسلمانوں کو رغبت دلانا اور انہیں آمادہ کرنا ہے کہ اپنے ایسے دشمنوں سے کیوں جہاد نہ کرو جو تمہارے اور تمہارے دین کے کلمے دشمن ہیں۔ جیسے وہ تم سے لڑتے ہیں تم بھی ان سے لڑو جیسے اور جگہ فرمایا وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَآفَّةً یعنی مل جل کر مشرکوں سے جہاد کرو جس طرح وہ تم سے سب کے سب مل کر لڑائی کرتے ہیں چنانچہ اس آیت میں بھی فرمایا انہیں قتل کرو جہاں پاؤ اور انہیں وہاں سے نکالو جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا ہے مطلب یہ ہے کہ جس طرح ان کا قصد تمہارے قتل کا اور تمہیں جلا وطن کرنے کا ہے تمہارا بھی اس کے بدلے میں یہی قصد رہنا چاہئے۔ پھر فرمایا تجاوز کرنے والے کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا یعنی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرو ناک کان وغیرہ نہ کاٹو خیانت اور چوری نہ کرو عورتوں اور بچوں کو قتل نہ کرو ان بوڑھے بڑے لوگوں کو بھی نہ مارو جو نہ لڑنے کے لائق ہیں نہ لڑائی میں دخل دیتے ہیں درویشوں اور تارک دنیا لوگوں کو بھی قتل نہ کرو بلکہ بلا مصلحت جنگی نہ درخت کا ٹوٹ نہ حیوانوں کو ضائع کرو۔ حضرت ابن عباسؓ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ حضرت مقاتل بن حیان وغیرہ نے اس آیت کی تفسیر میں یہی فرمایا ہے صحیح مسلم شریف میں ہے رسول اللہ ﷺ مجاہدین کو فرمان دیا کرتے تھے کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرو۔ خیانت نہ کرو۔ بدعہدی سے بچو ناک کان وغیرہ اعضاء نہ کاٹو بچوں کو اور زہد لوگوں کو جو عبادت خانوں میں پڑے رہتے ہیں قتل نہ کرو مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے اللہ کا نام لے کر نکلو۔ اللہ کی راہ میں جہاد کرو کفار سے لڑو ظلم و زیادتی نہ کرو دھوکہ بازی نہ کرو۔ دشمن کے اعضاء بدن نہ کاٹو درویشوں کو قتل نہ کرو صحیحین میں ہے کہ ایک مرتبہ ایک غزوے میں ایک عورت قتل کی ہوئی پائی گئی۔ حضورؐ نے اسے بہت برا مانا اور عورتوں اور بچوں کے قتل کو منع فرمادیا مسند احمد میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے ایک تین پانچ سات نو گیارہ مثالیں دیں۔ ایک تو ظاہر کر دی۔ باقی چھوڑ دیں۔ فرمایا

کچھ لوگ کمزور اور مسکین تھے کہ ان پر زور آور مالدار دشمن چڑھ آیا اللہ تعالیٰ نے ان ضعیفوں کی مدد کی اور ان طاقتوروں پر انہیں غالب کر دیا۔ اب ان لوگوں نے ان پر ظلم و زیادتی شروع کر دی جس باعث اللہ تعالیٰ ان پر قیامت تک کے لئے ناراض ہو گیا یہ حدیث اسناداً صحیح ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب یہ کمزور قوم غالب آگئی تو انہوں نے ظلم و زیادتی شروع کر دی۔ فرمان باری تعالیٰ کا کوئی لحاظ نہ کیا۔ اس باعث پروردگار عالم ان پر ناراض ہو گیا۔ اس بارے میں احادیث اور آثار بکثرت ہیں جن سے صاف ظاہر ہے کہ ظلم و زیادتی اللہ کو ناپسند ہے اور ایسے لوگوں سے اللہ ناخوش رہتا ہے چونکہ جہاد کے احکام میں یہ ظاہر قتل و خون ہوتا ہے اس لئے یہ بھی فرما دیا کہ ادھر اگر قتل و خون ہے تو ادھر اللہ کے ساتھ شرک و کفر ہے اور اس مالک کی راہ سے اس کی مخلوق کو روکنا ہے اور یہ قتل سے بہت زیادہ سخت ہے ابو مالک فرماتے ہیں تمہاری یہ خطا کاریاں اور بدکاریاں قتل سے زیادہ زبوں تر ہیں۔

پھر فرمان جاری ہوتا ہے کہ بیت اللہ میں ان سے لڑائی نہ کرو جیسے صحیحین میں ہے کہ یہ شہر حرمت والا ہے۔ آسمان و زمین کی پیدائش کے زمانے سے لے کر قیامت تک باحرمت ہی ہے۔ صرف تھوڑے سے وقت کے لئے اللہ تعالیٰ نے میرے لئے اسے حلال کر دیا تھا لیکن وہ آج اس وقت بھی حرمت والا ہے اور قیامت تک اس کا یہ احترام اور بزرگی باقی رہے گی۔ اس کے درخت نہ کاٹے جائیں۔ اس کے کانٹے نہ اکھڑے جائیں۔ اگر کوئی شخص اس میں لڑائی کو جائز کہے اور میری جنگ کو دلیل میں لائے تو تم کہہ دینا اللہ تعالیٰ نے صرف اپنے رسول (ﷺ) کے لئے اجازت دی تھی لیکن تمہیں کوئی اجازت نہیں۔ آپ کے اس فرمان سے مراد فتح مکہ کا دن ہے جس دن آپ نے مکہ والوں سے جہاد کیا تھا اور مکہ کو فتح کیا تھا چند مشرکین مارے بھی گئے تھے۔ گو بعض علماء کرام یہ بھی فرماتے ہیں کہ مکہ صلح سے فتح ہوا۔ حضور نے صاف ارشاد فرمایا تھا کہ جو شخص اپنا دروازہ بند کر لے۔ وہ امن میں ہے۔ جو مسجد میں چلا جائے امن میں ہے۔ جو ابوسفیان کے گھر میں چلا جائے۔ وہ بھی امن میں ہے۔ پھر فرمایا کہ ہاں اگر وہ تم سے یہاں لڑائی شروع کر دیں تو تمہیں اجازت ہے کہ تم بھی یہیں ان سے لڑو تا کہ یہ ظلم دفع ہو سکے چنانچہ آنحضرت (ﷺ) نے حدیبیہ والے دن اپنے اصحاب سے لڑائی کی بیعت لی جبکہ قریشیوں نے ان کے ساتھیوں سے مل کر یورش کی تھی اور آپ نے درخت تلے اپنے اصحاب سے بیعت لی۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اس لڑائی کو دفع کر دیا چنانچہ اس نعمت کا بیان اس وقت میں ہے کہ وهو الذی کَفَّ اَیْدِیْہُمْ عَنْکُمْ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اگر یہ کفار حرم میں لڑائی بند کر دیں اور اس سے باز آ جائیں اور اسلام قبول کر لیں تو اللہ تعالیٰ ان کے گناہ معاف فرمادے گا گو انہوں نے مسلمانوں کو حرم میں قتل کیا ہو باری تعالیٰ ایسے بڑے گناہ کو بھی معاف فرمادے گا۔ پھر حکم ہوتا ہے کہ ان مشرکین سے جہاد جاری رکھو تا کہ یہ شرک کا فتنہ مٹ جائے اور اللہ تعالیٰ کا دین غالب اور بلند ہو جائے اور تمام دنیا پر ظاہر ہو جائے جیسے صحیحین میں حضرت موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) سے پوچھا گیا کہ ایک شخص اپنی بہادری جتانے کے لئے لڑتا ہے ایک شخص حمیت و غیرت قومی سے لڑتا ہے ایک شخص ریا کاری اور دکھاوے کے طور پر لڑتا ہے تو فرمائیے کہ ان میں سے کون شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والا ہے؟ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والا وہی ہے جو اس لئے لڑے کہ اللہ تعالیٰ کی بات بلند ہو۔ اس کے دین کا بول بالا ہو بخاری و مسلم کی ایک اور حدیث میں ہے مجھے حکم کیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جہاد کرتا رہوں یہاں تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کہیں ان کی جان و مال کا تحفظ میرے ذمہ ہوگا مگر اسلامی احکام اور ان کے باطنی حساب اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔ پھر فرمایا اگر یہ کفار شرک و کفر سے اور تمہیں قتل کرنے سے باز آ جائیں تو تم بھی ان سے رک جاؤ۔ اس کے بعد جو قتل کرے گا وہ ظالم ہوگا اور ظالموں کو ظلم کا بدلہ دینا ضروری ہے۔ یہی

معنی ہیں حضرت مجاہدؒ کے اس قول کے کہ جو لڑیں ان سے ہی لڑا جائے یا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ ان حرکات سے رک جائیں تو وہ ظلم یعنی شرک سے ہٹ گئے۔ پھر کوئی وجہ نہیں کہ ان سے جنگ وجدال ہو۔ یہاں لفظ عدوان جو کہ زیادتی کے معنی میں ہے وہ زیادتی کے مقابلہ میں زیادتی کے بدلے کے لئے ہے۔ حقیقتہً زیادتی نہیں جیسے فرمایا فَمَنْ اَعْتَدَىٰ عَلَیْكُمْ فَاَعْتَدُوا عَلَیْهِ بِمِثْلِ مَا اَعْتَدَىٰ عَلَیْكُمْ یعنی تم پر جو زیادتی کرے تم بھی اس پر اس جیسی زیادتی کر لو اور جگہ ہے جَزَاؤُ سَبِیْقَةِ سَبِیْقَةٍ مِّثْلُهَا یعنی برائی کا بدلہ اسی جیسی برائی ہے۔ اور جگہ فرمان ہے وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِہِ یعنی اگر تم سزا اور عذاب کرو تو اسی مثل سزا کرو جو تم کئے گئے ہو پس ان تینوں جگہوں میں زیادتی برائی اور سزا "بدلے" کے طور پر کہا گیا ہے ورنہ فی الواقع وہ زیادتی برائی اور سزا عذاب نہیں۔ حضرت عکرمہؒ اور حضرت قتادہؒ کا فرمان ہے اصلِ عالم وہی ہے جو لا الہ الا اللہ کو تسلیم کرنے سے انکار کرے۔

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو گھیر کر کہا کہ لوگ تو مرکٹ رہے ہیں آپ حضرت عمرؓ کے صاحبزادے ہیں۔ رسول اللہؐ کے صحابی ہیں۔ کیوں اس لڑائی میں شامل نہیں ہوتے؟ آپؐ نے فرمایا سنو اللہ تعالیٰ نے مسلمان بھائی کا خون حرام کر دیا ہے۔ انہوں نے کہا کیا جناب باری کا یہ فرمان نہیں کہ ان سے لڑو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے۔ آپؐ نے جواب دیا کہ ہم تو لڑتے رہے یہاں تک کہ فتنہ دب گیا اور اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین غالب آ گیا لیکن اب تم چاہتے ہو کہ تم لڑو تا کہ فتنہ پیدا ہو اور دوسرے مذاہب ابھر آئیں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ کسی نے آپؐ سے پوچھا کہ اے ابوعبدالرحمنؓ آپؐ نے اللہ کی راہ میں جہاد کرنا کیوں چھوڑ رکھا ہے اور یہ کیا اختیار کر رکھا ہے کہ حج پر حج کر رہے ہو۔ ہر دوسرے سال حج کو جایا کرتے ہو حالانکہ جہاد کے فضائل آپؐ سے مخفی نہیں۔ آپؐ نے فرمایا بھتیجے سنو اسلام کی بنائیں پانچ ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا پانچوں وقتوں کی نماز ادا کرنا رمضان کے روزے رکھنا زکوٰۃ دینا بیت اللہ شریف کا حج کرنا۔ اس نے کہا کیا قرآن پاک کا یہ حکم آپؐ نے نہیں سنا کہ ایمان والوں کی دو جماعتیں اگر آپس میں جھگڑیں تو تم ان میں صلح کرادو۔ اگر پھر بھی ایک گروہ دوسرے پر بغاوت کرے تو باغی گروہ سے لڑو یہاں تک کہ وہ پھر سے اللہ کا فرمانبردار بن جائے اور جگہ ارشاد ہے ان سے لڑو تا وقتیکہ یہ کہ فتنہ مٹ جائے۔ آپؐ نے فرمایا ہم نے حضور کے زمانہ میں اس کی تعمیل کر لی جبکہ اسلام کمزور تھا اور مسلمان تھوڑے تھے۔ جو اسلام قبول کرتا تھا اس پر فتنہ اُڑتا تھا یا تو قتل کر دیا جاتا یا سخت عذابوں میں پھنسا جاتا یہاں تک کہ یہ پاک دین پھیل گیا اور اس کے حلقہ بگوش بہ کثرت ہو گئے اور فتنہ برباد ہو گیا۔ اس نے کہا اچھا تو پھر فرمائیے کہ حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ کے بارے میں آپؐ کا کیا خیال ہے؟ فرمایا عثمانؓ کو تو اللہ تعالیٰ نے معاف فرمادیا گو تم اس معافی سے برا مناد اور علیؓ تو رسول اللہ ﷺ کے چچازاد بھائی اور آپؐ کے داماد تھے اور یہ دیکھو ان کا مکان یہ رہا جو تمہاری آنکھوں کے سامنے ہے۔

الشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمَتُ قِصَاصٌ فَمَنْ اَعْتَدَىٰ  
عَلَيْكُمْ فَاَعْتَدُوا عَلَیْهِ بِمِثْلِ مَا اَعْتَدَىٰ عَلَیْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ  
وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ

حرمت والے مہینے حرمت والے مہینوں کے بدلے ہیں اور حرمتیں ادا کرنے کے لئے ہیں۔ جو تم پر زیادتی کرے تم بھی اس پر اسی کے مثل زیادتی کرو جو تم پر کی ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ پر ہیز گاروں کے ساتھ ہے ۝

بیعت رضوان: ☆ ☆ (آیت: ۱۹۴) ذوالقعدہ سن ۶ ہجری میں رسول کریم ﷺ عمرے کے لئے صحابہ کرام سمیت مکہ کو تشریف لے چلے لیکن مشرکین نے آپ کو حدیبیہ والے میدان میں روک لیا بالاخر اس بات پر صلح ہوئی کہ آئندہ سال آپ عمرہ کریں اور اس سال واپس تشریف لے جائیں چونکہ ذی القعدہ کا مہینہ بھی حرمت والا مہینہ ہے اس لئے یہ آیت نازل ہوئی۔ مسند احمد میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ حرمت والے مہینوں میں جنگ نہیں کرتے تھے۔ ہاں اگر کوئی آپ پر چڑھائی کرے تو اور بات ہے بلکہ جنگ کرتے ہوئے اگر حرمت والے مہینے آجائے تو آپ لڑائی موقوف کر دیتے۔ حدیبیہ کے میدان میں بھی جب حضور علیہ السلام کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مشرکوں نے قتل کر دیا جو کہ حضور کا پیغام لے کر مکہ شریف میں گئے تھے تو آپ نے اپنے چودہ سو صحابہؓ سے ایک درخت تلے مشرکوں سے جہاد کرنے کی بیعت لی۔ پھر جب معلوم ہوا کہ یہ خبر غلط ہے تو آپ نے اپنا ارادہ ملتوی کر دیا اور صلح کی طرف مائل ہو گئے۔ پھر جو واقعہ ہوا۔ وہ ہوا اسی طرح آپ جبکہ ہوازن کی لڑائی سے حنین والے دن فارغ ہوئے اور مشرکین طائف میں جا کر قلعہ بند ہو گئے تو آپ نے اپنے اس کا محاصرہ کر لیا۔ چالیس دن تک یہ محاصرہ رہا۔ بالاخر کچھ صحابہؓ کی شہادت کے بعد محاصرہ اٹھا کر آپ مکہ کی طرف لوٹ گئے اور ہجرانہ سے آپ نے عمرے کا احرام باندھا۔ یہیں حنین کی غنیمتیں تقسیم کیں اور یہ عمرہ آپ کا ذوالقعدہ میں ہوا۔ یہ سن ۸ ہجری کا واقعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ پر درود و سلام بھیجے۔

پھر فرماتا ہے جو تم پر زیادتی کرے تم بھی اس پر اتنی ہی زیادتی کرو یعنی مشرکین سے بھی عدل کا خیال رکھو یہاں بھی زیادتی کے بدلے کو زیادتی سے تعبیر کرنا ویسا ہی ہے جیسے اور جگہ عذاب و سزا کے بدلے میں برائی کے لفظ سے بیان کیا گیا، حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں یہ آیت مکہ شریف میں اتری جہاں مسلمانوں میں کوئی شکوت و شان نہ تھی نہ جہاد کا حکم تھا۔ پھر یہ آیت مدینہ شریف میں جہاد کے حکم سے منسوخ ہو گئی، لیکن امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات کی تردید کی ہے اور فرماتے ہیں کہ یہ آیت مدنی ہے۔ عمرہ قضا کے بعد نازل ہوئی ہے۔ حضرت مجاہدؒ کا قول بھی یہی ہے۔ ارشاد ہے اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور پرہیزگاری اختیار کرو اور اسے جان لو کہ ایسے ہی لوگوں کے ساتھ دین و دنیا میں اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت رہتی ہے۔

**وَأَنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ وَأَحْسِنُوا**

**إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ**

اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کیا کرو اور اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو اور سلوک و احسان کرو اللہ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے ○

حق جہاد کیا ہے؟ ☆ ☆ (آیت: ۱۹۵) حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے بارے میں نازل ہوئی ہے (بخاری) اور بزرگوں نے بھی اس آیت کی تفسیر میں یہی بیان فرمایا ہے، حضرت ابو عمرانؓ فرماتے ہیں کہ مہاجرین میں سے ایک نے قسطنطنیہ کی جنگ میں کفار کے لشکر پر دلیرانہ حملہ کیا اور ان کی صفوں کو چیرنا ہوا ان میں گھس گیا تو بعض لوگ کہنے لگے کہ یہ دیکھو یہ اپنے ہاتھوں اپنی جان کو ہلاکت میں ڈال رہا ہے۔ حضرت ابو ایوبؓ نے یہ سن کر فرمایا اس آیت کا صحیح مطلب ہم خوب جانتے ہیں۔ سنو یہ آیت ہمارے ہی بارے میں نازل ہوئی ہے ہم نے حضورؐ کی محبت اٹھائی آپ کے ساتھ جنگ و جہاد میں شریک رہے۔ آپ کی مدد پر تے رہے یہاں تک کہ اسلام غالب ہوا اور مسلمان غالب آ گئے تو ہم انصار یوں نے ایک مرتبہ جمع ہو کر آپس میں مشورہ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی محبت کے ساتھ ہمیں مشرف فرمایا۔ ہم آپ کی خدمت میں لگے رہے۔ آپ کی ہر کابلی میں جہاد کرتے رہے۔ اب محمد اللہ

اسلام پھیل گیا۔ مسلمانوں کا غلبہ ہو گیا۔ لڑائی ختم ہو گئی۔ ان دنوں میں نہ ہم نے اپنی اولاد کی خبر گیری کی نہ مال کی دیکھ بھال کی نہ کھیتوں اور باغوں کا کچھ خیال کیا۔ پس اب ہمیں چاہئے کہ اپنے خانگی معاملات کی طرف توجہ کریں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ پس جہاد کو چھوڑ کر بال بچوں اور پیسہ تجارت میں مشغول ہو جانا یہ اپنے ہاتھوں اپنے تئیں ہلاک کرنا ہے (ابوداؤد ترمذی نسائی وغیرہ)

ایک اور روایت میں ہے کہ قسطنطنیہ کی لڑائی کے وقت مصریوں کے سردار حضرت عقبہ بن عامر تھے اور شامیوں کے سردار یزید بن فضالہ بن عبیدہ تھے حضرت برابن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک شخص نے پوچھا کہ اگر میں اکیلا تنہا دشمن کی صف میں گھس جاؤں اور وہاں گھر جاؤں اور قتل کر دیا جاؤں تو کیا اس آیت کے مطابق میں اپنی جان کو آپ ہی ہلاک کرنے والا بنوں گا؟ آپ نے جواب دیا۔ نہیں نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی سے فرماتا ہے فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا تَكْلِفُ اِلَّا نَفْسَكَ اے نبی اللہ کی راہ میں لڑنا رہ۔ تو اپنی جان کا ہی مالک ہے۔ اسی کو تکلیف دے یہ آیت تو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے رک جانے والوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے (ابن مردویہ وغیرہ) ترمذی کی ایک اور روایت میں اتنی زیادتی ہے کہ آدمی کا گناہوں پر گناہ کئے چلے جانا اور توبہ نہ کرنا یہ اپنے ہاتھوں اپنے تئیں ہلاک کرنا ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ مسلمانوں نے دمشق کا محاصرہ کیا اور از دشمن قبیلہ کا ایک آدمی جرات کر کے دشمنوں میں گھس گیا۔ ان کی صفیں چیرتا پھاڑتا اندر چلا گیا۔ لوگوں نے اسے برا جانا اور حضرت عمرو بن عاصؓ کے پاس یہ شکایت کی۔ چنانچہ حضرت عمروؓ نے انہیں بلالیا اور فرمایا قرآن میں ہے اپنی جانوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں لڑائی میں اس طرح کی بہادری کرنا اپنی جان کو بربادی میں ڈالنا نہیں بلکہ اللہ کی راہ میں مال خرچ نہ کرنا ہلاکت میں پڑنا ہے۔ حضرت شحاک بن ابوجحیرہؓ فرماتے ہیں کہ انصار اپنے مال اللہ کی راہ میں کھلے دل سے خرچ کرتے رہتے تھے لیکن ایک سال قحط سالی کے موقع پر انہوں نے وہ خرچ روک لیا جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ حضرت امام حسن بصریؒ فرماتے ہیں اس سے مراد بخل کرنا ہے۔

حضرت نعمان بن بشیرؓ فرماتے ہیں کہ گنہگار کا رحمت باری سے ناامید ہو جانا یہ ہلاک ہونا ہے اور حضرات مفسرین بھی فرماتے ہیں کہ گناہ ہو جائیں پھر بخشش سے ناامید ہو کر گناہوں میں مشغول ہو جانا اپنے ہاتھوں پر آپ ہلاک ہونا ہے۔ تہلکۃ سے مراد اللہ کا عذاب بھی بیان کیا گیا ہے۔ قرطبیؒ وغیرہ سے روایت ہے کہ لوگ حضورؐ کے ساتھ جہاد میں جاتے تھے اور اپنے ساتھ کچھ خرچ نہیں لے جاتے تھے۔ اب یا تو وہ بھوکوں مریں یا ان کا بوجھ دوسروں پر پڑے تو ان سے اس آیت میں فرمایا جاتا ہے کہ اللہ نے جو تمہیں دیا ہے اسے اس کی راہ کے کاموں میں لگاؤ اور اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو کہ بھوک پیاس سے یا پیدل چل چل کر مر جاؤ۔ اس کے ساتھ ہی ان لوگوں کو جن کے پاس کچھ ہے حکم ہو رہا ہے کہ تم احسان کرو تا کہ اللہ تمہیں دوست رکھے۔ نیکی کے ہر کام میں خرچ کیا کرو بالخصوص جہاد کے موقع پر اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے نہ روکو۔ یہ دراصل خود تمہاری ہلاکت ہے پس احسان اعلیٰ درجہ کی اطاعت ہے جس کا یہاں حکم ہو رہا ہے اور ساتھ ہی بیان ہو رہا ہے کہ احسان کرنے والے اللہ کے دوست ہیں۔

وَاتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ۚ فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ  
الْهَدْيِ وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ ۚ فَمَنْ  
كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِّن رَّأْسِهِ فَفِدْيَةٌ مِّن صِيَامٍ

أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسْكَ فَإِذَا أَمِنْتُمْ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ  
فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ  
وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ عَشْرَةٌ كَامِلَةٌ ذَلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ  
أَهْلَهُ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ  
الْعِقَابِ

جج اور عمرے کو اللہ تعالیٰ کے لئے پورا کر ڈا کر تم روک لئے جاؤ تو جو قربانی میسر ہو اسے کر ڈا لو اور اپنے سر نہ منڈواؤ جب تک قربانی قربانی گاہ تک نہ پہنچ جائے ہاں تم میں سے جو بیمار ہو یا اس کے سر میں کوئی تکلیف ہو تو اس پر فدیہ ہے خواہ روزے رکھ لے خواہ صدقہ دے دے خواہ قربانی کر لئے ہاں اس کی حالت میں جو شخص عمرے سے لے کر حج تک تمتع کرے وہ جو قربانی میسر ہو اسے کر ڈالے۔ جسے طاقت ہی نہ ہو وہ تین روزے تو حج کے دنوں میں رکھ لے اور سات واپسی میں یہ پورے دس ہو گئے۔ یہ حکم ان کے لئے ہے جو مسجد حرام کے رہنے والے نہ ہوں۔ لوگو اللہ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ سخت عذابوں والا ہے ○

جج اور عمرہ کے مسائل: ☆ ☆ (آیت: ۱۹۶) اوپر چونکہ روزوں کا ذکر ہوا تھا پھر جہاد کا بیان ہوا اب حج کا تذکرہ ہو رہا ہے اور حکم ہوتا ہے کہ حج اور عمرے کو پورا کر ڈا ظاہر الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ حج اور عمرے کو شروع کرنے کے بعد پورا کرنا چاہئے تمام علماء اس پر متفق ہیں کہ حج و عمرے کو شروع کرنے کے بعد ان کا پورا کرنا لازم ہے۔ گو عمرے کی واجب ہونے اور مستحب ہونے میں علماء کے دو قول ہیں جنہیں ہم نے پوری طرح کتاب الاحکام میں بیان کر دیا ہے فلله الحمد والمنة حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ پورا کرنا یہ ہے کہ تم اپنے گھر سے احرام باندھو۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان کا تمام کرنے کا مقصد یہ ہے کہ تم اپنے گھر سے احرام باندھو۔ تمہارا سفر صرف حج و عمرے کی غرض سے ہو میقات پہنچ کر بلیک پکارنا شروع کر دو۔ تمہارا ارادہ تجارت یعنی کسی اور دنیوی غرض کا نہ ہو کہ نکلے تو اپنے کام کو اور مکہ کے قریب پہنچ کر خیال آ گیا کہ آؤ حج و عمرہ بھی کرنا چلوں۔ گو اس طرح بھی حج و عمرہ ادا ہو جائے گا لیکن یہ پورا کرنا نہیں پورا کرنا یہ ہے کہ صرف اسی ارادے سے گھر سے نکلو۔ حضرت کھول فرماتے ہیں کہ ان کا پورا کرنا یہ ہے کہ انہیں میقات سے شروع کرے حضرت عمرؓ فرماتے ہیں۔ ان کا پورا کرنا یہ ہے کہ ان دونوں کو الگ الگ ادا کرے اور عمرے کو حج کے مہینوں میں نہ کرے۔ اس لئے کہ قرآن شریف میں ہے الْحَجُّ أَشْهُرٌ مَّعْلُومَاتٌ حج کے مہینے مقرر ہیں۔ قاسم بن محمدؒ فرماتے ہیں کہ حج کے مہینوں میں عمرہ کرنا پورا ہونا نہیں ان سے پوچھا گیا کہ محرم میں عمرہ کرنا کیسا ہے؟ کہا لوگ اسے تو پورا کہتے تھے لیکن اس قول میں شبہ ہے۔ اس لئے کہ یہ ثابت شدہ امر ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے چار عمرے کئے اور چاروں ذوالقعدہ میں کئے۔ ایک سن ۶ ہجری میں ذوالقعدہ کے مہینے میں دوسرا ذوالقعدہ سن ۷ ہجری میں عمر القضاء تیسرا ذوالقعدہ سن ۸ ہجری میں عمرہ الحھر انہ چوتھا ذوالقعدہ سن ۱۰ ہجری میں حج کے ساتھ ان عمروں کے سوا ہجرت کے بعد آپ کا اور کوئی عمرہ نہیں ہوا۔ ہاں آپ نے ام ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا تھا کہ رمضان میں عمرہ کرنا میرے ساتھ حج کرنے کے برابر ہے یہ آپ نے اس لئے فرمایا تھا کہ ان ام ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ کے ساتھ حج کے لئے جانے کا ارادہ کر لیا تھا لیکن سواری کی وجہ سے ساتھ نہ جا سکیں جیسے کہ بخاری شریف میں یہ واقعہ منقول ہے۔ حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ تو صاف فرماتے ہیں کہ یہ ام ہانی کے لئے ہی مخصوص ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حج و عمرے کا احرام باندھنے کے بعد بغیر پورا کئے چھوڑنا جائز نہیں، حج اس وقت پورا ہوتا ہے جبکہ قربانی والے دن جمرہ عقبہ کو نکل کر مار لے اور بیت اللہ کا طواف کر لے اور صفا و مروہ کے درمیان دوڑ لے اب حج ادا ہو گیا، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں حج عرفات کا نام ہے اور عمرہ طواف ہے، حضرت عبداللہؓ کی قرأت یہ ہے واتموا الحج والعمرة الى البيت عمرہ بیت اللہ تک جاتے ہی پورا ہو گیا، حضرت سعید بن جبیرؓ سے جب یہ ذکر ہوا تو آپؐ نے فرمایا، حضرت ابن عباسؓ کی قرأت بھی یہی تھی، حضرت علقمہؓ بھی یہی فرماتے ہیں، ابراہیمؑ سے مروی ہے واقیموا الحج والعمرة الى البيت حضرت شعیبؓ کی قرأت میں والعمرة ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔ عمرہ واجب نہیں۔ گو اس کے خلاف بھی ان سے مروی ہے، بہت سی احادیث میں بہت سی سندوں کے ساتھ حضرت انسؓ اور صحابہؓ کی ایک جماعت سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حج و عمرے دونوں کو جمع کیا، اور صحیح حدیث میں ہے کہ آپؐ نے اپنے اصحابؓ سے فرمایا، جس کے ساتھ قربانی کا جانور ہے وہ حج و عمرے کا ایک ساتھ احرام باندھے، ایک اور حدیث میں ہے عمرہ حج میں قیامت تک کے لئے داخل ہو گیا۔ ابو محمد بن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں ایک روایت وارد کی ہے کہ ایک شخص آنحضرت ﷺ کے پاس آیا اور زعفران کی خوشبو سے مہک رہا تھا۔ اس نے پوچھا۔ یا رسول اللہؐ میرے احرام کے بارے میں کیا حکم ہے۔ اس پر یہ آیت اتری۔ حضورؐ نے پوچھا۔ وہ سائل کہاں ہے؟ اس نے کہا، یا رسول اللہؐ میں موجود ہوں، فرمایا اپنے زعفرانی کپڑے اتار ڈال اور خوبل کر غسل کر لو اور جو اپنے حج میں کرتا ہے وہی عمرے میں بھی کر، یہ حدیث غریب ہے اور یہ سیاق عجیب ہے۔ بعض روایتوں میں غسل کا در اس آیت کے نازل ہونے کا ذکر نہیں۔ ایک روایت میں اس کا نام یعلیٰ بن امیہؓ آیا ہے۔ دوسری روایت میں صفوان بن امیہؓ ہے۔ واللہ اعلم۔ پھر فرمایا، اگر تم گھیر لئے جاؤ تو جو قربانی میسر ہو، کر ڈالو۔ مفسرین نے ذکر کیا کہ یہ آیت سن ۶ ہجری میں حدیبیہ کے میدان میں اتری جبکہ مشرکین نے رسول اللہ ﷺ کو مکہ جانے سے روکا تھا اور اسی بارے میں پوری سورہ فتح اتری اور حضورؐ کے صحابہؓ کو رخصت ملی کہ وہ اپنی قربانیوں کو وہیں ذبح کر ڈالیں چنانچہ ستر اونٹ ذبح کئے گئے، سرمنڈوائے گئے اور احرام کھول دیئے گئے۔ اول مرتبہ حضورؐ کے فرمان کو سن کر لوگ ذرا جھجکے اور انہیں انتظار تھا کہ شاید کوئی ناخ حکم اترے یہاں تک کہ خود آپؐ باہر آئے اور اپنا سرمنڈوایا۔ پھر سب لوگ آمادہ ہو گئے۔ بعض نے سر منڈوایا۔ بعض نے کچھ بال کتروائے جس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ سرمنڈوانے والوں پر رحم کرے۔ لوگوں نے کہا حضورؐ بال کتروانے والوں کے لئے بھی دعا کیجئے۔ آپؐ نے پھر سرمنڈوانے والوں کے لئے بھی دعا کی، تیسری مرتبہ کتروانے والوں کے لئے بھی دعا کر دی، سات سات شخص ایک ایک اونٹ میں شریک تھے۔ صحابہؓ کی کل تعداد چودہ تھی، حدیبیہ کے میدان میں ٹھہرے ہوئے تھے جو حد حرم سے باہر تھا۔ گو یہ بھی مروی ہے کہ حد حرم کے کنارے پر تھے۔ واللہ اعلم۔

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ حکم صرف ان لوگوں کے لئے ہی ہے جنہیں دشمن گھیرے یا کسی بیماری وغیرہ سے بھی کوئی مجبور ہو جائے تو اس کے لئے بھی رخصت ہے کہ وہ اسی جگہ احرام کھول ڈالے اور سرمنڈو لے اور قربانی کر دے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو صرف پہلی قسم کے لوگوں کے لئے ہی بتاتے ہیں۔ ابن عمرؓ طو اس زہری اور زید بن اسلمؓ بھی یہی فرماتے ہیں لیکن مسند احمد کی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ جس شخص کا ہاتھ پاؤں ٹوٹ جائے یا بیمار ہو جائے یا لنگڑا لولا ہو جائے تو وہ حلال ہو گیا۔ وہ اگلے سال حج کر لے۔ راوی حدیث کہتا ہے کہ میں نے اسے ابن عباسؓ اور ابو ہریرہؓ سے ذکر کیا۔ انہوں نے بھی فرمایا۔ سچ ہے۔ سنن اربعہ میں بھی یہ حدیث ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ، ابن زبیرؓ، علقمہؓ، سعید بن مسیبؓ، عروہ بن زبیرؓ، مجاہدؓ، خثعمیؓ، عطاءؓ، مقاتل بن حیانؓ سے بھی یہی مروی ہے کہ بیمار ہو جانا اور لنگڑا لولا ہو جانا بھی ایسا ہی عذر ہے۔ حضرت سفیان ثوریؓ ہر مصیبت و ایذا کو ایسا ہی عذر بتاتے ہیں، صحیحین کی ایک حدیث میں ہے

کہ حضرت زبیر بن عبد المطلب کی صاحبزادی ضباعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رسول اللہ ﷺ سے دریافت کرتی ہیں کہ حضور میرا ارادہ حج کا ہے لیکن میں بیمار رہتی ہوں۔ آپؐ نے فرمایا۔ حج کو چلی جاؤ اور شرط کر لو کہ میرے احرام سے فارغ ہونے کی وہی جگہ ہوگی جہاں میں مرض کی وجہ سے رک جاؤں اسی حدیث کی بنا پر بعض علماء کرام کا فتویٰ ہے کہ حج میں شرط کرنا ناجائز ہے امام شافعیؒ بھی فرماتے ہیں کہ اگر یہ حدیث صحیح ہو تو میرا قول بھی یہی ہے حضرت امام تہجدیؒ فرماتے ہیں۔ یہ حدیث بالکل صحیح ہے۔

پس امام صاحبؒ کا مذہب بھی یہی ہوا۔ فالحمد للہ۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ جو قربانی میسر ہو اسے قربان کر دے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں یعنی ایک بکری ذبح کر دے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں اونٹ ہو گاے ہو بکری ہو بھیڑ ہو ان کے زہوں ان آٹھوں قسموں میں سے جسے چاہے ذبح کرے ابن عباسؓ سے صرف بکری بھی مروی ہے۔ اور بھی بہت سے مفسرین نے یہی فرمایا اور چاروں اماموں کا بھی یہی مذہب ہے۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت ابن عمرؓ وغیرہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد صرف اونٹ اور گاے ہی ہے غالباً ان کی دلیل حدیبیہ والا واقعہ ہوگا۔ اس میں کسی صحابیؓ سے بکری کا ذبح کرنا منقول نہیں۔ گاے اور اونٹ ہی ان بزرگوں نے قربان کئے ہیں صحیحین میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ہمیں اللہ کے نبیؐ نے حکم دیا کہ ہم سات سات آدمی گاے اور اونٹ میں شریک ہو جائیں حضرت ابن عباسؓ سے یہ بھی منقول ہے کہ جس جانور کے ذبح کرنے کی وسعت ہو اسے ذبح کر ڈالے۔ اگر مالدار ہے تو اونٹ اس سے کم حیثیت والا ہے تو گاے ورنہ پھر بکری حضرت عروہؓ فرماتے ہیں مہنگے ستے داموں پر موقوف ہے۔ جمہور کے اس قول کی کہ بکری کافی ہے یہ دلیل ہے کہ قرآن نے میسر آسان ہونے کا ذکر فرمایا ہے یعنی کم سے کم وہ چیز جس پر قربانی کا اطلاق ہو سکے اور قربانی کے جانور اونٹ گاے بکریاں اور بھیڑیں ہیں جیسے حمر البحر ترجمان قرآن رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد بھائی حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ہے صحیحین کی ایک حدیث میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے ایک مرتبہ بکری کی قربانی کی۔

پھر فرمایا جب تک قربانی اپنی جگہ پر نہ پہنچ لے تم اپنے سروں کو نہ منڈاؤ اس کا عطف و اَنُتَمُوا الْحَجَّ الخ پر ہے فَإِنْ أُخْصِرْتُمْ پر نہیں۔ امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ سے یہاں سہو ہو گیا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ اور آپ کے ساتھیوں نے حدیبیہ والے سال جبکہ مشرکین رکاوٹ بن گئے تھے اور آپ کو حرم میں نہ جانے دیا تو حرم سے باہر ہی سب نے سر بھی منڈوائے اور قربانیاں بھی کر دیں لیکن امن کی حالت میں جبکہ حرم میں پہنچ سکتے ہوں تو جائز نہیں جب تک کہ قربانی اپنی جگہ پر نہ پہنچ جائے اور حاجی حج و عمرے کے جملہ احکام سے فارغ نہ ہو لے۔ اگر وہ حج و عمرے کا ایک ساتھ احرام باندھے ہوئے ہو تو ان میں سے ایک کو کرنے والے ہو تو خواہ اس نے صرف حج کا احرام باندھا ہو خواہ تمتع کی نیت کی ہو بخاری مسلم میں ہے کہ حضرت ام المؤمنین حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ سب نے تو احرام کھول ڈالے لیکن آپؐ تو احرام میں ہی ہیں۔ آپؐ نے فرمایا ہاں میں نے اپنا سر منڈوا لیا ہے اور اپنی قربانی کے جانور کے گلے میں علامت ڈال دی ہے۔ جب تک یہ ذبح نہ ہو جائے میں احرام نہیں اتار سکتا۔

پھر حکم ہوتا ہے کہ بیمار اور سر کی تکلیف والا شخص فدیہ دے دے۔ صحیح بخاری شریف میں ہے عبد اللہ بن معقل کہتے ہیں کہ میں کوفہ کی مسجد میں حضرت کعب بن عجرہؓ کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے ان سے اس آیت کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے جواب میں کہا کہ مجھے لوگ اٹھا کر حضورؐ کے پاس لے گئے۔ جوئیں میرے منہ پر چل رہی تھیں۔ آپؐ نے مجھے دیکھ کر فرمایا تمہاری حالت یہاں تک پہنچ گئی ہوگی میں خیال بھی نہیں کر سکتا۔ کیا تمہیں اتنی طاقت نہیں کہ ایک بکری ہی ذبح کر ڈالو؟ میں نے کہا حضورؐ میں تو مفلس آدمی ہوں۔ آپؐ نے فرمایا



جاؤ۔ اپنا سرمند وادو اور تین روزے رکھ لیتا یا چھ مسکینوں کو آدھا آدھا ساع (تقریباً سو اسیر سو اچھٹا تک) اناج دے دینا۔ یہ آیت میرے بارے میں اتری ہے اور حکم کے اعتبار سے ہر ایک ایسے معذور شخص کو شامل ہے ایک اور روایت میں ہے کہ ہنڈیا تلے آگ سلگا رہا تھا کہ حضور نے میری یہ حالت دیکھ کر مجھے یہ مسئلہ بتایا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ یہ واقعہ حدیبیہ کا ہے اور میرے سر پر بڑے بڑے بال تھے جن میں بکثرت جوئیں ہو گئی تھیں۔ ابن مردویہ کی روایت میں ہے کہ پھر میں نے سرمند وادیا اور ایک بکری ذبح کر دی۔ ایک اور حدیث میں ہے نسک یعنی قربانی ایک بکری ہے اور روزے اگر رکھے تو تین رکے۔ اگر صدقہ دے تو ایک فرق (بیانہ) چھ مسکینوں کے درمیان تقسیم کر دینا ہے حضرت علیؓ محمد بن کعبؓ علقمہ ابراہیمؓ مجاہدؓ عطاءؓ سدی اور ربیعؓ بن انسؓ رحمہم اللہ کا بھی یہی فتویٰ ہے ابن ابی حاتم کی حدیث میں ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تینوں مسئلے بتلا کر فرما دیا تھا کہ اس میں سے جس پر تم چاہو عمل کرو کافی ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جہاں دو تین صورتیں لفظ ”او“ کے ساتھ بیان ہوئی ہوں وہاں اختیار ہوتا ہے جسے چاہے کر لے۔

حضرت مجاہدؓ عکرمہؓ عطاءؓ طاؤسؓ حسنؓ حمیدؓ اعرجؓ ابراہیمؓ نفعیؓ اور ضحاکؓ رحمہم اللہ سے بھی یہی مروی ہے۔ چاروں اماموں اور اکثر علماء کا بھی یہی مذہب ہے کہ اگر چاہے روزے رکھ لے اگر چاہے صدقہ کر دے اگر چاہے قربانی کر لے روزے تین ہیں۔ صدقہ ایک فرق یعنی تین صاع یعنی آٹھ سیر میں آدھی چھٹا تک کم ہے۔ چھ مسکینوں پر تقسیم کر دے اور قربانی ایک بکری کی ہے۔ ان تینوں صورتوں میں سے جو چاہے کر لے پروردگار رحمن و رحیم کو چونکہ یہاں رخصت دینی تھی اس لئے سب سے پہلے روزے بیان فرمائے جو سب سے آسان صورت ہے پھر صدقہ کا ذکر کیا پھر قربانی کا اور حضور علیہ السلام کو چونکہ افضلیت پر عمل کرانا تھا اس لئے پہلے بکری کی قربانی کا ذکر کیا پھر چھ مسکینوں کو کھلانے کا پھر تین روزے رکھنے کا سبحان اللہ دونوں مقام کے اعتبار سے دونوں ترکیبیں کس قدر درست اور مجمل ہیں۔ فالحمد للہ۔

سعید بن جبیرؓ سے اس آیت کا مطلب پوچھا جاتا ہے تو فرماتے ہیں کہ غلہ کا حکم لگایا جائے گا۔ اگر اس کے پاس ہے تو ایک بکری خرید لے ورنہ بکری کی قیمت درہموں سے لگائی جائے اور اس کا غلہ خریداجائے اور صدقہ کر دیا جائے ورنہ ہر آدھے صاع کے بدلے ایک روزہ رکھے حضرت حسنؓ فرماتے ہیں جب محرم کے سر میں تکلیف ہو تو بال مند وادے اور ان تین میں سے ایک فدیہ ادا کر دے۔ روزے دس ہیں صدقہ دس مسکینوں پر تقسیم کرنا پڑے گا۔ ہر مسکین کو ایک مکوک کھجور اور ایک مکوک گیہوں اور قربانی میں بکری۔ حسنؓ اور عکرمہؓ بھی دس مسکینوں کا کھانا بتلاتے ہیں لیکن یہ اقوال ٹھیک نہیں۔ اس لئے کہ مرفوع حدیث میں آچکا ہے کہ روزے تین ہیں اور چھ مسکینوں کا کھانا ہے اور ان تینوں صورتوں میں اختیار ہے۔ قربانی کی بکری کر دے خواہ تین روزے رکھ لے خواہ چھ فقیروں کو کھانا کھلا دے ہاں یہ ترتیب احرام کی حالت میں شکار کرنے والے پر ہے جیسے کہ قرآن کریم کے الفاظ ہیں اور فقہاء کا اجماع ہے لیکن یہاں ترتیب ضروری نہیں اختیار ہے طاؤسؓ فرماتے ہیں یہ قربانی اور یہ صدقہ مکہ میں ہی کرے لیکن روزے جہاں چاہے رکھ لے۔

ایک اور روایت میں ہے ابو اسماءؓ جو ابن جعفر کے مولیٰ ہیں فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ حج کو نکلے۔ آپؐ کے ساتھ حضرت علیؓ اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی تھے۔ میں ابو جعفر کے ساتھ تھا۔ ہم نے دیکھا کہ ایک شخص سویا ہوا ہے اور اس کی اونٹنی اس کے سر ہانے بندھی ہوئی ہے۔ میں نے اسے جگایا۔ دیکھا تو وہ حضرت حسینؓ تھے۔ ابن جعفر انہیں لے کر چلے یہاں تک کہ ہم سقیا میں پہنچے۔ وہاں بیس دن تک ہم ان کی تیمارداری میں رہے۔ ایک مرتبہ حضرت علیؓ نے پوچھا کیا حال ہے؟ جناب حسینؓ نے اپنے سر کی طرف اشارہ کیا۔ آپ نے حکم دیا کہ سرمند والو۔ پھر اونٹ منگوا کر ذبح کر دیا تو اگر اس اونٹ کا نحر کرنا احرام سے حلال ہونے کے لئے تھا تو خیر اور اگر یہ فدیہ کے لئے تھا تو ظاہر ہے کہ مکہ کے باہر یہ قربانی ہوئی۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ تمتع والا شخص بھی قربانی کرے خواہ حج و عمرے کا ایک ساتھ

احرام باندھا ہو یا پہلے عمرے کا احرام باندھا ہو یا اس سے فارغ ہو کر حج کا احرام باندھا ہو اصل تمتع یہی ہے اور فقہاء کے کلام میں بھی مشہور یہی ہے اور عام تمتع ان دونوں قسموں کو شامل ہے جیسے کہ اس پر صحیح حدیثیں دلالت کرتی ہیں۔ بعض راوی تو کہتے ہیں کہ حضورؐ نے خود حج تمتع کیا تھا۔ بعض کہتے ہیں آپؐ قارن تھے اور اتنا سب کہتے ہیں کہ قربانی کے جانور آپؐ کے ساتھ تھے پس آیت میں یہ حکم ہے کہ تمتع کرنے والا جس قربانی پر قادر ہو وہ کر ڈالے جس کا ادنیٰ درجہ ایک بکری کو قربان کرنا ہے۔ گو گائے کی قربانی بھی کر سکتا ہے چنانچہ حضورؐ نے اپنی بیویوں کی طرف سے گائے کی قربانی کی تھی جو سب کی سب تمتع والی تھیں (ابن مردودہ)

اس سے ثابت ہوا کہ تمتع بھی مشروع ہے عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ تمتع کی آیت بھی قرآن میں نازل ہو چکی ہے اور ہم نے خود آنحضرت ﷺ کے ساتھ تمتع کیا۔ پھر نہ تو قرآن میں اس کی ممانعت نازل ہوئی نہ حضورؐ نے اس سے روکا لیکن لوگوں نے اپنی رائے سے اسے ممنوع قرار دیا، امام بخاریؒ فرماتے ہیں اس سے مراد غالباً حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ حضرت امام احمد شہن کی یہ بات بالکل صحیح ہے حضرت عمرؓ سے منقول ہے کہ وہ لوگوں کو اس سے روکتے تھے اور فرماتے تھے کہ اگر ہم کتاب اللہ کو لیں تو اس میں بھی حج و عمرے کے پورا کرنے کا حکم موجود ہے۔ **وَاتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ** لیکن یہ یاد رہے کہ لوگ بکثرت بیت اللہ شریف کا قصد حج و عمرے کے ارادے سے کریں جیسے کہ آپؐ سے صراحٹاً مروی ہے۔ پھر فرمایا جنھیں قربانی نہ کر سکے وہ تین روزے حج میں رکھ لے اور سات روزے اس وقت رکھ لے جب حج سے لوٹے۔ یہ پورے دس ہو جائیں گے یعنی قربانی کی طاقت جسے نہ ہو وہ روزے رکھ لے تین تو ایام حج میں اور بقیہ بعد میں علماء کا فرمان ہے کہ اولیٰ یہ ہے کہ یہ روزے عرفے سے پہلے پہلے ذی الحج کے دنوں میں رکھ لے حضرت عطاءؒ کا قول یہی ہے یا احرام باندھتے ہی رکھ لے۔ حضرت ابن عباسؓ وغیرہ کا قول یہی ہے کیونکہ فی الحج کا نطق ہے۔ حضرت طاووسؓ مجاہدؒ وغیرہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ اول شوال میں بھی یہ روزے جائز ہیں حضرت معمرؓ وغیرہ فرماتے ہیں ان روزوں کو اگر عرفہ کے دن کا روزہ شامل کر کے ختم کرے تو بھی اختیار ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی یہ منقول ہے کہ اگر عرفے سے پہلے دو دنوں میں دو روزے رکھ لے اور تیسرا عرفہ کے دن ہو تو بھی جائز ہے حضرت ابن عمرؓ بھی فرماتے ہیں ایک روزہ یوم الترویہ سے پہلے ایک یوم الترویہ کا ایک عرفہ کا حضرت علیؓ کا فرمان بھی یہی ہے۔ اگر کسی شخص سے یہ تینوں روزے یا ایک دو چھوٹ گئے ہوں اور ایام تشریق یعنی بقرہ عید کے بعد کے تین دن آجائیں تو حضرت عائشہؓ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا فرمان ہے کہ وہ ان دنوں میں بھی یہ روزے رکھ سکتا ہے۔ (بخاری) امام شافعیؒ کا بھی پہلا قول یہی ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بھی یہ مروی ہے حضرت عکرمہؒ حسن بصریؒ اور عروہ بن زبیر رحمہم اللہ سے بھی شامل ہے۔

حضرت امام شافعیؒ کا نیا قول یہ ہے کہ ان دنوں میں یہ روزے ناجائز ہیں کیونکہ صحیح مسلم شریف میں حدیث ہے کہ ایام تشریق کھانے پینے اور اللہ کا ذکر کرنے کے دن ہیں۔ پھر سات روزے لوٹنے کے وقت۔ اس سے مراد یا تو یہ ہے کہ جب لوٹ کر اپنی قیام گاہ پہنچ جاؤ۔ پس لوٹنے وقت راستہ میں بھی یہ سات روزے رکھ سکتا ہے۔ مجاہدؒ اور عطاءؒ بھی کہتے ہیں یا مراد وطن میں پہنچ جانے سے ہے۔ ابن عمرؓ بھی فرماتے ہیں۔ اور بھی بہت سے تابعین کا یہی مذہب ہے بلکہ ابن جریرؒ تو اس پر اجماع بتاتے ہیں بخاری شریف کی ایک مطول حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے حجۃ الوداع میں عمرے کا حج کے ساتھ تمتع کیا اور قربانی دی ذوالحلیفہ سے آپؐ نے قربانی ساتھ لے لی تھی۔ عمرے کے پھر حج کی تہلیل کی۔ لوگوں نے بھی آپؐ کے ساتھ تمتع کیا۔ بعض لوگوں نے تو قربانی ساتھ ہی رکھ لی تھی۔

بعض کے ساتھ قربانی کے جانور نہ تھے۔ مکہ شریف پہنچ کر آپؐ نے فرمایا کہ جس کے ساتھ قربانی ہے وہ حج ختم ہونے تک احرام میں رہے اور جس کے ساتھ قربانی نہیں وہ بیت اللہ شریف کا طواف کر کے صفا و مردہ کے درمیان دوڑ کر احرام کھول ڈالے سر کے بال منڈوا لے یا

کتر والے۔ پھر حج کا احرام باندھے۔ اگر قربانی کی طاقت نہ ہو تو تین روزے تو حج میں رکھ لے اور سات روزے جب اپنے وطن پہنچے تب رکھ لے (بخاری مسلم) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ سات روزے وطن میں جانے کے بعد ہیں۔ پھر فرمایا یہ پورے دس ہیں۔ یہ فرمان تاکید کے لئے ہے جیسے عربوں میں کہا جاتا ہے میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ کانوں سے سنا۔ ہاتھ سے لکھا اور قرآن میں بھی ہے وَلَا طَیْرٌ یَّطِیْرُ بِحَنَاحَیْهِ نَکُوْنُ پَرْنَد جواپنے دونوں پروں سے اڑتا ہو اور جگہ ہے وَلَا تَخْطُ بِیَمِیْنِکَ تَوَاطُّعًا میں ہاتھ سے لکھنا نہیں اور جگہ ہے ”ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو تیس راتوں کا وعدہ دیا اور دس اور اس کے ساتھ پوری اور اس کے رب کا وقت مقررہ چالیس راتوں کو پورا ہوا“ پس جیسے ان سب جگہوں میں صرف تاکید ہے ایسے ہی یہ جملہ بھی تاکید کے لئے ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ حکم ہے تمام وکمال کرنے کا اور کاملہ کا مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ یہ قربانی کے بدلے کافی ہیں۔ اس کے بعد فرمایا گیا ہے ”یُحْمِمْ اِنَّ لَوْکُمْ لَکَانَ لَکُمْ کَافٍ“ اس کے لئے ہے جن کے گھر والے مسجد حرام کے رہنے والے نہ ہوں۔ اس پر تو اجتماع ہے کہ حرم والے تمتع نہیں کر سکتے۔

حضرت ابن عباسؓ بھی فرماتے ہیں بلکہ آپ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا اے مکہ والو تم تمتع نہیں کر سکتے۔ باہر والوں کے لئے تمتع ہے۔ تم کو تو ذرا سی دور جانا پڑتا ہے۔ تھوڑا سا فاصلہ طے کیا۔ پھر عمرے کا احرام باندھ لیا۔ حضرت طاؤسؓ کی تفسیر بھی یہی ہے لیکن حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میقات یعنی احرام باندھنے کے مقامات کے اندر ہوں وہ بھی اسی حکم میں ہیں۔ ان کے لئے بھی تمتع کرنا جائز نہیں، مکحول بھی یہی فرماتے ہیں تو عرفات والوں کا، مزدلفہ والوں کا، عرفہ اور رجب کے رہنے والوں کا بھی یہی حکم ہے زہریؒ فرماتے ہیں مکہ شریف سے ایک دن کی راہ کے فاصلہ پر ہوا اس کے قریب وہ تو تمتع کر سکتا ہے۔ اور لوگ نہیں کر سکتے، حضرت عطاءؒ دو دن بھی فرماتے ہیں امام شافعیؒ کا مذہب یہ ہے کہ اہل حرم اور جو اتنے فاصلے پر ہوں کہ وہاں کئی لوگوں کے لئے نماز قصر کرنا جائز نہ ہو ان سب کے لئے یہی حکم ہے۔ اس لئے کہ یہ سب حاضر کہے جائیں گے۔ ان کے علاوہ سب مسافر اور ان سب کے لئے حج میں تمتع کرنا جائز ہے۔ واللہ اعلم۔ پھر فرمایا۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ اس کے احکام بجالاؤ۔ جن کاموں سے اس نے منع کیا ہے رک جاؤ اور یقین رکھو کہ اس کے نافرمانوں کو وہ سخت سزا کرتا ہے۔

الْحَجُّ أَشْهُرٌ مَّعْلُوْمَةٌ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِمَا الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْۤقًا وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ وَمَا تَفَعَّلُوْۤا مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمْهُ اللّٰهُ وَتَزَوَّدُوْۤا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰی وَاتَّقُوْۤا لِیَّوْلٰی الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۷﴾

حج کے مہینے مقرر ہیں۔ جو شخص ان میں حج مقرر کرے وہ اپنی بیوی سے میل ملاپ کرنے، گناہ کرنے اور لڑائی جھگڑے کرنے سے بچتا رہے تم جو نیکی کرو گے اس سے اللہ تعالیٰ باخبر ہے اور اپنے ساتھ سفر خرچ لے لیا کرو سب سے بہتر تو اللہ تعالیٰ کا ڈر ہے اور اے عظیم دجھ سے ڈرتے رہا کرو

احرام کے مسائل: ☆☆ (آیت: ۱۹) عربی دان حضرات نے کہا ہے کہ مطلب اگلے جملہ کا یہ ہے کہ حج حج ہے۔ ان مہینوں کا جو معلوم اور مقرر ہیں، پس حج کے مہینوں میں احرام باندھنا دوسرے مہینوں کے احرام سے زیادہ کامل ہے گو اور ماہ کا احرام بھی صحیح ہے امام مالک، امام ابوحنیفہ، امام احمد، امام اہلق، امام ابراہیم نفعی، امام ثوری، امام لیث اللہ تعالیٰ ان پر سب رحمتیں نازل فرمائے فرماتے ہیں کہ سال بھر میں جس مہینہ میں چاہے حج کا احرام باندھ سکتا ہے۔ ان بزرگوں کی دلیل یَسْأَلُوْۤا نَبَّیَّکَ عَنِ الْاَهْلِیَّةِ الخ ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ حج اور عمرہ دونوں کو نسک کہا گیا ہے اور عمرے کا احرام ہر مہینہ میں باندھ سکتا ہے تو حج کا احرام بھی جب باندھے گا صحیح ہوگا ہاں حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ حج کا احرام حج کے مہینوں میں ہی باندھنا صحیح ہوگا بلکہ اگر اور ماہ میں حج کا احرام باندھا تو غیر صحیح ہے لیکن اس سے عمرہ بھی ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اس میں امام صاحب کے دو قول ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ حضرت جابرؓ حضرت عطاءؓ مجاہد رحمہم اللہ کا بھی یہی مذہب ہے کہ حج کا احرام حج کے مہینوں کے سوا باندھنا غیر صحیح ہے اور اس پر دلیل الحج اشہر معلومت ہے۔ عربی داں حضرات کی ایک دوسری جماعت کہتی ہے کہ آیت کے ان الفاظ سے مطلب یہ ہے کہ حج کا وقت خاص خاص مقرر کردہ مہینے میں تو ثابت ہوا کہ ان مہینوں سے پہلے حج کا جو احرام باندھے گا وہ صحیح نہ ہوگا۔ جس طرح نماز کے وقت سے پہلے کوئی نماز پڑھے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمیں مسلم بن خالد نے خبر دی انہوں نے ابن جریجؒ سے سنا اور انہیں عمر بن عطاءؓ نے کہا ان سے عکرمہؒ نے ذکر کیا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ہے کہ کسی شخص کو لائق نہیں کہ حج کے مہینوں کے سوا بھی حج کا احرام باندھے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے الحج اشہر معلومات اس روایت کی اور بھی بہت سی سندیں ہیں۔

ایک سند میں ہے کہ سنت یہی ہے صحیح ابن خزیمہ میں بھی یہ روایت منقول ہے۔ اصول کی کتابوں میں یہ مسئلہ طے شدہ ہے کہ صحابیؓ کا فرمان حکم میں مرفوع حدیث کے مساوی ہوتا ہے پس یہ حکم رسولؐ ہو گیا اور صحابیؓ بھی یہاں وہ صحابیؓ ہیں جو مفسر قرآن اور ترجمان القرآن ہیں۔ علاوہ ازیں ابن مردودہ کی ایک مرفوع حدیث میں ہے حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ حج کا احرام باندھنا کسی کو سواج کے مہینوں کے لائق نہیں۔ اس کی اسناد بھی اچھی ہے لیکن شافعیؒ اور بیہقیؒ نے روایت کی ہے کہ اس حدیث کے راوی حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا گیا کہ حج کے مہینوں سے پہلے حج کا احرام باندھ لیا جائے تو آپ نے فرمایا نہیں یہ موقوف حدیث ہی زیادہ ثابت اور زیادہ صحیح ہے اور صحابیؓ کے اس فتوے کی تقویت حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے کہ سنت یوں ہے۔ واللہ اعلم۔ اشہر معلومات سے مراد حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں شوال ذوالقعدہ اور دس دن ذوالحجہ کے ہیں (بخاری) یہ روایت ابن جریرؒ میں بھی ہے مستدرک حکم میں بھی ہے اور امام حاکمؒ اسے صحیح بتلاتے ہیں حضرت عمرؓ حضرت علیؓ حضرت ابن مسعودؓ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی یہی مروی ہے حضرت عطاءؓ حضرت مجاہدؓ حضرت ابراہیمؒ حضرت شعیبؓ حضرت حسنؓ حضرت ابن سیرینؓ حضرت کھولؓ حضرت قتادہؓ حضرت ضحاک بن مزاحمؓ حضرت ربیع بن انسؓ حضرت مقاتل بن حیانؓ رحمہم اللہ بھی یہی کہتے ہیں حضرت امام شافعیؒ امام ابو حنیفہؒ امام احمد بن حنبلؒ ابو یوسفؒ اور ابو ثور رحمۃ اللہ علیہم کا بھی یہی مذہب ہے امام ابن جریرؒ بھی اسی قول کو پسند فرماتے ہیں۔ اشہر کا لفظ جمع ہے تو اس کا اطلاق دو پورے مہینوں اور تیسرے کے بعض حصے پر بھی ہو سکتا ہے جیسے عربی میں کہا جاتا ہے میں نے اس سال یا آج کے دن اسے دیکھا ہے۔ پس حقیقت میں سارا سال اور پورا دن تو دیکھنا نہیں رہتا بلکہ دیکھنے کا وقت تھوڑا ہی ہوتا ہے مگر اغلباً (تقریباً) ایسا بول دیا کرتے ہیں۔ اسی طرح یہاں بھی اغلباً تیسرے مہینہ کا ذکر ہے قرآن میں بھی ہے فمن تعجل فی یومین حالانکہ وہ جلدی ڈیڑھ دن کی ہوتی ہے مگر گنتی میں دو دن کہے گئے امام مالکؒ امام شافعیؒ کا ایک پہلا قول یہ بھی ہے کہ شوال ذوالقعدہ اور ذوالحجہ کا پورا مہینہ ہے ابن عمرؓ سے بھی یہی مروی ہے ابن شہابؒ عطاءؓ جابر بن عبداللہؓ سے بھی یہی مروی ہے۔ طاؤسؓ مجاہدؓ عروہؓ ربیع اور قتادہؓ رحمہم اللہ سے بھی یہی مروی ہے ایک مرفوع حدیث میں بھی یہ آیا ہے لیکن وہ موضوع ہے کیونکہ اس کا راوی حسین بن خارقؒ ہے جس پر احادیث کو وضع کرنے کی تہمت ہے بلکہ اس کا مرفوع ہونا ثابت نہیں۔ واللہ اعلم۔

امام مالکؒ کے اس قول کو مان لینے کے بعد یہ ثابت ہوتا ہے کہ ذوالحجہ کے مہینے میں عمرہ کرنا صحیح نہ ہوگا۔ یہ مطلب نہیں کہ دس ذی الحجہ کے بعد بھی حج ہو سکتا ہے چنانچہ حضرت عبداللہؓ سے روایت ہے کہ حج کے مہینوں میں عمرہ درست نہیں امام ابن جریرؒ بھی ان اقوال کا یہی مطلب

بیان کرتے ہیں کہ حج کا زمانہ تو مئی کے دن گذرتے ہی جاتا رہا محمد بن سیرین کا بیان ہے کہ میرے علم میں تو کوئی اہل علم ایسا نہیں جو حج کے مہینوں کے علاوہ عمرہ کرنے کو ان مہینوں کے اندر عمرہ کرنے سے افضل ماننے میں شک کرتا ہو قاسم بن محمد سے ابن عون نے حج کے مہینوں میں عمرہ کرنے کے مسئلہ کو پوچھا تو آپ نے جواب دیا کہ اسے لوگ پورا عمرہ نہیں مانتے، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی حج کے مہینوں کے علاوہ عمرہ کرنا پسند فرماتے تھے بلکہ ان مہینوں میں عمرہ کرنے کو منع کرتے تھے۔ واللہ اعلم (اس سے اگلی آیت کی تفسیر میں گذر چکا ہے) کہ رسول اللہ ﷺ نے ذوالقعدہ میں چاروں عمرے ادا فرمائے ہیں اور ذوالقعدہ بھی حج کا مہینہ ہے۔ پس حج کے مہینوں میں عمرہ ادا فرماتے ہیں اور ذوالقعدہ بھی حج کا مہینہ ہے۔ پس حج کے مہینوں میں عمرہ کرنا جائز ٹھہرا۔ واللہ اعلم۔ (مترجم) پھر ارشاد ہوتا ہے کہ جو شخص ان مہینوں میں حج مقرر کرے یعنی حج کا احرام باندھ لے۔ اس سے ثابت ہوا کہ حج کا احرام باندھنا اور اسے پورا کرنا لازم ہے۔ فرض سے مراد یہاں واجب و لازم کر لینا ہے ابن عباسؓ فرماتے ہیں حج اور عمرے کا احرام باندھنے والا مراد ہے۔ عطاءؓ فرماتے ہیں فرض سے مراد احرام ہے ابراہیم اور ضحاکؓ کا بھی یہی قول ہے ابن عباسؓ فرماتے ہیں احرام باندھ لینے اور لبیک پکار لینے کے بعد کہیں ٹھہرا رہنا ٹھیک نہیں اور بزرگوں کا بھی یہی قول ہے، بعض بزرگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ فرض سے مراد لبیک پکارنا ہے۔ رفق سے مراد جماع ہے جیسے اور جگہ قرآن میں ہے اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَائِكُمْ یعنی روزے کی راتوں میں اپنی بیویوں سے جماع کرنا تمہارے لئے حلال کیا گیا ہے، احرام کی حالت میں جماع اور اس کے تمام مقدمات بھی حرام ہیں جیسے مباشرت کرنا، بوسہ لینا، ان باتوں کا عورتوں کی موجودگی میں ذکر کرنا۔ گو بعض نے مردوں کی محفلوں میں بھی ایسی باتیں کرنے کو رفق میں داخل کیا ہے لیکن حضرت ابن عباسؓ سے اس کے خلاف مروی ہے۔ انہوں نے ایک مرتبہ کوئی ایسا ہی شعر پڑھا اور دریافت کرنے پر فرمایا کہ عورتوں کے سامنے اس قسم کی باتیں کرنی رفق ہے۔ رفق کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ جماع وغیرہ کا ذکر کیا جائے، فحش باتیں کرنا، دبی زبان سے ایسے ذکر کرنا، اشاروں کنایوں میں جماع کا ذکر اپنی بیوی سے کہنا کہ احرام کھل جائے تو جماع کریں گے، پھیڑ چھا کرنا، مساس کرنا وغیرہ یہ سب رفق میں داخل ہے اور احرام کی حالت میں یہ سب باتیں حرام ہیں، مختلف مفسروں کے مختلف اقوال کا مجموعہ یہ ہے۔ فسوق کے معنی عصیان و نافرمانی، شکار گالی گلوچ وغیرہ بد زبانی ہے جیسے حدیث میں ہے مسلمان کو گولی دینا فسق ہے اور اسے قتل کرنا کفر ہے اللہ کے سوا دوسروں کے تقرب کے لئے جانوروں کو ذبح کرنا بھی فسق ہے جیسے قرآن کریم میں ہے اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ - بِالْقَابِ سے یاد کرنا بھی فسق ہے قرآن فرماتا ہے لَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ مختصر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہر نافرمانی فسق میں داخل ہے گو یہ فسق ہر وقت حرام ہے لیکن حرمت والے مہینوں میں اس کی حرمت اور بڑھ جاتی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَلَا تَظْلِمُوا فِيهِنَّ أَنْفُسَكُمْ ان حرمت والے مہینوں میں اپنی جان پر ظلم نہ کرو۔ اس طرح حرم میں بھی یہ حرمت بڑھ جاتی ہے۔ ارشاد ہے وَمَنْ يَرِدْ فِيهِ بِالْحَادِ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابِ أَلِيمٍ یعنی حرم میں جو الحاد اور بے دینی کا ارادہ کرے اور اسے ہم المناک عذاب کریں گے، امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں یہاں مراد فسق سے وہ کام ہیں جو احرام کی حالت میں منع ہیں جیسے شکار کھیلنا، بال منڈوانا یا کتروانا، ناخن لینا وغیرہ، حضرت ابن عمرؓ سے بھی یہی مروی ہے لیکن بہترین تفسیر وہی ہے جو ہم نے بیان کی یعنی ہر گناہ سے روکا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔ صحیحین میں ہے جو شخص بیت اللہ کا حج کرے نہ رفق کرے نہ فسق تو وہ گناہوں سے ایسا نکل جاتا ہے جیسے اپنے پیدا ہونے کے دن تھا۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ حج میں جھگڑا نہیں یعنی حج کے وقت اور حج کے ارکان وغیرہ میں جھگڑا نہ کرو اور اس کا پورا بیان اللہ تعالیٰ نے فرما دیا ہے۔ حج کے مہینے مقرر ہو چکے ہیں۔ ان میں کی زیادتی نہ کرو موسم حج کو آگے پیچھے نہ کرو جیسا کہ مشرکین کا وہ طیرہ تھا جس کی مذمت قرآن کریم

میں اور جگہ فرمادی گئی ہے اسی طرح قریش مشرک حرام کے پاس مزدلفہ میں ٹھہر جاتے تھے اور باقی عرب عرفات میں ٹھہرتے تھے۔ پھر آپس میں جھگڑتے تھے اور ایک دوسرے سے کہتے تھے کہ ہم صحیح راہ پر اور طریق ابراہیمی پر ہیں جس سے یہاں ممانعت کی جارہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کے ہاتھوں وقت حج، ارکان حج اور ٹھہرنے وغیرہ کی جگہیں بیان کر دی ہیں۔ اب نہ کوئی ایک دوسرے پر فخر کرے نہ حج کے دن آگے پیچھے کرے۔ پس یہ جھگڑے اب میٹ دو۔ واللہ اعلم۔ یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ حج کے سفر میں آپس میں نہ جھگڑو نہ ایک دوسرے کو غصہ دلاؤ نہ کسی کو گالیاں دو۔ بہت سے مفسرین کا یہ قول بھی ہے اور بہت سے مفسرین کا پہلا قول بھی ہے۔ حضرت عکرمہؓ فرماتے ہیں کہ کسی کا اپنے غلام کو ڈانٹ ڈپٹ کر نایہ اس میں داخل نہیں ہاں مارے نہیں۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ غلام کو اگر مار بھی لے تو کوئی ڈر خوف نہیں۔

مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر حج میں تھے اور عرج میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آنحضرت ﷺ کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں اور حضرت اسماءؓ اپنے والد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آنحضرت ﷺ کے اونٹوں کا سامان حضرت ابوبکرؓ کے خادم کے پاس تھا۔ حضرت صدیقؓ اس کا انتظار کر رہے تھے۔ تھوڑی دیر میں وہ آ گیا۔ اس سے پوچھا کہ اونٹ کہاں ہے؟ اس نے کہا۔ حضرت کل رات کو گم ہو گیا۔ آپ ناراض ہوئے اور فرمانے لگے ایک اونٹ کو بھی تو سنبھال نہ سکا۔ یہ کہہ کر آپ نے اسے مارا۔ نبی ﷺ مسکرا رہے تھے اور فرماتے جارہے تھے دیکھو احرام کی حالت میں یہ کیا کر رہے ہیں؟ یہ حدیث ابوداؤد اور ابن ماجہ میں بھی ہے بعض سلف سے یہ بھی مروی ہے کہ حج کے تمام ہونے میں یہ بھی ہے لیکن یہ خیال رہے کہ آنحضور ﷺ کا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس کام پر یہ فرمانا اس میں نہایت لطافت کے ساتھ ایک قسم کا انکار ہے پس مسئلہ یہ ہوا کہ اسے چھوڑ دینا ہی اولیٰ ہے۔ واللہ اعلم۔

مسند عبد بن حمید میں ہے کہ جو شخص اپنا حج پورا کرے اور مسلمان اس کی زبان اور ہاتھ سے ایذا نہ پائیں اس کے تمام اگلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ پھر فرمایا تم جو بھلائی کرو اس کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے۔ چونکہ اوپر ہر بڑائی سے روکا تھا کہ نہ کوئی برا کام کرو نہ بری بات کہو تو یہاں نیکی کی رغبت دلائی جارہی ہے کہ ہر نیکی کا پورا پورا بدلہ قیامت کے دن پاؤ گے۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ توشہ اور سفر خرچ لے لیا کرو۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں لوگ بلا خرچ ”سفر“ حج کو نکل کھڑے ہوتے تھے۔ پھر لوگوں سے مانگتے پھرتے۔ جس پر یہ حکم ہوا، حضرت عکرمہؓ حضرت عیینہؓ بھی یہی فرماتے ہیں بخاری، نسائی وغیرہ میں یہ روایتیں مروی ہیں ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ عینی لوگ ایسا کرتے تھے اور اپنے تئیں متوکل کہتے تھے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ جب احرام باندھتے تو جو کچھ توشہ بھنا ہوتا سب پھینک دیتے اور نئے سرے سے نیا سامان کرتے۔ اس پر یہ حکم ہوا کہ ایسا نہ کرو۔ آنا ستو وغیرہ تو شے ہیں۔ ساتھ لے لو۔ دیگر بہت سے معتبر مفسرین نے بھی اسی طرح کہا ہے بلکہ ابن عمرؓ تو یہ بھی فرماتے ہیں کہ انسان کی عزت اسی میں ہے کہ وہ عمدہ سامان سفر ساتھ رکھے، آپ اپنے ساتھیوں سے دل کھول کر خرچ کرنے کی شرط کر لیا کرتے تھے۔ چونکہ دنیوی توشہ کا حکم دیا ہے تو ساتھ ہی فرمایا ہے کہ آخرت کے توشہ کی تیاری بھی کر لو یعنی اپنی قبر میں اپنے ساتھ خوف خدا لے کر جاؤ جیسے اور جگہ لباس کا ذکر کر کے ارشاد فرمایا وَلِبَاسُ التَّقْوَىٰ ذَٰلِكَ خَيْرٌ۔ پرہیزگاری کا لباس بہتر ہے، یعنی خشوع و خضوع، طاعت و تقویٰ کے باطنی لباس سے بھی خالی نہ رہو بلکہ یہ لباس اس ظاہری لباس سے کہیں زیادہ بہتر اور نفع دینے والا ہے ایک حدیث میں بھی ہے کہ دنیا میں اگر کچھ کھوؤ گے تو آخرت میں پاؤ گے۔ یہاں کا توشہ وہاں فائدہ دے گا (طبرانی) اس حکم کو سن کر ایک مسکین صحابیؓ نے حضور

سے کہا، یا رسول اللہ ہمارے پاس تو کچھ ہے ہی نہیں۔ آپؐ نے فرمایا اتنا تو ہونا چاہئے جس سے کسی سے سوال نہ کرنا پڑے اور بہترین خزانہ اللہ تعالیٰ کا خوف ہے (ابن ابی حاتم)

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ عظیمندو! مجھ سے ڈرتے رہا کرو یعنی میرے غذاہوں سے میری پکڑ دھکڑ سے میری گرفت سے میری سزاؤں سے ڈرو دُب کر میرے احکام کی تعمیل کرو میرے ارشاد کے خلاف نہ کرو تا کہ نجات پاسکو۔ یہی عقلی امتیاز ہے۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِّن رَّبِّكُمْ فَإِذَا أَفَضْتُمْ  
مِّنْ عَرَفَتٍ فَأَذْكُرُوا اللَّهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ وَاذْكُرُوهُ  
كَمَا هَدَيْكُمْ وَإِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهِ لَمَنِ الضَّالِّينَ ۝

تم پر اپنے رب کا فضل تلاش کرنے میں کوئی گناہ نہیں۔ جب تم عرفات سے لوگو تو مشعر الحرام کے پاس ذکر اللہ کرو۔ اس کا ذکر کرو جیسے کہ اس نے تمہیں ہدایت دی حالانکہ تم اس سے پہلے راہ بھولے ہوئے تھے ○

تجارت اور حج: ☆ ☆ (آیت: ۱۹۸) صحیح بخاری شریف میں اس آیت کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جاہلیت کے زمانہ میں عکاظ، بجنہ اور ذوالحجاز نامی بازار تھے۔ اسلام کے بعد صحابہ کرامؓ ایام حج میں تجارت کو گناہ سمجھ کر ڈرے تو انہیں اجازت دی گئی کہ ایام حج میں تجارت کرنا گناہ نہیں، ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ یہ مسئلہ آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا گیا جس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ حج کے دنوں میں احرام سے پہلے یا احرام کے بعد حاجی کے لئے خرید و فروخت حلال ہے، ابن عباسؓ کی قرأت میں من ربکم کے بعد فی موسم الحج کا لفظ بھی ہے، ابن زبیرؓ سے بھی یہی مروی ہے۔ دوسرے مفسرین نے بھی اس کی تفسیر اسی طرح کی ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا گیا کہ ایک شخص حج کو نکلتا ہے اور ساتھ ہی خوش الحانی کے ساتھ پڑھتا جاتا ہے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ آپؐ نے یہی آیت پڑھ کر سنائی (ابن جریر)

مسند احمد کی روایت میں ہے کہ ابوامامہؓ نے حضرت ابن عمرؓ سے پوچھا کہ ہم حج میں جانور کرایہ پر دیتے ہیں۔ کیا ہمارا بھی حج جاتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ تم بیت اللہ شریف کا طواف نہیں کرتے؟ کیا تم عرفات میں نہیں ٹھہرتے؟ کیا تم شیطانوں کو کنکریاں نہیں مارتے؟ کیا تم سر نہیں منڈواتے؟ اس نے کہا یہ سب کام تو ہم کرتے ہیں تو آپؐ نے فرمایا، سنو ایک شخص نے یہی سوال نبی ﷺ سے کیا تھا اور اس کے جواب میں حضرت جبریل علیہ السلام آیت لیس علیکم جناح الخ لے کر اترے اور حضورؐ نے اسے بلا کر فرمایا کہ تم حاجی ہو۔ تمہارا حج ہو گیا، مسند عبدالرزاق میں بھی یہ روایت ہے اور تفسیر عبد بن حمید وغیرہ میں بھی۔ بعض روایتوں میں الفاظ کی کچھ کمی بیشی بھی ہے، ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ کیا تم احرام نہیں باندھتے؟

امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال ہوتا ہے کہ کیا آپ حضرات حج کے دنوں میں تجارت بھی کرتے تھے؟ آپؓ نے فرمایا اور تجارت کا موسم ہی کونسا تھا؟ عرفات کو منصرف (یعنی تصرف کر کے) پڑھا گیا ہے حالانکہ اس کے غیر منصرف ہونے کے دو سبب اس میں موجود ہیں یعنی (اسم علم) اور تانیف، اس لئے کہ دراصل یہ جمع ہے جیسے مسلمات اور مومنات ایک خاص جگہ کا نام مقرر کر دیا گیا ہے۔ اس لئے اصلیت کی رعایت کی گئی اور منصرف پڑھا گیا، عرفہ وہ جگہ ہے جہاں کا ٹھہرنا حج کا بنیادی رکن ہے، مسند احمد وغیرہ میں حدیث ہے کہ حج عرفات ہے۔ تین مرتبہ حضورؐ نے یہی فرمایا۔ جو سورج نکلنے سے پہلے عرفات میں پہنچ گیا، اس نے حج کو پایا، منی کے تین

دنوں میں جلدی یادیر کی جاسکتی ہے۔ اس پر کوئی گناہ نہیں، ٹھہرنے کا وقت عرفہ کے دن سورج ڈھلنے کے بعد سے لے کر عید کی صبح صادق کے طلوع ہونے تک ہے، نبی ﷺ جتہ الوداع میں ظہر کی نماز کے بعد سورج غروب ہونے تک یہاں ٹھہرے رہے اور فرمایا تھا مجھ سے حج کے طریقے سیکھ لو حضرت امام مالکؒ امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کا بھی مذہب ہے کہ دسویں کی فجر سے پہلے جو شخص عرفات میں پہنچ جائے اس نے حج پایا، حضرت امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ٹھہرنے کا وقت عرفہ کے دن کے شروع سے ہے۔ ان کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ مزدلفہ میں نماز کے لئے نکلے تو ایک شخص حاضر خدمت ہوا اور اس نے پوچھا کہ یا رسول اللہ میں طہ کی پہاڑیوں سے آ رہا ہوں۔ اپنی سواری کو میں نے تھکا دیا اور اپنے نفس پر بڑی مشقت اٹھائی۔ واللہ ہر ہر پہاڑ پر ٹھہرنا آیا ہوں۔ کیا میرا حج ہو گیا؟ آپ نے فرمایا جو شخص ہمارے یہاں کی اس نماز میں پہنچ جائے اور ہمارے ساتھ چلتے وقت تک ٹھہرا رہے اور اس سے پہلے وہ عرفات میں بھی ٹھہر چکا ہو خواہ رات کو خواہ دن کو اس کا حج پورا ہو گیا اور وہ فریضہ سے فارغ ہو گیا (مسند احمد و سنن) امام ترمذیؒ اسے صحیح کہتے ہیں۔ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو بھیجا اور انہوں نے آپ کو حج کرایا جب عرفات میں پہنچے تو پوچھا کہ عرفہ کیا تم نے پہچان لیا؟ حضرت خلیل اللہؑ نے جواب دیا عرفہ میں نے جان لیا کیونکہ اس سے پہلے یہاں آچکے تھے اس لئے اس جگہ کا نام ہی عرفہ ہو گیا، حضرت عطاءؒ حضرت ابن عباسؒ حضرت ابن عمرؒ اور حضرت ابو بکرؓ سے بھی یہی مروی ہے۔ واللہ اعلم۔ عرفات کا نام ”مشعر الحرام“، ”مشعر الاقصی“ اور ”اللال“ بھی ہے، اور اس پہاڑ کو بھی عرفات کہتے ہیں جس کے درمیان جبل الرحۃ ہے، ابو طالب کے ایک مشہور قصیدے میں بھی ایک شعر ان معنوں کا ہے، اہل جاہلیت بھی عرفات میں ٹھہرتے تھے۔ جب پہاڑ کی دھوپ چوٹیوں پر ایسی باقی رہ جاتی جیسے آدمی کے سر پر عمامہ ہوتا ہے تو وہ وہاں سے چل پڑتے لیکن حضورؐ یہاں سے اس وقت چلے جب سورج بالکل غروب ہو گیا، پھر مزدلفہ میں پہنچ کر یہاں پڑاؤ کیا اور سویرے اندھیرے ہی اندھیرے بالکل اول وقت رات کے اندھیرے اور صبح کی روشنی کے ملے جلے وقت میں آپ نے یہیں نماز صبح ادا کی اور جب روشنی واضح ہو گئی تو صبح کی نماز کے آخری وقت میں آپ نے وہاں سے کوچ کیا۔ حضرت مسور بن مخرمہؓ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ہمیں عرفات میں خطبہ سنایا اور حسب عادت حمد و ثنا کے بعد ابا بعد کہہ کر فرمایا کہ حج اکبر آج ہی کا دن ہے۔ دیکھو مشرک اور بت پرست تو یہاں سے جب دھوپ پہاڑوں کی چوٹیوں پر اس طرح ہوتی تھی جس طرح لوگوں کے سروں پر عمامہ ہوتا ہے تو سورج غروب ہونے سے پیشتر ہی لوٹ جاتے تھے لیکن ہم سورج غروب ہونے کے بعد یہاں سے واپس ہوں گے۔ وہ مشعر الحرام سے سورج نکلنے کے بعد چلتے تھے جبکہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر دھوپ اس طرح نمایاں ہو جاتی جس طرح لوگوں کے سروں پر عمامے ہوتے ہیں لیکن ہم سورج نکلنے سے پہلے ہی چل دیں گے۔ ہمارا طریقہ مشرکین کے طریقے کے خلاف ہے (ابن مردودہ و مستدرک حاکم) امام حاکم نے اسے شرط بخین پر اور بالکل صحیح بتلایا ہے اس سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ حضرت مسور رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے ان لوگوں کا قول ٹھیک نہیں جو فرماتے ہیں کہ حضرت مسورؓ نے حضورؐ کو دیکھا ہے لیکن آپ سے کچھ سنا نہیں، حضرت معمر بن سید کا بیان ہے کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عرفات سے لوٹتے ہوئے دیکھا گویا اب تک بھی وہ منظر میرے سامنے ہے۔ آپ کے سر کے اگلے حصے پر بال نہ تھے۔ اپنے اونٹ پر تھے اور فرما رہے تھے ہم واضح روشنی میں لوٹے، صحیح مسلم کی حضرت جابر والی ایک مطول حدیث جس میں جتہ الوداع کا پورا بیان ہے اس میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سورج کے غروب ہونے تک عرفات میں ٹھہرے۔ جب سورج چھپ گیا اور قدرے زردی ظاہر ہونے لگی تو آپ نے اپنے پیچھے اپنی سواری پر حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سوار کیا اور اونٹنی کی ٹکیل تان لی یہاں تک کہ اس کا سر پالان کے قریب پہنچ گیا اور دائیں ہاتھ سے لوگوں کو اشارہ سے فرماتے جاتے تھے کہ لوگو آہستہ آہستہ چلو۔ نرمی، اطمینان، سکون



اور دلجمعی کے ساتھ چلو جب کوئی پہاڑی آتی تو تکیل قدرے ڈھیلی کرتے تاکہ جانور بہ آسانی اوپر چڑھ جائے مزدلفہ میں آکر آپؐ نے مغرب اور عشاء کی نماز ادا کی۔ اذان ایک ہی کھلوائی اور دونوں نمازوں کی تکبیریں الگ الگ کھلوائیں۔ مغرب کے فرضوں اور عشاء کے فرضوں کے درمیان سنت نوافل کچھ نہیں پڑھے۔ پھر لیٹ گئے صبح صادق کے طلوع ہونے کے بعد نماز فجر ادا کی جس میں اذان و اقامت ہوئی۔ پھر قصوانامی اونٹنی پر سوار ہو کر مشعر الحرام میں آئے۔ قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر دعائیں مشغول ہو گئے اور اللہ اکبر اور لا الہ الا اللہ اور اللہ کی توحید بیان کرنے لگے یہاں تک کہ خوب سویرا ہو گیا سورج نکلنے سے پہلے ہی پہلے آپؐ یہاں سے روانہ ہو گئے حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال ہوتا ہے کہ حضور ﷺ جب یہاں سے چلے تو کیسی چال چلتے تھے۔ فرمایا درمیانہ اور دھیمی چال سے سواری چلا رہے تھے۔ ہاں جب راستہ میں کشادگی دیکھتے تو ذرا تیز کر لیتے (بخاری و مسلم)

پھر فرمایا عرفات سے لوٹتے ہوئے مشعر الحرام میں اللہ کا ذکر کرو یعنی یہاں دونوں نمازیں جمع کر لیں۔ عمرو بن میمون رحمۃ اللہ علیہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مشعر الحرام کے بارے میں دریافت فرماتے ہیں تو آپؐ خاموش رہتے ہیں۔ جب قافلہ مزدلفہ میں جا کر اترتا ہے تو فرماتے ہیں سائل کہاں ہے۔ یہ ہے مشعر الحرام آپؐ سے یہ بھی مروی ہے کہ مزدلفہ تمام کا تمام مشعر الحرام ہے۔ پہاڑ بھی اور اس کے آس پاس کی کل جگہ آپؐ نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ قروح پر بھیڑ بھاڑ کر رہے ہیں تو فرمایا یہ لوگ کیوں بھیڑ بھاڑ کر رہے ہیں یہاں کی سب جگہ مشعر الحرام ہے۔ اور بھی بہت سے مفسرین نے یہی فرمایا ہے کہ دونوں پہاڑوں کے درمیان کی کل جگہ مشعر الحرام ہے حضرت عطاءؓ سے سوال ہوتا ہے کہ مزدلفہ کہاں ہے۔ آپؐ فرماتے ہیں جب عرفات سے چلے اور میدان عرفات کے دونوں کنارے چھوڑے پھر مزدلفہ شروع ہو گیا۔ وادی حمر تک جہاں چاہو ٹھہرو لیکن میں تو قروح سے ادھر ہی ٹھہرنا پسند کرتا ہوں تاکہ راستے سے یکسوئی ہو جائے مشاعر کہتے ہیں ظاہری نشانوں کو مزدلفہ کو مشعر الحرام اس لئے کہتے ہیں کہ وہ حرم میں داخل ہے سلف صالحین کی ایک جماعت کا اور بعض اصحاب شافعی کا مثلاً قتال اور ابن خزیمہ کا خیال ہے کہ یہاں کا ٹھہرنا حج کا کارکن ہے۔ بغیر یہاں ٹھہرے حج صحیح نہیں ہوتا کیونکہ ایک حدیث حضرت عروہ بن مضر سے اس معنی کی مروی ہے، بعض کہتے ہیں یہ ٹھہرنا واجب ہے۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول یہ بھی ہے اگر کوئی یہاں نہ ٹھہرا تو قربانی دینی پڑے گی امام صاحب کا دوسرا قول یہ ہے کہ مستحب ہے۔ اگر نہ بھی ٹھہرا تو کچھ ہرج نہیں۔ پس یہ تین قول ہوئے ہم یہاں اس بحث کو زیادہ طول دینا مناسب نہیں سمجھتے۔ واللہ اعلم۔ (قرآن کریم کے ظاہری الفاظ پہلے قول کی زیادہ تائید کرتے ہیں۔ واللہ اعلم مترجم) ایک مرسل حدیث میں ہے کہ عرفات کا سارا میدان ٹھہرنے کی جگہ ہے عرفات سے بھی اٹھو اور مزدلفہ کی کل حد بھی ٹھہرنے کی جگہ ہے۔ ہاں وادی حمر نہیں مسند احمد کی اس حدیث میں اس کے بعد ہے کہ مکہ شریف کی تمام گلیاں قربانی کی جگہ ہیں اور ایام تشریق سب کے سب قربانی کے دن ہیں لیکن یہ حدیث بھی منقطع ہے اس لئے کہ سلیمان بن موسیٰ رشیق نے جبر بن جبرین سے یہ حدیث روایت کی اور سندیں بھی ہیں۔ واللہ اعلم۔

پھر ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو جیسے کہ اس نے تمہیں ہدایت دی ہے کہ احکام حج وضاحت کے ساتھ بیان فرما دیئے اور خلیل اللہ کی اس سنت کو واضح کر دیا۔ حالانکہ اسی سے پہلے تم اس سے بے خبر تھے یعنی اس ہدایت سے پہلے اس قرآن سے پہلے اس رسولؐ سے پہلے فی الواقع ان تینوں باتوں سے پہلے دنیا گمراہی میں تھی فالحمد للہ

ثُمَّ اَفِضُوا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا لِلَّهِ اِنَّ اللَّهَ عَفُوٌّ رَحِيمٌ

بہتر تم اس جگہ سے لوگو جس جگہ سے سب لوگ لوٹنے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے طلب بخشش کرتے رہو۔ اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے ○

قریش سے خطاب اور معمول نبوی ﷺ: ☆☆ (آیت: ۱۹۹) ”ثم“ یہاں پر خبر کا خبر پر عطف ڈالنے کے لئے ہے تاکہ ترتیب ہو جائے گویا کہ عرفات میں ٹھہرنے والے کو حکم ملا کہ وہ یہاں سے مزدلفہ جائے تاکہ مشعر الحرام کے پاس اللہ تعالیٰ کا ذکر کر سکے اور یہ بھی فرمادیا کہ وہ تمام لوگوں کے ساتھ عرفات میں ٹھہرے جیسے کہ عام لوگ یہاں ٹھہرتے تھے البتہ قریشیوں نے فخر و تکبر اور نشان امتیاز کے طور پر یہ ٹھہرا لیا تھا کہ وہ حد حرم سے باہر نہیں جاتے تھے اور حرم کی آخری حد پر ٹھہر جاتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم اللہ والے ہیں اسی کے شہر کے رئیس ہیں اور اس کے گھر کے مجاور ہیں۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ قریش اور ان کے ہم خیال لوگ مزدلفہ میں ہی رک جایا کرتے تھے اور اپنا نام حس رکھتے تھے۔ باقی کل عرب عرفات میں جا کر ٹھہرتے تھے اور وہیں سے لوٹنے تھے اسی لئے اسلام نے حکم دیا کہ جہاں سے عام لوگ لوٹتے ہیں تم وہیں سے لوٹا کرو حضرت ابن عباسؓ، حضرت مجاہدؓ، حضرت عطاءؓ، حضرت قتادہؓ، حضرت سدیؓ وغیرہ یہی فرماتے ہیں امام ابن جریرؒ بھی اسی تفسیر کو پسند کرتے ہیں اور اسی پر اجماع بتاتے ہیں مسند احمد میں ہے حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میرا دونوں عرفات میں گم ہو گیا۔ میں اسے ڈھونڈنے کے لئے نکلا تو میں نے نبی ﷺ کو وہاں ٹھہرے ہوئے دیکھا۔ کہنے لگا۔ یہ کیا بات ہے کہ یہ جس ہیں اور پھر یہاں حرم کے باہر آ کر ٹھہرے ہیں ابن عباسؓ فرماتے ہیں افاضہ سے مراد یہاں مزدلفہ سے رمی جمار کے لئے منیٰ کو جانا ہے۔ واللہ اعلم۔ اور الناس سے مراد حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ علیہ السلام ہیں۔ بعض کہتے ہیں مراد امام ہے۔ ابن جریرؒ فرماتے ہیں اگر اس کے خلاف اجماع کی حجت نہ ہوتی تو یہی قول رائج رہتا۔

پھر استغفار کا ارشاد ہوتا ہے جو عموماً عبادات کے بعد فرمایا جاتا ہے۔ حضور علیہ السلام فرض نماز سے فارغ ہو کر تین مرتبہ استغفار کیا کرتے تھے (مسلم) آپ لوگوں کو سبحان اللہ، الحمد للہ، اللہ اکبر تینتیس تینتیس مرتبہ پڑھنے کا حکم دیا کرتے تھے (بخاری و مسلم) یہ بھی مروی ہے کہ عرفہ کے دن شام کے وقت آنحضرت ﷺ نے اپنی امت کے لئے استغفار کیا (ابن جریرؒ) آپ کا یہ ارشاد بھی مروی ہے کہ تمام استغفاروں کا سردار یہ استغفار ہے اللهم انت ربی لا اله الا انت خلقتنی وانا عبدک وانا علی عهدک ووعدک ما استطعت اعوذ بک من شر ما صنعت ابوء لك بنعمتك علی و ابوء بذنبی فاغفر لی فانه لا یغفر الذنوب الا انت حضورؐ فرماتے ہیں جو شخص اسے رات کے وقت پڑھ لے اگر اسی رات مر جائے گا تو قطعاً جنتی ہوگا اور جو شخص اسے دن کے وقت پڑھے گا اور اسی دن مرے گا تو وہ بھی جنتی ہے (بخاری) حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ کہا کہ یا رسول اللہ مجھے کوئی دعا سکھائیے کہ میں نماز میں اسے پڑھا کروں۔ آپؐ نے فرمایا یہ پڑھو۔ اللهم انی ظلمت نفسی ظلماً کثیراً ولا یغفر الذنوب الا انت فاغفر لی مغفرة من عندک وارحمنی انک انت الغفور الرحیم ○ (بخاری و مسلم) استغفار کے بارے میں اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں۔

فَاِذَا قُضِيَتْ مَنَاسِكُكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَاءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ  
ذِكْرًا ۚ فَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهُ فِي  
الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلٰقٍ ۚ وَمِنْهُمْ مَّن يَقُولُ رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا  
حَسَنَةً وَفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۗ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ

## نَصِيبٌ مِّمَّا كَسَبُوا ۖ وَاللَّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ

پھر جب تم ارکان حج ادا کر چکو تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو جس طرح تم اپنے باپ دادوں کا ذکر کیا کرتے تھے بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ پس بعض لوگ وہ ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں بھلائی دے ۝ ایسے لوگوں کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ اور بعض لوگ وہ بھی ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں نیکی دے اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما اور ہمیں عذاب جہنم سے نجات دے ۝ یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے ان کے اعمال کا حصہ ہے اور اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے ۝

تکمیل حج کے بعد: ☆ ☆ (آیت: ۲۰۰-۲۰۲) یہاں اللہ تعالیٰ حکم کرتا ہے کہ فراغت حج کے بعد اللہ تعالیٰ کا بہ کثرت ذکر کرو اگلے جملے کے ایک معنی تو یہ بیان کئے گئے ہیں کہ اس طرح اللہ کا ذکر کرو جس طرح بچہ اپنے ماں باپ کو یاد کرتا رہتا ہے دوسرے معنی یہ ہیں کہ اہل جاہلیت میں حج کے موقع پر پڑھتے وقت کوئی کہتا تھا میرا باپ بڑا مہمان نواز تھا، کوئی کہتا تھا وہ لوگوں کے کام کاج کر دیا کرتا تھا۔ سخاوت و شجاعت میں یکتا تھا وغیرہ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ فضول باتیں چھوڑ دو اور اللہ تعالیٰ کی بزرگیاں بڑائیاں، عظمتیں اور عزتیں بیان کرو اکثر مفسرین نے یہی بیان کیا ہے غرض یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کی کثرت کرو اسی لئے ”اَوْ اَشَدُّ“ پر زبر تیز کی بنا پر لائی گئی ہے یعنی اس طرح اللہ کی یاد کرو جس طرح اپنے بڑوں پر فخر کیا کرتے تھے۔ اَوْ سے یہاں خبر کی مثلیت کی تحقیق ہے جیسے اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً میں اور اَوْ اَشَدُّ خَشْيَةً میں اور اَوْ يَزِيدُونَ میں اور اَوْ اَذْنَىٰ میں ان تمام مقامات میں لفظ ”اَوْ“ ہرگز ہرگز شک کے لئے نہیں ہے بلکہ ”فجر عنہ“ کی تحقیق کے لئے ہے یعنی وہ ذکر اتنا ہی ہو بلکہ اس سے بھی زیادہ۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ کا ذکر بکثرت کر کے دعائیں مانگو کیونکہ یہ موقع قبولیت کا ہے ساتھ ہی ان لوگوں کی برائی بھی بیان ہو رہی ہے جو اللہ سے سوال کرتے ہوئے صرف دنیا طلب کرتے ہیں اور آخرت کی طرف نظریں نہیں اٹھاتے۔ فرمایا ان کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ بعض اعراب یہاں ٹھہر کر صرف یہی دعائیں مانگتے ہیں کہ الہی! اس سال بارشیں اچھی برساتا کہ غلہ اچھے پیدا ہوں۔ اولادیں بکثرت ہوں وغیرہ۔ لیکن مومنوں کی دعائیں دونوں جہان کی بھلائوں کی ہوتی تھیں۔ اس لئے ان کی تعریفیں کی گئیں اس دعا میں تمام بھلائیاں دین و دنیا کی جمع کر دی ہیں اور تمام برائیوں سے بچاؤ ہے اس لئے کہ دنیا کی بھلائی میں عافیت، راحت، آسانی، تندرستی، گھربار، یوی بچے، روزی، علم، عمل، اچھی سواریاں، نوکر چاکر، لونڈی، غلام، عزت و آبرو وغیرہ تمام چیزیں آگئیں اور آخرت کی بھلائی میں حساب کا آسان ہونا، گھبراہٹ سے نجات پانا، نامہ اعمال کا دائیں ہاتھ میں ملنا، سرخرو ہونا، بالا عزت کے ساتھ جنت میں داخل ہونا سب آگیا۔ پھر اس کے بعد عذاب جہنم سے نجات چاہنا۔ اس سے یہ مطلب ہے کہ ایسے اسباب اللہ تعالیٰ مہیا کر دے مثلاً حرام کاریوں سے اجتناب، گناہ اور بدیوں کا ترک وغیرہ، قاسمؓ فرماتے ہیں جسے شکر اور ذکر کرنے والی زبان اور صبر کرنے والا جسم مل گیا، اسے دنیا اور آخرت کی بھلائی مل گئی اور عذاب سے نجات پا گیا۔ بخاری میں ہے کہ آنحضرت ﷺ اس دعا کو بکثرت پڑھا کرتے تھے۔ اس حدیث میں رہنا سے پہلے اللہم بھی ہے۔ حضرت قتادہؓ نے حضرت انسؓ سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ زیادہ تر کس دعا کو پڑھتے تھے تو آپؐ نے جواب میں یہی دعا بتائی (احمد) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود بھی جب کبھی دعا مانگتے اس دعا کو نہ چھوڑتے چنانچہ حضرت ثابتؓ نے ایک مرتبہ کہا کہ حضرت آپ کے یہ بھائی چاہتے ہیں کہ آپ ان کے لئے دعا کریں۔ آپ نے یہی دعا اللہم اتنا فی الدنیا الخ پڑھی۔ پھر کچھ دیر بیٹھے اور بات چیت کرنے کے بعد جب وہ جانے لگے تو پھر دعا کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا کیا تم ٹکڑے کرنا چاہتے ہو۔ اس دعا میں تو تمام بھلائیاں آگئیں (ابن ابی حاتم) آنحضرت ﷺ ایک مسلمان بیمار کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔ دیکھا کہ وہ بالکل دبا پتلا ہو رہا ہے۔ صرف

ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ گیا ہے آپؐ نے پوچھا کیا تم کوئی دعا بھی اللہ تعالیٰ سے مانگا کرتے تھے؟ اس نے کہا۔ ہاں میری یہ دعا تھی کہ الہی جو عذاب تو مجھے آخرت میں کرنا چاہتا ہے وہ دنیا میں ہی کر ڈال! آپؐ نے فرمایا سبحان اللہ کسی میں ان کے برداشت کی طاقت بھی ہے؟ تو نے یہ دعا ربنا اتنا (آخر تک) کیوں نہ پڑھی؟ چنانچہ بیمار نے اب سے اسی دعا کو پڑھنا شروع کیا اور اللہ تعالیٰ نے اسے شفا دے دی (احمد) رکن نبی حج اور رکن اسود کے درمیان حضور علیہ السلام اس دعا کو پڑھا کرتے تھے (ابن ماجہ وغیرہ) لیکن اس کی سند میں ضعف ہے۔ واللہ اعلم۔ آپؐ فرماتے ہیں میں جب کبھی رکن کے پاس سے گذرتا ہوں دیکھتا ہوں کہ وہاں فرشتہ ہے اور وہ آمین کہہ رہا ہے۔ تم جب کبھی یہاں سے گذرو تو ربنا اتنا پڑھا کرو (ابن مردویہ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک شخص نے آ کر پوچھا کہ میں نے ایک قافلہ کی ملازمت کر لی ہے۔ اس اجرت پر وہ مجھے اپنے ساتھ سواری پر سوار کر لیں اور حج کے موقع پر مجھے وہ رخصت دے دیں کہ میں حج ادا کر لوں ویسے اور دنوں میں میں ان کی خدمت میں لگا رہوں تو فرمائیے کیا اس طرح میرا حج ادا ہو جائے گا۔ آپؐ نے فرمایا ہاں بلکہ تو ان لوگوں میں سے ہے جن کے بارے میں فرمان ہے اولئک لہم نصیب (مستدرک حاکم)

وَاذْكُرُوا اللَّهَ فِي أَيَّامٍ مَّعْدُودَاتٍ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِي يَوْمَيْنِ  
فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ وَمَنْ تَأَخَّرَ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ لِمَنِ اتَّقَىٰ وَاتَّقُوا  
اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ تَحْشَرُونَ ﴿۲۰۳﴾

اللہ تعالیٰ کی یاد ان گنتی کے چند دنوں میں کرتے رہا کرو دونوں کی جلدی کرنے والے پر بھی کوئی گناہ نہیں اور جو پیچھے رہ جائے اس پر بھی کوئی گناہ نہیں۔ یہ پرہیز گاروں کے لئے ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو اور جان رکھو کہ تم سب اسی کی طرف جمع کئے جاؤ گے ○

ایام تشریق ☆ ☆ (آیت: ۲۰۳) ایام معدودات سے مراد ایام تشریق اور ایام معلومات سے مراد ذی الحجہ کے دس دن ہیں ذکر اللہ سے مراد یہ ہے کہ ایام تشریق میں فرض نمازوں کے بعد اللہ اکبر اللہ اکبر کہیں۔ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں عرفہ کا دن قربانی کا دن اور ایام تشریق ہمارے یعنی اہل اسلام کی عید کے دن ہیں اور یہ دن کھانے پینے کے ہیں (احمد) اور حدیث میں ہے ایام تشریق کھانے پینے اور اللہ کا ذکر کرنے کے ہیں (احمد) پہلے یہ حدیث بھی بیان ہو چکی ہے کہ عرفات ساری ٹھہرنے کی جگہ ہے اور ایام تشریق سب قربانی کے دن ہیں اور یہ حدیث بھی پہلے گذر چکی ہے کہ منی کے دن تین ہیں۔ دونوں میں جلدی یا دیر کرنے والے پر کوئی گناہ نہیں، ابن جریر کی ایک حدیث میں ہے کہ ایام تشریق کھانے اور ذکر اللہ کرنے کے دن ہیں حضور علیہ السلام نے عبد اللہ بن حذافہؓ کو بھیجا کہ وہ منی میں گھوم کر منادی کر دیں کہ ان دنوں کوئی روزہ نہ رکھیں۔ یہ دن کھانے پینے اور اللہ کا ذکر کرنے کے ہیں ایک اور مرسل روایت میں اتنا زیادہ ہے کہ مگر جس پر قربانی کے بدلے روزے ہوں اس کے لئے یہ زائد نیکی ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ منادی بشر بن حنیمؓ تھے۔ اور حدیث میں ہے کہ آپؐ نے ان دنوں کے روزوں کی ممانعت فرمائی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور علیہ السلام کے سفید خچر پر سوار ہو کر شعب انصار میں کھڑے ہو کر یہ حکم سنایا تھا کہ گوئیہ دن روزوں کے نہیں بلکہ کھانے پینے اور ذکر اللہ کرنے کے ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں ایام معدودات ایام تشریق ہیں اور یہ چار دن ہیں۔ دسویں ذی الحجہ اور تین دن اس کے بعد کے یعنی

دس سے تیرہ تک - ابن عمرؓ ابن زبیرؓ ابو موسیٰؓ عطاء مجاہدؓ عکرمہؓ سعید بن جبیرؓ ابو مالکؓ ابراہیم نخعیؓ یحییٰ بن ابی کثیرؓ حسنؓ قتادہؓ سدیؓ زہریؓ ربیع بن انسؓ ضحاکؓ مقاتل بن حیانؓ عطاء خراسانیؓ امام مالک رحمہ اللہ وغیرہ بھی یہی فرماتے ہیں۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں یہ تین دن ہیں دسویں گیارہویں اور بارہویں۔ ان میں جب چاہو قربانی کرو لیکن افضل پہلا دن ہے مگر مشہور قول یہی ہے اور آیت کریمہ کے الفاظ کی ظاہری دلالت بھی اسی پر ہے کیونکہ دو دن میں جلدی یا دیر معاف ہے تو ثابت ہوا کہ عید کے بعد تین دن ہونے چاہئیں اور ان دنوں میں اللہ کا ذکر کرنا قربانیوں کے ذبح کے وقت ہے اور یہ بھی پہلے بیان ہو چکا ہے کہ رائج مذہب اس میں حضرت امام شافعیؒ کا ہے کہ قربانی کا وقت عید کے دن سے ایام تشریق کے ختم ہونے تک ہے اور اس سے مراد نمازوں کے بعد کا مقررہ ذکر بھی ہے اور ویسے عام طور پر یہی اللہ کا ذکر مراد ہے اور اس کے مقررہ وقت میں گو علماء کرام کا اختلاف ہے لیکن زیادہ مشہور قول جس پر عمل درآمد بھی ہے یہ ہے کہ عرفے کی صبح سے ایام تشریق کے آخر دن کی عصر کی نماز تک اس بارے میں ایک مرفوع حدیث بھی دارقطنی میں ہے لیکن اس کا مرفوع ہونا صحیح نہیں۔ واللہ اعلم۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے خیمہ میں بگیر کہتے اور آپ کی بگیر پر بازار والے لوگ بگیر کہتے یہاں تک کہ منی کا میدان گونگ اٹھتا اسی طرح یہ مطلب بھی ہے کہ شیطانوں کو کنکریاں مارنے کے وقت بگیر اور اللہ کا ذکر کیا جائے جو ایام تشریق کے ہر دن ہوگا۔ ابوداؤد وغیرہ میں حدیث ہے کہ بیت اللہ کا طواف صفا و مروہ کی سعی شیطانوں کو کنکریاں مارنی یہ سب اللہ تعالیٰ کے ذکر کو قائم کرنے کے لئے ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے حج کی پہلی اور دوسری واپسی کا ذکر کیا اور اس کے بعد لوگ ان پاک مقامات کو چھوڑ کر اپنے اپنے شہروں اور مقامات کو لوٹ جائیں گے اس لئے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو اور یقین رکھو کہ تمہیں اس کے سامنے جمع ہونا ہے۔ اسی نے تمہیں زمین میں پھیلایا۔ پھر وہی سمیٹ لے گا۔ پھر اسی کی طرف حشر ہوگا پس جہاں کہیں ہو اس سے ڈرتے رہا کرو۔

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَعْجِبُ قَوْلُهُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيُشْهَدُ اللَّهُ عَلَىٰ مَا فِي قَلْبِهِ ۖ وَهُوَ أَلَدُّ الْخِصَامِ ۚ وَإِذَا تَوَلَّىٰ سَعَىٰ فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْفُسَادَ ۚ

بعض لوگوں کی دنیوی غرض کی باتیں آپ کو خوش کر دیتی ہیں اور وہ اپنے دل کی باتوں پر اللہ کو گواہ کرتا جاتا ہے حالانکہ دراصل وہ زبردست مجھڑا ہے ○ جب وہ لوٹ کر جاتا ہے تو زمین میں فساد پھیلانے کی اور کھیتی اور نسل کی بربادی کی کوشش میں لگا رہتا ہے اللہ تعالیٰ فساد کو ناپسند رکھتا ہے ○

دل بھڑیلوں کے اور کھال انسانوں کی ☆ ☆ (آیت: ۲۰۴-۲۰۵) سدیؒ کہتے ہیں کہ یہ آیت اخنسن ابن شریق ثقفی کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ یہ منافق شخص تھا۔ ظاہر میں مسلمان تھا، لیکن باطن میں مخالف تھا۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ منافقوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جنہوں نے حضرت ضعیبؓ اور ان کے ساتھیوں کی برائیاں کی تھیں جو رجیع میں شہید کئے گئے تھے تو ان شہداء کی تعریف میں من بشریؒ والی آیت اتری اور ان منافقین کی مذمت کے بارے میں مِّنْ يَّعْجِبُ قَوْلُهُ والی آیت نازل ہوئی، بعض کہتے ہیں کہ یہ آیت عام ہے۔ تمام منافقوں کے بارے میں پہلی اور دوسری آیت ہے اور تمام مومنوں کی تعریف کے بارے میں تیسری آیت ہے قتادہؓ وغیرہ کا قول یہی ہے اور یہی صحیح ہے حضرت نوف بکالی جو قوماۃ و انجیل کے بھی عالم تھے فرماتے ہیں کہ میں اس امت کے بعض لوگوں کی برائیاں اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب میں پاتا ہوں۔ لکھا ہے کہ بعض لوگ دین کے حیلے سے دنیا کماتے ہیں۔ ان کی زبانیں تو شہد سے زیادہ میٹھی ہیں

لیکن دل الیلے (مصر) سے زیادہ کڑوے ہیں۔ لوگوں کے لئے بکریوں کی کھالیں پہنتے ہیں لیکن دل ان کے بھیڑیوں جیسے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: کیا وہ مجھ پر جرات کرتے ہیں اور میرے ساتھ دھوکے بازیاں کرتے ہیں۔ مجھے اپنی ذات کی قسم کہ میں ان پر وہ فتنہ بھیجوں گا کہ بردبار لوگ بھی حیران رہ جائیں گے، قرطبی کہتے ہیں: میں نے غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ منافقوں کا وصف ہے اور قرآن میں بھی موجود ہے۔ پڑھئے آیت وَمِنَ النَّاسِ مَن يُعْجِبُكَ اِلٰحُ حَضْرَتِ سَعِيد نے بھی جب یہ بات اور کتابوں سے حوالے سے بیان کی تو حضرت محمد بن کعبؓ نے یہی فرمایا تھا کہ یہ قرآن شریف میں بھی ہے اور اسی آیت کی تلاوت کی تھی۔ سعید کہنے لگے: میں جانتا ہوں کہ یہ آیت کس کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ آپ نے فرمایا سنئے۔ آیت شان نزول کے اعتبار سے گو کسی کے بارے میں ہی ہو لیکن حکم کے اعتبار سے عام ہوتی ہے۔ ابن تحصن کی قرات میں یٰ شَہِدُ اللہ ہے تو معنی یہ ہوں گے کہ گودہ اپنی زبان سے کچھ ہی کہے لیکن اس کے دل کا حال اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے جیسے اور جگہ ہے اِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ اِلٰحُ یعنی منافق تیرے پاس آ کر تیری نبوت کی گواہی دیتے ہیں۔ اللہ جانتا ہے کہ تو اس کا رسول ہے لیکن اللہ کی گواہی ہے کہ یہ منافق یقیناً جھوٹے ہیں، لیکن جمہور کی قرات یٰ شَہِدُ اللہ ہے تو معنی یہ ہوئے کہ لوگوں کے سامنے تو اپنی خیانت چھپاتے ہیں لیکن اللہ کے سامنے ان کے دل کا کفر و نفاق ظاہر ہے، جیسے اور جگہ ہے یَسْتَخْفُونَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُونَ مِنَ اللّٰهِ اِلٰحُ یعنی لوگوں سے چھپاتے ہیں لیکن اللہ سے نہیں چھپا سکتے، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ لوگوں کے سامنے اسلام ظاہر کرتے ہیں اور ان کے سامنے قسمیں کھا کر باور کراتے ہیں کہ جو ان کی زبان پر ہے وہی ان کے دل میں ہے، صحیح معنی آیت کے یہی ہیں کہ عبدالرحمن بن زید اور مجاہدؓ سے بھی یہی مروی ہے، ابن جریرؒ بھی اسی کو پسند فرماتے ہیں۔

”الد“ کے معنی لغت میں ہیں سخت ٹیڑھا، جیسے اور جگہ ہے وَتَنْذِرُ بِهِ قَوْمًا لِّذٰلٰہِیْ حَالَتِ منافق کی ہے کہ وہ اپنی جہت میں جھوٹ بولتا ہے اور حق سے ہٹ جاتا ہے، سیدھی بات چھوڑ دیتا ہے اور افسر اور بہتان بازی کرتا ہے اور گالیاں بکتا ہے، صحیح حدیث میں ہے کہ منافق کی تین نشانیاں ہیں: جب بات کرے جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے بیوفائی کرے، جب جھگڑا کرے گالیاں بکے، ایک اور حدیث میں ہے سب سے زیادہ برا شخص اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ ہے جو سخت جھگڑا کرے، اس کی کئی ایک سندیں ہیں۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ جس طرح یہ بڑے اقوال والا ہے اسی طرح افعال بھی اس کے بدترین ہیں تو قول تو یہ ہے لیکن فعل اس کے سراسر خلاف ہے، عقیدہ بالکل فاسد ہے۔

نماز اور ہماری رفتار: ☆☆ سہمی سے مراد یہاں قصد ہے جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ثُمَّ اِذْ یَرْسُیْ اِلٰحُ اور فرمان ہے فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ یعنی جمعہ کی نماز کا قصد و ارادہ کرو یہاں سہمی کے معنی دوڑنے کے نہیں کیونکہ نماز کے لئے دوڑ کر جانا ممنوع ہے، حدیث شریف میں ہے جب تم نماز کے لئے آؤ تو دوڑتے ہوئے نہ آؤ بلکہ سکیٹ دو قار کے ساتھ آؤ۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰہَ أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ فَحَسْبُهُ جَهَنَّمُ  
وَلَيْسَ الْمِهَادُ مِنَ النَّاسِ مَن يَشْرِیْ نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ  
اللّٰہِ وَاللّٰہُ رَؤُوفٌ بِالْعِبَادِ

اور جب اس سے کہا جائے کہ اللہ سے ڈر تو تکبر اور تعصب اسے گناہ پر آمادہ کر دیتا ہے۔ ایسے کو جہنم ہی بس ہے اور یقیناً وہ بدترین جگہ ہے ○ اور بعض لوگ وہ بھی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی طلب میں اپنی جان تک بیچ ڈالتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بڑی شفقت کرنے والا ہے ○

منافقوں کا مزید تعارف: ☆☆ (آیت: ۲۰۶-۲۰۷) غرض یہ کہ ان منافقوں کا قصد زمین میں فساد پھیلانا، کھیتی باڑی، زمین کی پیداوار اور حیوانوں کی نسل کو برباد کرنا ہی ہوتا ہے۔ یہ بھی معنی مجاہد سے مروی ہیں کہ ان لوگوں کے نفاق اور ان کی بدکرداریوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ بارش کو روک لیتا ہے جس سے کھیتوں کو اور جانوروں کو نقصان پہنچتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو جو بانی فساد ہوں ناپسند کرتا ہے۔ ان بدکرداروں کو جب وعظ و نصیحت کے ذریعہ سمجھایا جائے تو یہ اور بھڑک اٹھتے ہیں اور مخالفت کے جوش میں گناہوں پر اور آمادہ ہو جاتے ہیں جیسے اور جگہ ہے و اذا تلتی علیہم آیاتنا بینات تعرف فی وجوہ الذین کفروا المنکر الخ یعنی اللہ تعالیٰ کے کلام کی آیتیں جب ان کے سامنے تلاوت کی جاتی ہیں تو ان کافروں کے منہ چڑھ جاتے ہیں اور پڑھنے والوں پر جھپٹتے ہیں، سنو اس سے بھی بڑھ کر سنو۔ کافروں کے لئے ہمارا فرماں جہنم کا ہے جو بدترین جگہ ہے۔ یہاں بھی یہی فرمایا کہ انہیں جہنم کافی ہے یعنی سزا میں وہ بدترین اوڑھنا بچھونا ہے۔

مومن کون؟ ☆☆ منافقوں کی مذموم خصلتیں بیان فرما کر اب مومنوں کی تعریفیں ہو رہی ہیں یہ آیت حضرت صہیب بن سنان رومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ یہ مکہ میں مسلمان ہوئے تھے۔ جب مدینہ کی طرف ہجرت کرنی چاہی تو کافروں نے ان سے کہا کہ ہم تمہیں مال لے کر نہیں جانے دیں گے۔ اگر تم مال چھوڑ کر جانا چاہتے ہو تو تمہیں اختیار ہے، آپ نے سب مال سے علیحدگی کر لی اور کفار نے اس پر قبضہ کر لیا اور آپ نے ہجرت کی، جس پر یہ آیت اتری۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور صحابہ کرامؓ کی ایک بڑی جماعت آپ کے استقبال کے لئے حرہ تک آئی اور مبارکبادیاں دیں کہ آپ نے بڑا اچھا بیو پار کیا۔ بڑے نفع کی تجارت کی، آپ یہ سن کر فرمانے لگے اللہ تعالیٰ آپ کی تجارتوں کو بھی نقصان دالی نہ کرے۔ آخر بتلاؤ تو یہ مبارکبادیاں کیا ہیں۔ ان بزرگوں نے فرمایا، آپ کے بارے میں حضور ﷺ پر یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ جب حضورؐ کے پاس پہنچے تو آپ نے بھی یہی خوشخبری سنائی۔ قریش نے ان سے کہا تھا کہ جب آپ مکہ میں آئے، آپ کے پاس مال نہ تھا، یہ سب مال یہیں کمایا۔ اب اس مال کو لے کر ہم جانے نہ دیں گے چنانچہ آپ نے مال کو چھوڑا اور دین لے کر خدمت رسولؐ میں حاضر ہو گئے۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ جب آپ ہجرت کے ارادے سے نکلے اور کفار مکہ کو علم ہوا تو سب نے آن کر گھیر لیا۔ آپ نے اپنے ترکش سے تیر نکال لئے اور فرمایا اے مکہ والو تم خوب جانتے ہو کہ میں کیسا تیر انداز ہوں۔ میرا ایک نشانہ بھی خطا نہیں جاتا۔ جب تک یہ تیر ختم نہ ہوں گے، میں تم کو چھیدتا رہوں گا، اس کے بعد تلوار سے تم سے لڑوں گا اور اس میں بھی تم میں سے کسی سے کم نہیں ہوں۔ جب تلوار کے بھی ٹکڑے ہو جائیں گے، پھر تم میرے پاس آ سکتے ہو۔ پھر جو چاہو کر لو۔ اگر یہ تمہیں منظور ہے تو بسم اللہ ورنہ سنو میں تمہیں اپنا کل مال دیئے دیتا ہوں۔ سب لے لو اور مجھے جانے دو۔ وہ مال لینے پر رضامند ہو گئے اور اس طرح آپ نے ہجرت کی، آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچنے سے پہلے ہی وہاں بذریعہ وحی یہ آیت نازل ہو چکی تھی۔ آپ کو دیکھ کر حضورؐ نے مبارک باد دی، اکثر مفسرین کا یہ قول بھی ہے کہ یہ آیت عام ہے۔ ہر مجاہد فی سبیل اللہ کی شان ہے جیسے اور جگہ ہے ان اللہ اشتری من المومنین انفسہم و اموالہم بان لہم الجنۃ الخ یعنی اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی جانیں اور مال خرید لئے ہیں اور ان کے بدلے جنت دے دی ہے۔ یہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں، مارتے بھی ہیں اور شہید بھی ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ سچا عہد و راقۃ و انجیل اور قرآن میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ سے زیادہ سچے عہد والا اور کون ہوگا۔ تم اے ایماندارو اس خرید و فروخت اور دالے بدلے سے خوش ہو جاؤ۔ یہی بڑی کامیابی ہے، حضرت ہشام بن عامرؓ نے جبکہ کفار کی دونوں صفوں میں گھس کر ان پر یکہ و تنہا بے پناہ حملہ کر دیا تو بعض لوگوں نے اسے خلاف شرع سمجھا۔ لیکن حضرت عمرؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ وغیرہ نے ان کی تردید کی اور اسی آیت من یشری کی تلاوت کر کے سنادی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً وَلَا تَتَّبِعُوا  
خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ ۝ فَإِنْ زَلَلْتُمْ مِنْ بَعْدِ  
مَآجَاءِ تَكْمُرِ الْبَيْتِ فَأَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝

ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدموں کی تابعداری نہ کرو وہ تمہارا کھلا دشمن ہے ○ اگر تم باوجود تمہارے پاس دلیلیں آجانے کے بھی پھسل جاؤ تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ غلبہ والا اور حکمت والا ہے ○

مکمل اطاعت ہی مقصود ہے: ☆☆ (آیت ۲۰۸-۲۰۹) اللہ تعالیٰ اپنے اوپر ایمان لانے والوں اور اپنے نبی کی تصدیق کرنے والوں سے ارشاد فرماتا ہے کہ وہ کُل احکام کو بجالائیں۔ کُل ممنوعات سے بچ جائیں۔ کُل شریعت پر عمل کریں۔ سِلْم سے مراد اسلام ہے۔ اطاعت اور صلح جوئی بھی مراد ہے۔ کافہ کے معنی سب کے سب پورے پورے، عکرمہ کا قول ہے کہ حضرت عبد اللہ بن سلامؓ اسد بن عبیدہؓ مقلیدہؓ وغیرہ جو یہود سے مسلمان ہوئے تھے انہوں نے حضورؐ سے گزارش کی، ہمیں ہفتہ کے دن کی عزت کی اور راتوں کے وقت توراۃ پر عمل کرنے کی اجازت دی جائے جس پر یہ آیت اتری کہ اسلامی احکام پر عمل کرتے رہو لیکن اس میں حضرت عبد اللہؓ کا نام کچھ ٹھیک نہیں معلوم ہوتا۔ وہ اعلیٰ عالم تھے اور پورے مسلمان تھے۔ انہیں مکمل طور پر معلوم تھا کہ ہفتہ کے دن کی عزت منسوخ ہو چکی ہے۔ اس کی بجائے اسلامی عید جمعہ کے دن کی مقرر ہو چکی ہے۔ پھر ناممکن ہے کہ وہ ایسی خواہش میں اوروں کا ساتھ دیں، بعض مفسرین نے ”کافہ“ کو حال کہا ہے یعنی تم سب کے سب اسلام میں داخل ہو جاؤ لیکن پہلی بات زیادہ صحیح ہے یعنی اپنی طاقت بھر اسلام کے کل احکام کو مانو، حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ بعض اہل کتاب باوجود ایمان لانے کے توراۃ کے بعض احکام پر جے ہوئے تھے۔ ان سے کہا جاتا ہے کہ محمدی دین میں پوری طرح آ جاؤ۔ اس کا کوئی عمل نہ چھوڑو۔ توراۃ پر صرف ایمان رکھنا کافی ہے۔ پھر فرمان ہے کہ اللہ کی اطاعت کرتے رہو۔ شیطان کی نہ مانو۔ وہ تو برائیوں اور بدکاریوں کو اور اللہ پر بہتان باندھنے کو کہتا ہے۔ اس کی اور اس کے گروہ کی تو خواہش یہ ہے کہ تم جنہی بن جاؤ وہ تمہارا حکم کھلا دشمن ہے۔ اگر تم دلائل معلوم کرنے کے بعد بھی حق سے ہٹ جاؤ تو جان رکھو کہ اللہ بھی بدلہ لینے میں غالب ہے نہ اس سے کوئی بھاگ کر بچ سکے نہ اس پر کوئی غالب ہے۔ اپنی پکڑ میں وہ حکیم ہے۔ اپنے امر میں وہ کفار پر غلبہ رکھتا ہے اور عذر و حجت کو کاٹ دینے میں حکمت رکھتا ہے۔

هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ فِي ظُلَلٍ مِنَ الْغَمَامِ  
وَالْمَلَائِكَةُ وَقُضِيَ الْأَمْرُ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ۝

کیا لوگوں کو اس بات کا انتظار ہے کہ ان کے پاس خود اللہ تعالیٰ ابر کے سائبانوں میں آ جائے اور فرشتے بھی اور کام انتہائیک پہنچا دیا جائے؟ اللہ ہی کی طرف تمام کام

لوٹائے جاتے ہیں ○

تذکرہ شفاعت: ☆☆ (آیت ۲۱۰) اس آیت میں اللہ تبارک و تعالیٰ کفار کو دھمکا رہا ہے کہ کیا انہیں قیامت ہی کا انتظار ہے جس دن حق کے ساتھ فیصلے ہو جائیں گے اور ہر شخص اپنے کئے کو بھگت لے گا جیسے اور جگہ ارشاد ہے کلا اذا دکت الارض الخ یعنی جب زمین کے ریزے ریزے اڑ جائیں گے اور تیرا رب خود آ جائے گا اور فرشتوں کی صفیں کی صفیں بندھ جائیں گی اور جہنم بھی لا کر کھڑی کر دی جائے گی اس دن یہ لوگ عبرت و نصیحت حاصل کریں گے لیکن اس سے کیا فائدہ؟ اور جگہ فرمایا هل ينظرون الا ان تاتيهم الملائكة الخ یعنی کیا



انہیں اس بات کا انتظار ہے کہ ان کے پاس فرشتے آئیں یا خود اللہ تعالیٰ آئے یا اس کی بعض نشانیاں آجائیں۔ اگر یہ ہو گیا تو پھر انہیں نہ ایمان نفع دے نہ نیک اعمال کا وقت رہے، امام ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہاں پر ایک لمبی حدیث لکھی ہے جس میں صور وغیرہ کا مفصل بیان ہے جس کے راوی حضرت ابو ہریرہؓ ہیں، مسند وغیرہ میں یہ حدیث ہے۔ اس میں ہے کہ جب لوگ گھبرا جائیں گے تو انبیاء علیہم السلام سے شفاعت طلب کریں گے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر ایک ایک پیغمبر کے پاس جائیں گے اور وہاں سے صاف جواب پائیں گے۔ یہاں تک کہ ہمارے نبی اکرم ﷺ کے پاس پہنچیں گے۔ آپؐ جواب دیں گے، میں تیار ہوں، میں ہی اس کا اہل ہوں۔ پھر آپؐ جائیں گے اور عرشِ تسلطہ میں گر پڑیں گے اور اللہ تعالیٰ سے سفارش کریں گے کہ وہ بندوں کا فیصلہ کرنے کے لئے تشریف لائے۔ اللہ تعالیٰ آپؐ کی شفاعت قبول فرمائے گا اور بادلوں کے سائبان میں آئے گا۔ دنیا کا آسمان ٹوٹ جائے گا اور اس کے تمام فرشتے آجائیں گے۔ پھر دوسرا بھی پھٹ جائے گا اور اس کے فرشتے بھی آجائیں گے اسی طرح ساتوں آسمان شق ہو جائیں گے اور ان کے فرشتے آجائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ کا عرش اترے گا اور بزرگ تر فرشتے نازل ہوں گے اور خود وہ جبار اللہ تشریف لائے گا۔ فرشتے سب کے سب تسبیح خوانی میں مشغول ہوں گے۔ ان کی تسبیح اس وقت یہ ہوگی سبحان ذی الملك والمملکوت، سبحان ذی العزۃ والجبروت سبحان الحی الذی لا یموت، سبحان الذی یمیت الخلائق ولا یموت، سبحان قدوس رب الملائکۃ والروح، سبحان قدوس، سبحان ربنا الاعلیٰ، سبحان ذی السلطان والعظمتہ، سبحانہ سبحانہ ابدًا ابدًا حافظ ابو بکر بن مردویہؒ بھی اس آیت کی تفسیر میں بہت سی احادیث لائے ہیں جن میں غرابت ہے۔ واللہ اعلم۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ حضورؐ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ اگلوں پچھلوں کو اس دن جمع کرے گا۔ جس کا وقت مقرر ہے۔ وہ سب کے سب کھڑے ہوں گے۔ آنکھیں پھرائی ہوئی اور اوپر کو لگی ہوئی ہوں گی۔ ہر ایک کو فیصلہ کا انتظار ہوگا اللہ تعالیٰ ابر کے سائبان میں عرش سے کسی پرندوں فرمائے گا۔ ابن ابی حاتم میں ہے، عبد اللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ جس وقت وہ اترے گا تو مخلوق اور اس کے درمیان ستر ہزار پردے ہوں گے۔ نور کی چکا چوند کے اور پانی کے اور پانی سے وہ آوازیں آرہی ہوں گی جس سے دل مل جائیں، زبیر بن جراحؓ فرماتے ہیں کہ وہ بادل کا سائبان یا قوت کا جزا ہوا اور جو روز برجد والا ہوگا، حضرت مجاہدؓ فرماتے ہیں یہ بادل معمولی بادل نہیں بلکہ یہ وہ بادل ہے جو بنی اسرائیل کے سروں پر وادی تب میں تھا ابو العالیہؓ فرماتے ہیں فرشتے بھی بادل کے سائے میں آئیں گے اور اللہ تعالیٰ جس میں چاہے آئے گا چنانچہ بعض قراتوں میں یوں بھی ہے هل ينظرون الا ان یاتیہم اللہ فی ظلل من الغمام والملائکۃ یمسہ اور جگہ ہے ویوم تشق السماء بالغمام ونزل الملائکۃ تنزیلاً یعنی اس دن آسمان بادل سمیت پھٹے گا اور فرشتے اتر آئیں گے۔

سَلْ بَنِي إِسْرَآئِيلَ كَمَا آتَيْنَهُمْ مِّنْ آيَةٍ بَيِّنَةٍ ۖ وَمَنْ يُبَدِّلْ  
نِعْمَةَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُ فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝ زُيِّنَ  
لِلَّذِينَ كَفَرُوا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُونَ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا  
وَالَّذِينَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ۖ وَاللَّهُ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ  
حِسَابٍ ۝

بنی اسرائیل سے پوچھو تو کہ ہم نے انہیں کس قدر روشن نشانیاں عطا فرمائیں۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو اپنے پاس پہنچ جانے کے بعد بدل ڈالے (وہ جان لے) کہ اللہ تعالیٰ بھی سخت عذابوں والا ہے ○ کافروں کے لئے دنیا کی زندگی خوب زینت و دار کی گئی وہ ایمانداروں سے ہنسی مذاق کرتے ہیں حالانکہ پرہیزگار لوگ قیامت کے دن ان سے اعلیٰ ہوں گے اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب روزی دیتا ہے ○

احسان فراموش بنی اسرائیل اور ترغیب صدقات: ☆ ☆ (آیت: ۲۱۱-۲۱۲) اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ دیکھو بنی اسرائیل کو میں نے بہت سے معجزات دکھلا دیئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں کی لکڑی ان کے ہاتھ کی روشنی ان کے لئے دریا کو چیر دینا ان پر سخت گرمیوں میں ابر کا سایہ کرنا من و سلوی اتارنا وغیرہ وغیرہ جن سے میرا خود مختار فاعل کل ہونا صاف ظاہر تھا اور میرے نبی حضرت موسیٰ کی نبوت کی کھلی تصدیق تھی لیکن تاہم ان لوگوں نے میری ان نعمتوں کا کفر کیا اور بجائے ایمان کے کفر پراڑے رہے اور میری نعمتوں پر بجائے شکر کے ناشکری کی۔ پھر بھلا میرے سخت عذابوں سے یہ کیسے بچ سکتے؟ یہی خبر کفار قریش کے بارے میں بھی بیان فرمائی ہے۔ ارشاد ہے الم تر الی الذین بدلوا نعمة الله كفرا الخ کیا تو نے ان لوگوں کو دیکھا جنہوں نے اللہ کی نعمت کو کفر سے بدل دیا اور اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر یعنی جہنم جیسی بدترین قرار گاہ میں پہنچا دیا۔

پھر بیان ہوتا ہے کہ یہ کفار صرف دنیا کی زندگی پر دیوانے ہوئے ہیں۔ مال جمع کرنا اور اللہ کی راہ کے خرچ میں بخل کرنا یہی ان کا رنگ ڈھنگ ہے بلکہ جو ایمان دار اس دنیا سے سیوٹم ہیں اور پروردگار کی رضا مندی میں اپنے مال لٹاتے رہتے ہیں یہ ان کا مذاق اڑاتے ہیں حالانکہ حقیقی نصیب والے یہی لوگ ہیں۔ قیامت کے دن ان کے مرتبے دیکھ کر ان کافروں کی آنکھیں کھل جائیں گی۔ اس وقت اپنی بدتری اور ان کی برتری دیکھ کر معاملہ کی اونچ نیچ سمجھ میں آ جائے گی۔ دنیا کی روزی جسے اللہ جتنی چاہے دے دے۔ جسے چاہے بے حساب دے بلکہ جسے چاہے یہاں بھی دے اور پھر وہاں بھی دے حدیث شریف میں ہے اے ابن آدم تو میری راہ میں خرچ کر میں تجھے دیتا چلا جاؤں گا۔ آپ نے حضرت بلالؓ سے فرمایا راہ اللہ میں دیئے جاؤ اور عرش والے سے تنگی کا خوف نہ کرو۔ قرآن میں ہے وما انفقم من شئ یخلفہ تم جو کچھ خرچ کرو اللہ اس کا بدلہ دے گا۔ صحیح حدیث میں ہے ہر منج و فرشتے اترتے ہیں۔ ایک دعا کرتا ہے اللہ میری راہ میں خرچ کرنے والے کو عزت عطا فرما۔ دوسرا کہتا ہے بخل کے مال کو برباد کر۔ ایک اور حدیث میں ہے انسان کہتا رہتا ہے میرا مال میرا مال حالانکہ تیرا مال وہ ہے جسے تو نے کھالیا! وہ تو فنا ہو چکا اور جسے پہن لیا! وہ بوسیدہ ہو گیا۔ ہاں جو تو نے صدقہ میں دیا! اسے تو نے باقی رکھ لیا اس کے سوا جو کچھ ہے اسے تو تو دوسروں کے لئے چھوڑ کر یہاں سے چل دے گا۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے دنیا اس کا گھر ہے جس کا گھر نہ ہو دنیا اس کا مال ہے جس کا مال نہ ہو دنیا کے لئے جمع وہ کرتا ہے جسے عقل نہ ہو۔

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِينَ مُبَشِّرِينَ  
وَمُنْذِرِينَ وَأَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ  
فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلَّا الَّذِينَ أُوتُوهُ مِنْ بَعْدِ مَا  
جَاءَتْهُمْ الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ فَهَدَى اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا لِمَا اخْتَلَفُوا  
فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِهِ وَاللَّهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ

## مُسْتَقِیْمٌ

دراصل لوگ ایک ہی گروہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو خوشخبریاں دینے اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا اور ان کے ساتھ بھی کتاب نازل فرمائی تاکہ لوگوں کے ہر اختلافی امر کا فیصلہ ہو جائے اور صرف ان ہی لوگوں نے جو اسے دیئے گئے تھے اپنے پاس دلائل آچکنے کے بعد آپس کے بغض و عناد سے اس میں اختلاف کیا۔ پس اللہ پاک نے ایمان والوں کو اس اختلاف میں بھی حق کی طرف اپنے ارادہ سے رہبری کی اور اللہ تعالیٰ جس کی چاہے سیدھی راہ کی طرف رہبری کرتا ہے ○

آدم علیہ السلام سے حضرت نوح علیہ السلام تک: ☆ ☆ (آیت: ۲۱۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ حضرت نوحؑ اور حضرت آدمؑ کے درمیان دس زمانے تھے۔ ان زمانوں کے لوگ حق پر اور شریعت کے پابند تھے۔ پھر اختلاف ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا بلکہ آپ کی قرأت بھی یوں ہے کہ ان الناس امة واحدة فاختلَفوا فبعث الخ ابی بن کعب کی قرأت بھی یہی ہے۔ قتادہؒ نے بھی اس کی تفسیر اسی طرح کی ہے کہ جب ان میں اختلاف پیدا ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنا پہلا پیغمبر بھیجا یعنی حضرت نوح علیہ السلام حضرت مجاہد بھی یہی کہتے ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے ایک روایت مروی ہے کہ پہلے سب کے سب کافر تھے، لیکن اول قول معنی کے اعتبار سے بھی اور سند کے اعتبار سے بھی زیادہ صحیح ہے پس ان پیغمبروں نے ایمان والوں کو خوشیاں سنائیں اور ایمان نہ لانے والوں کو ڈرایا۔ ان کے ساتھ اللہ کتاب بھی تھی تاکہ لوگوں کے ہر اختلاف کا فیصلہ قانون الہی سے ہو سکے لیکن ان دلائل کے بعد بھی صرف آپس کے حسد و بغض، تعصب و ضد اور نفسانیت کی بنا پر پھر اتفاق نہ کر سکے لیکن ایمان دار سنبھل گئے اور اس اختلاف کے چکر سے نکل کر سیدھی راہ لگ گئے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ہم دنیا میں آنے کے اعتبار سے سب سے آگے ہوں گے۔ اہل کتاب کو کتاب اللہ ہم سے پہلے دی گئی۔ ہمیں اس کے بعد دی گئی لیکن انہوں نے اختلاف کیا اور اللہ پاک نے ہماری رہبری کی۔ جمعہ کے بارے میں بھی نا اتفاقی رہی۔ لیکن ہمیں ہدایت نصیب ہوئی۔ یہ شکل کے شکل اہل کتاب اس لحاظ سے بھی ہمارے پیچھے ہیں۔ جمعہ ہمارا ہے۔ ہفتہ یہودیوں کا اور اتوار نصرانیوں کا۔ زید بن اسلمؒ فرماتے ہیں جمعہ کے علاوہ قبلہ کے بارے میں بھی یہی ہوا نصاریٰ نے مشرق کو قبلہ بنایا۔ یہود نے بھی اُن میں سے بعض کی نماز رکوع ہے اور سجدہ نہیں۔ بعض کے ہاں سجدہ ہے اور رکوع نہیں۔ بعض نماز میں بولتے چلتے پھرتے رہتے ہیں لیکن امت محمدیؐ نماز سکون و وقار والی ہے۔ نہ یہ بولیں نہ چلیں پھریں۔ روزوں میں بھی اسی طرح اختلاف ہوا اور اس میں بھی امت محمدیؐ گودا ہدایت نصیب ہوئی۔ ان میں سے کوئی تو دن کے بعض حصے کا روزہ رکھتا ہے۔ کوئی گروہ بعض قسم کے کھانے چھوڑ دیتا ہے لیکن ہمارا روزہ ہر طرح کا مل ہے اور اس میں بھی راہ حق ہمیں سمجھائی گئی ہے۔ اسی طرح حضرت ابراہیمؑ کے بارے میں یہود نے کہا کہ وہ یہودی تھے۔ نصرانیوں نے انہیں نصاریٰ کہا لیکن دراصل وہ یکسر مسلمان تھے۔ پس اس بارے میں بھی ہماری رہبری کی گئی اور خلیل اللہ کی نسبت صحیح خیال تک ہم کو پہنچا دیا گیا۔ حضرت عیسیٰؑ کو بھی یہودیوں نے جھٹلایا اور ان کی والدہ ماجدہ کی نسبت بدکلامی کی۔ نصرانیوں نے انہیں اللہ اور اللہ کا بیٹا کہا لیکن مسلمان اس افراط و تفریط سے بچائے گئے اور انہیں روح اللہ کلّمہ اللہ اور نبی حق مانا۔

ربیع بن انسؒ فرماتے ہیں مطلب آیت کا یہ ہے کہ جس طرح ابتداء میں سب لوگ اللہ واحد کی عبادت کرنے والے نیکوں کے عامل برائیوں سے مجتنب تھے، سچ میں اختلاف رونما ہو گیا تھا، پس اس آخری امت کو اہل کی طرح اختلاف سے ہٹا کر صحیح راہ پر لگادیا۔ یہ امت اور امتوں پر گواہ ہوگی یہاں تک کہ امت نوح پر بھی ان کی شہادت ہوگی۔ قوم یہود قوم صالح، قوم شعیب اور آل فرعون کا بھی حساب کتاب انہی کی گواہیوں پر ہوگا۔ یہ کہیں گے کہ ان پیغمبروں نے تبلیغ کی اور ان امتوں نے تکذیب کی۔ حضرت ابی بن کعبؓ کی قرأت میں واللہ

بہدی الخ سے پہلے یہ لفظ بھی ہیں ولیکونوا شہداء علی الناس یوم القیامتہ الخ ابوالعالیہؒ فرماتے ہیں اس آیت میں گویا حکم ہے کہ شبہ سے گمراہی سے اور فتنوں سے بچنا چاہئے۔ یہ ہدایت اللہ کے علم اور اس کی رہبری سے ہوئی۔ وہ جسے چاہے راہ استقامت بچھا دیتا ہے۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ آنحضرت ﷺ رات کو جب تہجد کے لئے اٹھتے تو یہ دعا پڑھتے اللھم رب جبریل و میکائیل و اسرافیل فاطر السموت والارض عالم الغیب والشہادۃ انت تحكم بین عبادک فیما کانوا فیہ یختلفون اھدنی لما یختلف فیہ من الحق باذنک انک تھدی من تشاء الی صراط مستقیم ○ یعنی اے اللہ! اے جبریل میکائیل اور اسرافیل کے اللہ عزوجل! اے آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے والے الہ العالمین! اے چھپے کھلے کے جاننے والے اللہ جل شانہ! تو ہی اپنے بندوں کے آپس کے اختلافات کا فیصلہ کرتا ہے۔ میری دعا ہے کہ جس جس چیز میں یہ اختلاف کریں تو مجھے اس میں حق بات سمجھا۔ تو جسے چاہے راہ راست دکھا دیتا ہے حضورؐ سے ایک دعا یہ بھی منقول ہے اللھم ارنا الحق حقاً وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابہ ولا تجعلہ متلبساً علینا بفضل واجعلنا للمتقین اماماً ○ اے اللہ! ہمیں حق کو حق دکھا اور اس کی تابعداری نصیب فرما اور باطل کو باطل دکھا اور اس سے بچا۔ ایسا نہ ہو کہ حق و باطل ہم پر خلط ملط ہو جائے اور ہم بہت جائیں اے اللہ ہمیں نیکو کار اور پرہیزگار لوگوں کا امام بنا۔

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَأْسَاءُ وَالضَّرَاءُ وَزُلْزِلُوا حَتَّى يَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مَتَى نَصُرَ اللَّهُ أَلَا نَنْصُرَ اللَّهَ قَرِيبٌ

قَرِيبٌ

کیا تم یہ گمان کئے بیٹھے ہو کہ جنت میں چلے جاؤ گے؟ حالانکہ اب تک تم پر وہ حالات نہیں آئے جو تم سے اگلے لوگوں پر آئے تھے۔ انہیں بیماریاں اور مصیبتیں پہنچیں اور وہ یہاں تک جھنجھوڑے گئے کہ رسول اور اس کے ساتھ کے ایماندار کہنے لگے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی؟ سن رکھو کہ اللہ کی مدد قریب ہی ہے ○

ہم سب کو آزمائش سے گزرنا ہے: ☆☆ (آیت ۲۱۴) مطلب یہ ہے کہ آزمائش اور امتحان سے پہلے جنت کی آرزوئیں ٹھیک نہیں۔ اگلی امتوں کا بھی امتحان لیا گیا۔ انہیں بھی بیماریاں، مصیبتیں پہنچیں، باسائے کے معنی فقیری اور ضراء کے معنی سخت بیماری بھی کیا گیا ہے۔ (زلزلو) ان پر دشمنوں کا خوف اس قدر طاری ہوا کہ کانپنے لگے۔ ان تمام سخت امتحانوں میں وہ کامیاب ہوئے اور جنت کے وارث بنے۔ صحیح حدیث میں ہے ایک مرتبہ حضرت خباب بن ارت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ آپ ہماری امداد کی دعا نہیں کرتے؟ آپ نے فرمایا بس ابھی سے گھبرا اٹھے۔ سنو تم سے اگلے موحدون کو پکڑ کر ان کے سروں پر آرے رکھ دیئے جاتے تھے اور چیر کر مکمل دو ٹکڑے کر دیئے جاتے تھے لیکن وہ توحید و سنت سے نہ ہتھتے تھے۔ لوہے کی کنگھیوں سے ان کے گوشت پوست نوچے جاتے تھے لیکن وہ اللہ تعالیٰ کے دین کو نہیں چھوڑتے تھے۔ قسم اللہ کی اس میرے دین کو تو میرا رب اس قدر پورا کرے گا کہ بلا خوف و خطر صنعاء سے حضرموت تک سوار تبا سفر کرنے لگے گا۔ اسے سوائے اللہ کے کسی کا خوف نہ ہوگا البتہ دل میں یہ خیال ہونا اور بات ہے کہ کہیں میری بکریوں پر بھیڑیانہ پڑے لیکن افسوس تم جلدی

کرتے ہو۔ قرآن میں ٹھیک یہی مضمون دوسری جگہ ان الفاظ میں بیان ہوا ہے الم ○ حسب الناس ان یترکوا الخ کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ محض ایمان کے اقرار سے ہی چھوڑ دیئے جائیں گے اور ان کی آزمائش نہ ہوگی۔ ہم نے تو انگوں کی بھی آزمائش کی۔ بچوں کو اور جھوٹوں کو یقیناً ہم نکال کر رہیں گے چنانچہ اسی طرح صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی پوری آزمائش ہوئی۔ یوم الاحزاب یعنی جنگ خندق میں ہوئی جیسے خود قرآن پاک نے اس کا نقشہ کھینچا ہے فرمان ہے اذ جائوکم من فوقکم الخ یعنی جبکہ کافروں نے تمہیں اوپر نیچے سے گھیر لیا جبکہ آنکھیں پتھر اگئیں۔ دل حلقوں تک آگئے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ گمان ہونے لگے۔ اس جگہ مومنوں کی پوری آزمائش ہو گئی اور وہ خوب جھنجھوڑ دیئے گئے جبکہ منافق اور دھل مل یقین والے لوگ کہنے لگے کہ اللہ رسول کے وعدے تو غرور کے ہی تھے۔ ہر قل نے جب ابوسفیان سے ان کے کفر کی حالت میں پوچھا تھا کہ تمہاری کوئی لڑائی بھی اس دعویدار نبوت سے ہوئی ہے۔ ابوسفیان نے کہا ہاں۔ پوچھا۔ پھر کیا رنگ رہا۔ کہا کبھی ہم غالب رہے۔ کبھی وہ غالب رہے تو ہر قل نے کہا انبیاء کی اسی طرح آزمائش ہوتی رہتی ہے لیکن انجام کار کھلا غلبہ انہی کا ہوتا ہے۔

مثل کے معنی طریقہ کے ہیں جیسے اور جگہ ہے ومضى مثل الاولین ○ الخ اگلے مومنوں نے مع نبیوں کے ایسے وقت میں اللہ تعالیٰ کی مدد طلب کی اور سختی اور تنگی سے نجات چاہی جنہیں جواب ملا کہ اللہ تعالیٰ کی بہت ہی نزدیک ہے۔ جیسے اور جگہ ہے فان مع العسر يسرا ○ ان مع العسر يسرا الخ یقیناً سختی کی ساتھ آسانی ہے بُرائی کے ساتھ بھلائی ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ بندے جب ناامید ہونے لگتے ہیں تو اللہ تعالیٰ تعجب کرتا ہے کہ میری فریادری تو آج پہنچے کو ہے اور یہ ناامید ہوتا چلا جا رہا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ ان کی غلت اور اپنی رحمت کے قرب پر ہنس دیتا ہے۔

يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ قُلْ مَا أَنْفَقْتُ مِنْ خَيْرٍ فَلِلَّهِ الدِّينُ  
وَالْأَقْرَبِينَ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ  
خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ٥١

تھ سے پوچھتے ہیں کہ وہ کیا کچھ خرچ کریں۔ تو کہہ جو مال تم خرچ کر دو وہ مال باپ کے لئے ہے اور شتے داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے۔ تم جو کچھ بھلائی کرو گے اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ہے ○

نفلی خیرات: ☆ ☆ (آیت: ۲۱۵) مقاتل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ آیت نفلی خیرات کے بارے میں ہے۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں اسے آیت زکوٰۃ نے منسوخ کر دیا۔ لیکن یہ قول ذرا غور طلب ہے مطلب آیت کا یہ ہے کہ اے نبی لوگ تم سے سوال کرتے ہیں کہ وہ کس طرح خرچ کریں۔ تم انہیں کہہ دو کہ ان لوگوں سے سلوک کریں جن کا بیان ہوا۔ حدیث میں ہے اپنی ماں سے سلوک کر اور اپنے باپ اور اپنی بہن سے اور اپنے بھائی سے۔ پھر قرہمی لوگوں سے۔ یہ حدیث بیان فرما کر حضرت میمون بن مہران نے اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا یہ ہیں جن کے ساتھ مالی سلوک کیا جائے اور ان پر مال خرچ کیا جائے نہ کہ طلبوں باجوں تصویروں اور دیواروں پر کپڑا چسپاں کرنے میں۔ پھر ارشاد ہوتا ہے تم جو بھی نیک کام کرو اس کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے اور وہ اس پر بہترین بدلہ عطا فرمائے گا وہ ذرے برابر ظلم نہیں کرتا۔

کُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهُ لَكُمْ وَعَلَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا  
شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَلَىٰ أَنْ تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ  
وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ٢١٦

تم پر جہاد فرض کیا گیا گو وہ تمہیں دشوار معلوم ہو۔ ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو بری جانو اور دراصل وہی تمہارے لئے بھلی ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو اچھی سمجھو حالانکہ وہ تمہارے لئے بری ہو۔ حقیقی علم اللہ ہی کو ہے۔ تم محض بے خبر ہو ○

جہاد بقائے ملت کا بنیادی اصول: ☆☆ (آیت: ۲۱۶) دشمنان اسلام سے دین اسلام کے بچاؤ کے لئے جہاد کی فریضیت کا اس آیت میں حکم ہو رہا ہے۔ زہریٰ فرماتے ہیں جہاد ہر شخص پر فرض ہے خواہ لڑائی میں نکلے خواہ بیٹھا رہے۔ سب بھلیاں مض ہے کہ جب ان سے مدد طلب کی جائے تو وہ امداد کریں جب ان سے فریاد کی جائے یہ فریاد رسی کریں جب انہیں میدان میں بلایا جائے یہ نکل کھڑے ہوں۔ صحیح حدیث شریف میں ہے جو شخص مرجائے اور اس نے نہ تو جہاد کیا ہو نہ اپنے دل میں جہاد کی بات چیت کی ہو وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔ اور حدیث میں ہے فتح مکہ کے بعد ہجرت تو نہیں رہی لیکن جہاد اور نیت موجود ہے اور جب تم سے جہاد کے لئے نکلے کو کہا جائے تو نکل کھڑے ہو۔ یہ حکم آپؐ نے مکہ کی فتح کے دن فرمایا تھا۔

پھر فرمایا یہ حکم جہاد گو تم پر بھاری پڑے گا اور اس میں تمہیں مشقت اور تکلیف نظر آئے گی، ممکن ہے قتل بھی کئے جاؤ، ممکن ہے زخمی ہو جاؤ، پھر سفر کی تکلیف دشمنوں کی یورش کا مقابلہ ہو لیکن سمجھو تو ممکن ہے۔ تم برا جانو اور وہ تمہارے لئے اچھا ہو کیونکہ اسی سے تمہارا غلبہ اور دشمن کی پامالی ہے۔ ان کے مال، ان کے ملک بلکہ ان کے بال بچے تک بھی تمہارے قدموں میں گر پڑیں گے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تم کسی چیز کو اپنے لئے اچھا جانو اور وہی تمہارے لئے برا ہو۔ عموماً ایسا ہوتا ہے کہ انسان ایک چیز کو چاہتا ہے لیکن فی الواقع نہ اس میں مصلحت ہوتی ہے نہ خیر و برکت۔ اسی طرح گو تم جہاد نہ کرنے میں اچھائی سمجھو دراصل وہ تمہارے لئے زبردست برائی ہے کیونکہ اس سے دشمن تم پر غالب آجائے گا اور دنیا میں قدم نکالنے کو بھی تمہیں جگہ نہ ملے گی۔ تمام کاموں کے انجام کا علم محض پروردگار عالم کو ہی ہے۔ وہ جانتا ہے کہ کونسا کام تمہارے لئے انجام کے لحاظ سے اچھا ہے اور کونسا برا ہے۔ وہ اسی کام کا حکم دیتا ہے جس میں تمہارے لئے دونوں جہان کی بہتری ہو۔ تم اس کے احکام دل و جان سے قبول کر لیا کرو اور اس کے ہر حکم کو خندہ پیشانی سے مان لیا کرو۔ اسی میں تمہاری بھلائی اور عمدگی ہے۔

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ  
 وَصَدٌّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَكُفْرٌ بِهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَإِخْرَاجُ  
 أَهْلِهِ مِنْهُ أَكْبَرُ عِنْدَ اللَّهِ وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ وَلَا  
 يَزَالُونَ يَقَاتِلُونَكُمْ حَتَّى يَرُدُّوكُمْ عَنْ دِينِكُمْ إِنِ اسْتَطَاعُوا  
 وَمَنْ يَرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فِمَتَّ وَهُوَ كَافِرٌ فَأُولَٰئِكَ حَبِطَتْ  
 أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا  
 خَالِدُونَ ﴿٢١٧﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَجْهَهُمْ فِي سَبِيلِ  
 اللَّهِ أُولَٰئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَ اللَّهِ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٢١٨﴾

لوگ تجھ سے حرمت والے مہینوں میں لڑائی کی بابت سوال کرتے ہیں تو کہہ ان میں لڑائی کرنا بڑا گناہ ہے لیکن اللہ کی راہ سے روکنا اس کے ساتھ کھڑے کرنا اور مسجد حرام سے روکنا اور وہاں کے رہنے والوں کو وہاں سے نکالنا یہ اللہ کے نزدیک اس سے بھی بڑا ہے یہ فتنہ قتل سے بھی بڑا گناہ ہے یہ لوگ تم سے لڑائی بھڑائی کرتے ہی رہیں گے یہاں تک کہ اگر ان سے ہو سکے تو تمہیں تمہارے دین سے مرتد کر دیں اور تم میں سے جو لوگ اپنے دین سے پلٹ جائیں اور اسی کفر کی حالت میں مریں ان کے اعمال دنیوی اور اخروی سب غارت ہو جائیں گے۔ یہ لوگ جہنمی ہوں گے اور ہمیشہ جہنم میں ہی رہیں گے ○ ایمان لانے والے ہجرت کرنے والے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے ہی رحمت اللہ کے امیدوار ہیں اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بہت مہربانی کرنے والا ہے ○

حضری کا قتل: ☆☆ (آیت: ۲۱۷-۲۱۸) رسول اللہ ﷺ نے ایک جماعت کو بھیجا اور اس کا امیر حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بنایا جب وہ جانے لگے تو حضورؐ سے جدائی کے صدمہ سے رو دیئے۔ آپ نے انہیں روک لیا اور ان کے بدلے حضرت عبد اللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سردار لشکر مقرر کیا اور انہیں ایک خط لکھ کر دیا اور فرمایا کہ جب تک یمن نخلہ نہ پہنچو اس خط کو نہ پڑھنا اور وہاں پہنچ کر جب اس مضمون کو دیکھو تو ساتھیوں میں سے کسی کو اپنے ساتھ چلنے پر مجبور نہ کرنا چنانچہ حضرت عبد اللہؓ اس مختصری جماعت کو لے کر چلے جب اس مقام پر پہنچے تو فرمان نبیؐ پڑھا اور انا للہ الخ پڑھ کر کہا میں نے حضورؐ کے فرمان کو پڑھا اور میں فرمانبرداری کے لئے تیار ہوں۔ پھر اپنے ساتھیوں کو پڑھ کر سنایا اور واقعہ بیان کیا۔ دو شخص تو لوٹ گئے لیکن اور سب ساتھ چلنے کے لئے آمادہ ہو گئے۔ آگے چل کر ابن الحضرمی کا فرکو انہوں نے پایا۔ چونکہ یہ علم نہ تھا کہ جمادی الاخریٰ کا یہ آخری دن ہے یا ربیع الاول کا پہلا دن ہے۔ انہوں نے اس لشکر پر حملہ کر دیا۔ ابن الحضرمی مارا گیا اور صحابہؓ کی یہ جماعت وہاں سے واپس ہوئی۔

اب مشرکین نے مسلمانوں پر اعتراض شروع کیا کہ دیکھو انہوں نے حرمت والے مہینوں میں لڑائی کی اور قتل بھی کیا اس بارے میں یہ آیت اتری (ابن ابی حاتم) ایک اور روایت میں ہے کہ اس جماعت میں حضرت عمار بن یاسرؓ حضرت ابو حذیفہؓ بن عتبہؓ بن ربیعہؓ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ حضرت عتبہؓ بن غزوہؓ سلمیؓ حضرت سہیلؓ بن بیضاءؓ اور حضرت عامر بن فہیرہؓ اور حضرت واقد بن عبد اللہؓ یروی رضی اللہ

تعالیٰ عنہم تھے۔ لیکن نخلہ پہنچ کر حضرت عبداللہ جشؓ نے صاف فرما دیا تھا کہ جو شخص شہادت کا آرزو مند ہو وہی آگے بڑھے یہاں سے واپس جانے والے حضرت سعد ابی وقاصؓ اور عتبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما تھے ان کے ساتھ نہ جانے کی وجہ یہ ہوئی تھی کہ ان کا اونٹ گم ہو گیا تھا جس کے ڈھونڈنے میں وہ رہ گئے۔ مشرکین میں حکم بن کیسان، عثمان بن عبداللہ وغیرہ تھے حضرت واقعہ کے ہاتھوں عمرو قتل ہوا اور یہ جماعت مال غنیمت لے کر واپس لوٹی۔ یہ پہلی غنیمت تھی جو مسلمان صحابہؓ کو ملی اور یہ جاننا ز جماعت دو قیدیوں کو اور مال غنیمت لے کر واپس آئی مشرکین مکہ نے قیدیوں کا فدیہ ادا کرنا چاہا اور انہوں نے اعتراضاً کہا کہ دیکھو حضرت کا دعویٰ یہ ہے کہ وہ اللہ کے اطاعت گزار ہیں لیکن حرمت والے مہینوں کی کوئی حرمت نہیں کرتے اور ماہ رجب میں جدال و قتال کرتے ہیں مسلمان کہتے تھے کہ ہم نے رجب میں قتل نہیں کیا بلکہ جمادی الاخریٰ میں لڑائی ہوئی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ رجب کی پہلی رات اور جمادی الاخریٰ کی آخری شب تھی رجب شروع ہوتے ہی مسلمانوں کی تلواریں میان میں ہو گئی تھیں۔ مشرکین کے اس اعتراض کا جواب اس آیت میں دیا جا رہا ہے کہ یہ سچ ہے کہ ان مہینوں میں جنگ حرام ہے لیکن اے مشرک تمہاری بد اعمالیاں تو برائی میں اس سے بھی بڑھ کر ہیں۔ تم اللہ کا انکار کرتے ہو تم میرے نبی اور ان کے ساتھیوں کو میری مسجد سے روکتے ہو۔ تم نے انہیں وہاں سے نکال دیا پس اپنی ان سیاہ کاریوں پر نظر ڈالو کہ یہ کس قدر بدترین کام ہیں انہی حرمت والے مہینوں میں ہی مشرکین نے مسلمانوں کو بیت اللہ شریف سے روکا تھا اور وہ مجبوراً واپس ہوئے تھے۔ اگلے سال اللہ تعالیٰ نے حرمت والے مہینوں میں ہی مکہ کو اپنے نبی کے ہاتھ فتح کروایا انہیں ان آیتوں میں لا جواب کیا گیا۔ عمرو بن الحضرمی جو قتل کیا گیا یہ طائف سے مکہ کو آ رہا تھا۔ گور جب کا چاند چڑھ چکا تھا لیکن صحابہؓ کو معلوم نہ تھا وہ اس رات کو جمادی الاخریٰ کی آخری رات جانتے تھے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن جشؓ کے ساتھ آٹھ آدمی تھے سات تو وہی جن کے نام اوپر بیان ہوئے۔ آٹھویں حضرت رباب اسدیؓ تھے انہیں بدر اویٰ سے واپسی کے وقت حضورؐ نے بھیجا تھا یہ سب مہاجر صحابہ تھے۔ ان میں ایک بھی انصاری نہ تھا۔ دودن چل کر حضورؐ کے اس نامہ مبارک کو پڑھا جس میں تحریر تھا کہ میرے اس حکم نامہ کو پڑھ کر مکہ اور طائف کے درمیان نخلہ میں جاؤ۔ وہاں بظہر و اور قریش کے قافلہ کا انتظار کرو اور ان کی خبریں معلوم کر کے مجھے پہنچاؤ یہ بزرگ یہاں سے چلے تو سب ہی چلے تھے دو صحابی جو اونٹ کو ڈھونڈنے کے لئے رہ گئے تھے وہ بھی یہاں سے ساتھ ہی تھے لیکن فرغ کے اوپر معدن پر پہنچ کر نجران میں انہیں اونٹوں کی تلاش میں رک جانا پڑا۔ قریشیوں کے اس قافلہ میں زیتون وغیرہ تجارتی مال تھا مشرکین میں علاوہ ان لوگوں کے جن کے نام اوپر بیان ہوئے ہیں، نوفل بن عبداللہ وغیرہ بھی تھے۔ مسلمان اول تو انہیں دیکھ کر گھبرائے لیکن پھر مشورہ کر کے مسلمانوں نے یہ سوچ کر کہ اگر انہیں چھوڑ دیا تو اس رات کے بعد حرمت کا مہینہ آجائے گا تو ہم پھر کچھ بھی نہ کر سکیں گے انہوں نے شجاعت و مردانگی کے ساتھ حملہ کیا۔

حضرت واقعہ بن عبداللہ تمیمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عمرو بن حضریؓ کو ایسا تاک کر تیر لگایا کہ اس کا تو فیصلہ ہی ہو گیا عثمان اور حکم کو قید کر لیا اور مال وغیرہ لے کر حضورؐ کی خدمت میں پہنچے راستہ میں ہی سردار لشکر نے کہہ دیا تھا کہ اس مال میں سے پانچواں حصہ تو اللہ کے رسول کا ہے چنانچہ یہ حصہ تو الگ کر کے رکھ دیا گیا اور باقی مال صحابہؓ میں تقسیم کر دیا اور اب تک یہ حکم نازل نہیں ہوا تھا کہ مال غنیمت میں سے پانچواں حصہ نکالنا چاہیے۔ جب یہ لشکر سرکار نبویؐ میں پہنچا تو آپؐ نے واقعہ سن کر ناراضگی ظاہر فرمائی اور فرمایا کہ میں نے تمہیں حرمت والے مہینوں میں لڑائی کرنے کو کب کہا تھا نہ تو قافلہ کا کچھ مال آپؐ نے لیا نہ قیدیوں کو قبضہ میں کیا۔ حضورؐ کے اس قول و فعل سے یہ مسلمان خست نادم ہوئے اور



اپنی گنہگاری کا انہیں یقین ہو گیا پھر اور مسلمانوں نے بھی انہیں کچھ کہنا نہ شروع کیا۔

ادھر قریشیوں نے طعنہ دینا شروع کیا کہ محمد (ﷺ) اور آپ کے صحابہ حرمت والے مہینوں میں بھی جدال و قتال سے باز نہیں رہتے دوسری جانب یہودیوں نے ایک بدفالی نکالی چونکہ عمرو قتل کیا گیا تھا۔ انہوں نے کہا عَمَرُ الْحَرْبِ لَئِیْ اُیُّوْا فِرْعَوْنَ اور خوب زور و شور سے لمبی مدت تک ہوگی اس کے باپ کا نام حضری تھا۔ اس سے انہوں نے فال لی کہ حضرت الحرب وقت لڑائی آپہنچا قاتل کا نام واقد تھا جس سے انہوں نے کہا وَقَدَّتِ الْحَرْبُ لَئِیْ اُیُّوْا فِرْعَوْنَ لیکن قدرت نے اسے برعکس کر دیا اور نتیجہ تمام تر مشرکین کے خلاف رہا اور ان کے اعتراض کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی کہ اگر بالفرض جنگ حرمت والے مہینے میں ہوئی بھی ہو تو اس سے بھی بدترین تمہاری سیاہ کاریاں موجود ہیں تمہارا یہ فتنہ کہ تم دین اللہ سے مسلمانوں کو مرتد کرنے کی اپنی تمام تر امکانی کوششیں کر رہے ہو یہ اس قتل سے بھی بڑھ کر ہے اور تم نہ تو اپنے ان کاموں سے رکتے ہو نہ توبہ کرتے ہو نہ اس پر نادم ہوتے ہو۔ ان آیات کے نازل ہونے کے بعد مسلمانوں نے اس رنج و افسوس سے نجات پائی اور حضورؐ نے قافلہ اور قیدیوں کو اپنے قبضہ میں لیا قریشیوں نے پھر آپؐ کے پاس قاصد بھیجا کہ ان دونوں قیدیوں کا فدیہ لے لیجئے مگر آپؐ نے فرمایا کہ میرے دونوں صحابی سعد بن ابی وقاص اور عتبہ بن غزوہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) جب آجائیں تب آؤ مجھے ڈر ہے کہ تم انہیں ایذا نہ پہنچاؤ چنانچہ جب وہ آگئے تو آپؐ نے فدیہ لے لیا اور دونوں قیدیوں کو رہا کر دیا۔ حکم بن کیسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو مسلمان ہو گئے اور حضورؐ کی خدمت میں ہی رہ گئے آخر یہ سب معونہ کی لڑائی میں شہید ہوئے (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ہاں عثمان بن عبد اللہ مکہ واپس گیا اور وہیں کفر میں ہی مرا ان غازیوں کو یہ آیت سن کر بڑی خوشی حاصل ہوئی اور حضورؐ کی ناراضگی کی وجہ سے حرمت والے مہینوں کی بے ادبی کے سبب سے دوسرے صحابہ کی چشمک کی بناء پر کفار کے طعنہ کے باعث جو رنج و غم ان کے دلوں پر تھا سب دور ہو گیا لیکن اب یہ فکر پڑی کہ ہمیں اخروی اجر بھی ملے گا یا نہیں ہم غازیوں میں بھی شمار ہوں گے یا نہیں جب حضورؐ سے یہ سوالات کئے گئے تو اس کے جواب میں یہ آیت اِنَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِلَیْکَ نَازِلٌ ہُوئی اور ان کی بڑی بڑی امیدیں بندھ گئیں رضی اللہ عنہم اجمعین۔

اسلام اور کفر کے مقابلہ میں کافروں میں سب سے پہلے یہی ابن الحضری مارا گیا کفار کا وفد حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سوال کیا کہ کیا حرمت والے مہینوں میں قتل کرنا جائز ہے اس پر یہ آیت یَسْأَلُوْکَ اِلَیْکَ نَازِلٌ ہُوئی یہی مال غنیمت تھا جو سب سے پہلے مسلمانوں کے ہاتھ لگا اور سب سے پہلے پانچواں حصہ حضرت عبد اللہ بن جحش نے ہی نکالا جو اسلام میں باقی رہا اور حکم الہی بھی اسی طرح نازل ہوا اور یہی دو قیدی تھے جو سب سے پہلے مسلمانوں کے ہاتھوں اسیر ہوئے اس واقعہ کو ایک نظم میں بھی ادا کیا گیا ہے بعض تو کہتے ہیں کہ یہ اشعار حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہیں لیکن یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ اشعار عبد اللہ بن جحش کے ہیں جو اس مختصر سے لشکر کے سردار تھے اللہ ان سے خوش ہو۔

یَسْأَلُوْکَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِیْهِمَا اِثْمٌ کَبِیْرٌ وَّ مَنَافِعٌ  
لِّلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَا اَکْبَرُ مِنْ نَّفْعِیْهِمَا وِیَسْأَلُوْکَ مَاذَا  
یُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَکُمُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّکُمْ  
تَتَفَكَّرُوْنَ ۝۱۵۱ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وِیَسْأَلُوْکَ عَنِ الْیَتٰمٰی قُلْ

إِصْلَاحٌ لَهُمْ خَيْرٌ وَإِنْ تُخَالِطُوهُمْ فَإِخْوَانُكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ  
مِنَ الْمَصْلِحِ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَأَعْنَتَكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۱۱۱﴾

لوگ تجھ سے شراب اور جوئے کا مسئلہ پوچھتے ہیں تو کہہ کہ ان دونوں میں بہت بڑا گناہ ہے گو لوگوں کو اس سے دنیوی فائدہ بھی ہوتا ہے لیکن ان کا گناہ ان کے نفع سے بہت زیادہ ہے اور تجھ سے یہ بھی دریافت کرتے ہیں کہ کیا کچھ خرچ کریں تو کہہ حاجت سے زائد چیز اللہ تعالیٰ اسی طرح اپنے احکام صاف صاف تمہارے لئے بیان فرما رہا ہے تاکہ تم سوچ سمجھ سکو ○ امور دینی اور دنیوی کو اور تجھ سے قبیحوں کے بارے میں بھی سوال کرتے ہیں تو کہہ کہ ان کی خیر خواہی بہتر ہے۔ تم اگر ان کا مال اپنے مال میں ملا بھی لو تو وہ تمہارے بھائی ہیں بد نیت اور نیک نیت ہر ایک کو اللہ خوب جانتا ہے اگر اللہ چاہتا تو تمہیں مشقت میں ڈال دیتا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ غلبہ والا اور حکمت والا ہے ○

حرمت شراب کیوں: ☆ ☆ (آیت: ۲۱۹-۲۲۰) جب شراب کی حرمت کی آیت نازل ہوئی تو حضرت عمرؓ نے کہا یا اللہ تو اس کا واضح بیان فرما اس پر سورہ بقرہ کی یہ آیت یَسْتَلُوْكَ عَنِ الْخَمْرِ اِنْ نَّازَلَ هُوَیْ حَضْرَتِ عُمَرَؓ کو بلوایا گیا اور انہیں یہ آیت پڑھ کر سنائی گئی لیکن حضرت عمرؓ نے پھر بھی یہی دعا کی کہ یا اللہ اسے ہمارے لئے اور زیادہ صاف بیان فرما۔ اس پر سورہ نساء کی آیت یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَرَىٰ اِنْ نَّازَلَ هُوَیْ اور ہر نماز کے وقت پکارا جانے لگا کہ نشے والے لوگ نماز کے قریب بھی نہ آئیں۔ حضرت عمرؓ کو بلوایا گیا اور ان کے سامنے اس آیت کی بھی تلاوت کی گئی آپ نے پھر بھی یہی دعا کی یا اللہ ہمارے لئے اس کا بیان اور واضح کر۔ اس پر سورہ مائدہ کی آیت اِنَّمَا الْخَمْرُ اِتْرَىٰ جب فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا کر یہ آیت بھی سنائی گئی اور جب ان کے کان میں آیت کے آخری الفاظ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنتَهُوْنَ پڑے تو آپ بول اٹھے اِنْتَهَيْنَا اِنْتَهَيْنَا ہم رک گئے ہم باز آئے ملاحظہ ہو مسند احمد ابو داؤد و ترمذی اور نسائی وغیرہ۔ ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ میں بھی روایت ہے لیکن اس کا راوی ابو یسرہ ہے جن کا نام عمر بن شرحبیل ہمدانی کوئی ہے۔ ابو زرہؓ فرماتے ہیں کہ ان کا سماع حضرت عمرؓ سے ثابت نہیں واللہ اعلم۔ امام علی بن مدینیؒ فرماتے ہیں اس کی اسناد صالح اور صحیح ہے۔ امام ترمذی بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔ ابن ابی حاتم میں حضرت عمرؓ کے اِنْتَهَيْنَا اِنْتَهَيْنَا کے قول کے بعد یہ بھی ہے کہ شراب مال کو برباد کرنے والی اور عقل کو خبط کرنے والی چیز ہے۔ یہ روایت اور اسی کے ساتھ مسند کی حضرت ابو ہریرہؓ والی اور روایتیں سورہ مائدہ کی آیت اِنَّمَا الْخَمْرُ کی تفسیر میں مفصل بیان ہوں گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں خمر ہر وہ چیز ہے جو عقل کو ڈھانپ لے اس کا پورا بیان بھی سورہ مائدہ میں ہی آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

میسر کہتے ہیں جوئے بازی کو جوئے بازی کے گناہ کا وبال اخروی ہے اور فائدہ صرف دنیوی ہے کہ بدن کو کچھ نفع پہنچے یا غذا بھضم ہو یا فضلے برآمد ہوں یا بعض ذہن تیز ہو جائیں یا ایک طرح کا سرور حاصل ہو جیسے کہ حسان بن ثابت کا جاہلیت کے زمانہ کا شعر ہے۔ ”شراب پی کر ہم بادشاہ اور دلیر بن جاتے ہیں“ اسی طرح اس کی خرید و فروخت اور کشید میں بھی تجارتی نفع ممکن ہے ہو جائے۔ اسی طرح جوئے بازی میں ممکن ہے جیت ہو جائے لیکن ان فوائد کے مقابلہ میں نقصانات ان کے بکثرت ہیں کیونکہ اس سے عقل کا مارا جانا، ہوش حواس کا بیکار ہونا ضروری ہے ساتھ ہی دین کا برباد ہونا بھی ہے۔ یہ آیت گویا شراب کی حرمت کا پیش خیمہ گواہ میں صاف صاف حرمت بیان ہوئی تھی اسی لئے حضرت عمرؓ کی چاہت تھی کہ کھلے لفظوں میں شراب کی حرمت نازل ہو چنانچہ آخر کار سورہ مائدہ کی آیت میں صاف فرما دیا گیا کہ شراب اور جو اور پانے اور تیر سے فال لینا سب حرام اور شیطانی کام ہیں۔ اے مسلمانو! اگر نجات کے طالب ہو تو ان سب سے باز آ جاؤ شیطان کی تمنا

ہے کہ شراب اور جوئے کے باعث تم میں آپس میں عداوت و بغض ڈال دے اور تمہیں اللہ کے ذکر اور نماز سے روک دے۔ کیا باتم ان شیطانی کاموں سے رک جانے والے بن جاؤ گے؟ اس کا پورا بیان ان شاء اللہ سورہ مائدہ میں آئے گا۔ مفسرین تابعی فرماتے ہیں کہ شراب کے بارے میں پہلے یہی آیت نازل ہوئی پھر سورہ نساء کی آیت نازل ہوئی پھر سورہ مائدہ کی آیت اتری اور شراب مکمل طور پر حرام ہو گئی۔

عفو اور اس کی وضاحتیں: ☆☆ قُلِ الْعَفْوَ کی ایک قرأت قُلِ الْعَفْوَ بھی ہے اور دونوں قراتیں ٹھیک ہیں معنی قریب قریب اور ایک ہو سکتے ہیں اور بندھی بیٹھ سکتے ہیں، حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت ثعلبہؓ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور دریافت کیا کہ حضور ہمارے غلام بھی ہیں بال بچے بھی ہیں اور ہم مال دار بھی ہیں کیا کچھ راہ اللہ دیں جس کے جواب میں قُلِ الْعَفْوَ کہا گیا۔ یعنی جو اپنے بال بچوں کے خرچ کے بعد بچے۔ بہت سے صحابہ اور تابعین سے اس کی یہی تفسیر مروی ہے، حضرت طاؤسؓ کہتے ہیں ہر چیز میں تھوڑا تھوڑا اللہ کی راہ میں بھی دیتے رہا کر ذریعہ کہتے ہیں افضل اور بہتر مال اللہ کی راہ میں دو۔ سب اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ حاجت سے زائد چیز اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ حضرت حسنؓ فرماتے ہیں ایسا نہ کرو کہ سب دے ڈالو اور پھر خود سوال کے لئے بیٹھ جاؤ۔ چنانچہ صحیح مسلم شریف میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے کہا، حضور میرے پاس ایک دینار ہے۔ آپ نے فرمایا، اپنے کام میں لاؤ کہا۔ میرے پاس ایک اور ہے۔ فرمایا اپنی بیوی پر خرچ کر دے کہا حضرت ایک اور ہے فرمایا اپنے بچوں کی ضروریات پر لگاؤ کہا ایک اور بھی ہے۔ فرمایا تو اپنی عقل سے خود بھی خرچ کر سکتا ہے۔

صحیح مسلم شریف کی ایک اور حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے ایک شخص سے فرمایا، اپنے نفس سے شروع کر پہلے اسی پر صدقہ کر پھر تو اپنے بال بچوں پر پھر اپنے رشتہ داروں پر پھر تو اور حاجت مندوں پر اسی کتاب میں ایک اور حدیث میں ہے کہ سب سے افضل خیرات وہ ہے جو انسان اپنے خرچ کے مطابق باقی رکھ کر بچی ہوئی چیز کو اللہ کی راہ دے۔ اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے افضل ہے پہلے انہیں دے جن کا خرچ تیرے ذمہ ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے اے ابن آدم جو تیرے پاس اپنی ضرورت سے زائد ہو اسے اللہ کی راہ میں دے ڈالنا ہی تیرے لئے بہتر ہے اس کا روک رکھنا تیرے لئے برا ہے ہاں اپنی ضرورت کے مطابق خرچ کرنے میں تجھ پر کوئی ملامت نہیں۔ ابن عباسؓ کا ایک قول یہ بھی مروی ہے کہ یہ حکم زکوٰۃ کے حکم سے منسوخ ہو گیا۔ حضرت مجاہدؓ کہتے ہیں زکوٰۃ کی آیت گویا اس آیت کی تفسیر اور اس کا واضح بیان ہے۔ ٹھیک قول یہی ہے۔

پھر ارشاد ہے کہ جس طرح یہ احکام واضح کر کے کھول کھول کر ہم نے بیان فرمائے اسی طرح ہم باقی احکام بھی وضاحت اور تشریح کے ساتھ بیان فرمائیں گے۔ وعدے وعید بھی صاف طور پر کھول دیئے جائیں گے تاکہ تم دنیاۓ فانی کی طرف سے بے رغبت ہو کر آخرت کی طرف متوجہ ہو جاؤ جو ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔ حضرت حسنؓ نے اس آیت کی تلاوت کر کے فرمایا واللہ جو غور و تدبر کرے گا جان لے گا کہ دنیا بلا کا گھر ہے اور اس کا انجام فنا ہے اور آخرت جزا اور بقا کا گھر ہے۔ حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں فکر کرنے سے صاف معلوم ہو سکتا ہے کہ دنیا پر آخرت کو کس قدر فضیلت ہے۔ پس عقلمند کو چاہئے کہ آخرت کی بھلائی کے جمع کرنے کی کوشش میں لگ جائے۔

یتیم کا مال اور ہماری ذمہ داری: ☆☆ پھر یتیم کے بارے میں احکام نازل ہوتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں پہلے یہ حکم ہوا تھا کہ وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ یعنی یتیم کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ مگر اس طریقہ سے جو بہترین طریقہ ہو اور فرمایا گیا تھا إِنَّ الدِّينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا وَهُمْ لَا يَبْصُرُونَ سَعِيرًا یعنی جو لوگ ظلم سے یتیموں کا مال کھا جاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ بھڑک رہے ہیں اور وہ بھڑکتی ہوئی جہنم میں عنقریب داخل ہوں گے۔ تو ان آیتوں کو سن کر ان لوگوں نے جو یتیموں کے والی تھے یتیموں کا کھانا اور ان کا پانی اپنے گھر کے کھانے اور گھر کے پانی سے بالکل جدا کر دیا۔

اب اگر ان کا پکا ہوا کھانا بچ رہتا تو اسے یا تو وہ خود ہی دوسرے وقت کھائے یا خراب ہو جائے تو یوں ایک طرف تو ان یتیموں کا نقصان ہونے لگا۔ دوسری جانب والیان یتیم بھی تنگ آ گئے کہ کب تک ایک ہی گھر میں اس طرح رکھ رکھاؤ کیا کریں تو ان لوگوں نے آ کر حضورؐ سے عرض کی جس پر یہ آیت قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ اِلٰح نازل ہوئی اور نیک نیتی اور دیانت داری کے ساتھ ان کے مال کو اپنے مال میں ملا لینے کی رخصت دی گئی۔ ابو داؤد و نسائی وغیرہ میں یہ روایتیں موجود ہیں اور سلف و خلف کی ایک بہت بڑی جماعت نے اس کا شان نزول یہی بیان فرمایا ہے۔

حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں یتیم کے ذرا اور اس کے مال کی اس طرح دیکھ بھال سخت مشکل ہے کہ اس کا کھانا الگ ہو اس کا پینا الگ ہو۔ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ اِلٰح سے تو یہی علیحدگی مراد ہے لیکن پھر وَاِنْ تُخَالِطُوهُمْ فَمَا رُكْحَانَا پینا ملا جلار کھنے کی اجازت دی گئی اس لئے کہ وہ بھی دینی بھائی ہیں ہاں نیت نیک ہونی چاہئے۔ قصد اور ارادہ اگر یتیم کی نقصان رسانی کا ہے تو وہ بھی اللہ تبارک و تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں اور اگر مقصود یتیم کی بھلائی اور اس کے مال کی نگہبانی ہے تو اسے بھی وہ علام الغیوب بخوبی جانتا ہے۔ پھر فرمایا کہ اللہ تمہیں تکلیف و مشقت میں مبتلا رکھنا نہیں چاہتا۔ جو تنگی اور حرج تم پر یتیم کا کھانا پینا بالکل حدار کھنے میں تھا وہ اللہ تعالیٰ نے دور فرما دیا اور تم پر تخفیف کر دی اور ایک ہنڈیا رکھنا اور ملا جلانا کام کرنا تمہارے لئے مباح قرار دیا بلکہ یتیم کا نگران اگر تشدد ست مسکین محتاج ہو تو مطابق دستور اپنے خرچ میں لاسکتا ہے اور اگر کسی مالدار نے اپنے بوقت ضرورت اس کی چیز کام میں لے لی تو پھر ادا کر دے۔ یہ مسائل ان شاء اللہ وضاحت کے ساتھ سورہ نساء کی تفسیر میں بیان ہوں گے۔

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَةَ حَتَّىٰ تُؤْمِنَ ۖ وَلَا مَٰمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ  
مُّشْرِكَةٍ وَلَوْ أَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يُؤْمِنُوا ۚ وَلَعَبْدٌ  
مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَلَوْ أَعْجَبَكُمْ ۚ أُولَٰئِكَ يَدْعُونَ إِلَى  
التَّارِ ۚ وَاللّٰهُ يَدْعُوٓا۟ إِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِإِذْنِهِ ۚ وَيُبَيِّنُ آيَتِهِ  
لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ۝۲۱

شرک کرنے والی عورتوں سے ناواقفیکہ وہ ایمان نہ لائیں تم نکاح نہ کرو ایماندار لوٹھی بھی شرک کرنے والی آزاد عورت سے بہت بہتر ہے گو تمہیں مشرک ہی اچھی لگتی ہو اور نہ شرک کرنے والے مردوں کے نکاح میں دو جب تک کہ وہ ایمان نہ لائیں ایماندار غلام آزاد مشرک سے بہتر ہے گو مشرک تمہیں اچھا لگے۔ یہ لوگ تو تمہیں جہنم کی طرف بلا تے ہیں اور اللہ تعالیٰ تمہیں جنت کی طرف اور اپنی بخشش کی طرف اپنے حکم سے بلارہا ہے۔ وہ اپنی آیتیں لوگوں کے لئے بیان فرما رہا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں ○

پاک دامن عورتیں: ☆☆ (آیت: ۲۲۱) بت پرست مشرک عورتوں سے نکاح کی حرمت بیان ہو رہی ہے گو آیت کا عموم تو ہر ایک مشرک عورت سے نکاح کرنے کی ممانعت پر ہی دلالت کرتا ہے لیکن دوسری جگہ فرمان ہے وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ اِلٰح یعنی تم سے پہلے جو لوگ کتاب اللہ دیئے گئے ہیں ان کی پاک دامن عورتوں سے بھی جواز ناکاری سے بچنے والی ہوں ان کے مہر ادا کر کے ان سے نکاح کرنا تمہارے لئے حلال ہے حضرت ابن عباسؓ کا قول بھی یہی ہے کہ ان مشرک عورتوں میں سے اہل کتاب عورتیں

مخصوص ہیں۔ مجاہدؒ، عکرمہؒ، سعید بن جبہؒ، کھولؒ، حسنؒ، ضحاکؒ، قتادہؒ، زید بن اسلمؒ اور ربیع بن انسؒ رحمہم اللہ کا بھی یہی فرمان ہے۔ بعض کہتے ہیں یہ آیت صرف بت پرست مشرک عورتوں ہی کے لئے نازل ہوئی ہے جیسے بھی کہہ لیں مطلب دونوں کا ایک ہی ہے واللہ اعلم۔ ابن جریر میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کئی قسم کی عورتوں سے نکاح کرنے کو ناجائز قرار دیا سوائے ایمان دار ہجرت کر کے آنے والی عورتوں خصوصاً ان عورتوں سے جو کسی دوسرے مذہب کی پابند ہوں قرآن کریم میں اور جگہ ہے وَمَنْ يَتَّخِزْ بِالْأَيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ یعنی کافروں کے اعمال برباد ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ نے یہودیہ عورت سے نکاح کیا تھا اور حضرت حذیفہ بن یمانؓ نے ایک نصرانیہ عورت سے نکاح کر لیا تھا جس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سخت ناراض ہوئے۔ یہاں تک کہ قریب تھا کہ انہیں کوڑے لگائیں، ان دونوں بزرگوں نے کہا اے امیر المؤمنین، آپ ناراض نہ ہوں، ہم انہیں طلاق دے دیتے ہیں آپؐ نے فرمایا اگر طلاق دینی حلال ہے تو پھر نکاح بھی حلال ہونا چاہئے میں انہیں تم سے چھین لوں گا اور اس ذلت کے ساتھ انہیں الگ کروں گا لیکن یہ حدیث نہایت غریب ہے اور حضرت عمرؓ سے بالکل ہی غریب ہے۔ امام ابن جریرؒ نے اہل کتاب عورتوں سے نکاح کے حلال ہونے پر اجماع نقل کیا ہے اور حضرت عمرؓ کے اس اثر کے بارے میں تحریر کیا ہے کہ یہ صرف سیاسی مصلحت کی بنا پر تھا تا کہ مسلمان عورتوں سے لوگ بے رغبتی نہ کریں یا اور کوئی حکمت عملی اس فرمان میں تھی چنانچہ اس روایت میں یہ بھی ہے کہ جب حضرت حذیفہؓ کو یہ فرمان ملا تو انہوں نے جواب میں لکھا کہ کیا آپ اسے حرام کہتے ہیں۔ خلیفہ المسلمین نے جواب دیا کہ حرام تو نہیں کہتا مگر مجھے خوف ہے کہیں تم مومن عورتوں سے نکاح نہ کرو؟ اس روایت کی اسناد بھی صحیح ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ مسلمان مرد نصرانی عورت سے نکاح کر سکتا ہے لیکن نصرانی مرد کا نکاح مسلمان عورت سے نہیں ہو سکتا۔ اس روایت کی سند پہلی روایت سے زیادہ صحیح ہے۔ ابن جریرؒ میں تو ایک مرفوع حدیث بھی باسناد مروی ہے کہ ہم اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کر لیں لیکن اہل کتاب مرد مسلمان عورتوں سے نکاح نہیں کر سکتے لیکن اس سند میں کچھ کمزوری ہے مگر امت کا اجماع اسی پر ہے۔ ابن ابی حاتم کی روایت میں ہے کہ حضرت فاروقؓ نے اہل کتاب کے نکاح کو ناپسند کیا اور اس آیت کی تلاوت فرمادی، امام بخاریؒ حضرت عمرؓ کا یہ قول بھی نقل فرماتے ہیں کہ میں کسی شرک کو اس شرک سے بڑھ کر نہیں پاتا کہ وہ عورت کہتی ہے کہ عیسیٰ اس کے اللہ ہیں حضرت امام احمدؒ سے اس آیت کا مطلب پوچھا جاتا ہے تو آپؐ فرماتے ہیں، مراد اس سے عرب کی وہ مشرک عورتیں ہیں جو بت پرست تھیں۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ ایمان والی لونڈی شرک کرنے والی آزاد عورت سے اچھی ہے۔ یہ فرمان عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں نازل ہوتا ہے۔ ان کی ایک سیاہ رنگ کی لونڈی تھی ایک مرتبہ غصہ میں آ کر اسے تھپڑ مار دیا تھا پھر گھبرائے ہوئے آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور واقعہ عرض کیا۔ آپؐ نے پوچھا۔ اس کا کیا خیال ہے کہا حضورؐ وہ روزے رکھتی ہے نماز پڑھتی ہے اچھی طرح وضو کرتی ہے اللہ کی وحدانیت اور آپؐ کی رسالت کی گواہی دیتی ہے۔ آپؐ نے فرمایا اے ابو عبد اللہ پھر تو وہ ایماندار ہے کہنے لگے یا رسول اللہ قسم اس اللہ کی جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں اسے آزاد کروں گا اور اتنا ہی نہیں بلکہ اس سے نکاح بھی کر لوں گا چنانچہ یہی کیا جس پر بعض مسلمانوں نے انہیں طعنہ دیا وہ چاہتے تھے کہ مشرکوں میں ان کا نکاح کر دیں اور انہیں اپنی لڑکیاں بھی دیں تا کہ شرافت نسب قائم رہے اس پر یہ فرمان نازل ہوا کہ مشرک آزاد عورت سے تو مسلمان لونڈی ہزار ہا درجہ بہتر ہے اور اسی طرح مشرک آزاد مرد سے غلام مسلم مرد بھی بڑھ چڑھ کر ہے۔

مسند عبد بن حمید میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، عورتوں کے محض حسن پر فریفتہ ہو کر ان سے نکاح نہ کر لیا کرو ممکن ہے ان کا حسن انہیں مغرور کر دے عورتوں کے مال کے پیچھے ان سے نکاح نہ کر لیا کرو ممکن ہے مال انہیں سرکش کر دے نکاح کرو تو دینداری دیکھا کرو بد صورت سیاہ فام لونڈی بھی اگر دیندار ہو تو بہت افضل ہے لیکن اس حدیث کے راویوں میں افریقی ضعیف ہے۔ بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا چار باتیں دیکھ کر عورتوں سے نکاح کیا جاتا ہے ایک تو مال دوسرے حسب نسب۔ تیسرے جمال و خوبصورتی چوتھے دین تم دینداری نہ لو مسلم شریف میں ہے دنیا کل کی کل ایک متاع ہے متاع دنیا میں سب سے افضل چیز نیک بخت عورت ہے۔ پھر فرمان ہے کہ مشرک مردوں کے نکاح میں مسلمان عورتیں بھی نہ دو جیسے اور جگہ ہے لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ نہ کافر عورتیں مسلمان مردوں کے لئے حلال نہ مسلمان مرد کافر عورتوں کے لئے حلال۔ پھر فرمان ہے کہ مومن مرد کو چاہے جی غلام ہو پھر بھی رئیس اور سردار آزاد کا کافر سے بہتر ہے۔ ان لوگوں کا میل جول ان کی صحبت، محبت دنیا، حفاظت دنیا اور دنیا طلبی اور دنیا کو آخرت پر ترجیح دینی سکھاتی ہے جس کا انجام جہنم ہے اور اللہ تعالیٰ کے فرمان کی پابندی اس کے حکموں کی تعمیل جنت کی رہبری کرتی ہے۔ گناہوں کی مغفرت کا باعث بنتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے وعظ و نصیحت اور پند و عبرت کے لئے اپنی آیتیں واضح طور پر بیان فرمادیں۔

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أَذًى ۖ فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ ۖ وَلَا تَقْرُبُوهُنَّ حَتَّىٰ يَطْهُرْنَ ۖ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللَّهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ ﴿٥٥﴾ نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۖ فَأَتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّىٰ شِئْتُمْ ۚ وَقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ مُّلَقَوْنَ ۚ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٥٦﴾

تم سے حیض کے بارے میں سوال ہوتا ہے۔ کہہ دو کہ وہ گندگی ہے حالت حیض میں عورتوں سے الگ رہو اور جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں ان کے قریب نہ جاؤ۔ ہاں جب وہ پاک ہو جائیں تو ان کے پاس جاؤ جہاں سے اللہ نے تمہیں اجازت دی ہے۔ اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں اور پاک رہنے والوں کو پسند فرماتا ہے ○ تمہاری بیویاں تمہاری کھیتیاں ہیں اپنی کھیتوں میں جس طرح چاہو آؤ اور اپنے لئے آگے بھیجو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو اور جان رکھو کہ تم اس سے ملنے والے ہو ایمان والوں کو خوشخبری سنا دو ○

ایام حیض اور جماع سے متعلقہ مسائل ☆ ☆ (آیت ۲۲۲-۲۲۳) حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ یہودی لوگ حائضہ عورتوں کو نہ اپنے ساتھ کھلاتے تھے نہ اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ صحابہؓ نے اس بارے میں حضورؐ سے سوال کیا جس کے جواب میں یہ آیت اتری اور حضورؐ نے فرمایا سوائے جماع کے اور سب کچھ حلال ہے۔ یہودی یہ سن کر کہنے لگے کہ انہیں تو ہماری مخالفت سے ہی غرض ہے۔ حضرت اسید بن حذیرؓ اور حضرت عباد بن بشرؓ نے یہودیوں کا یہ کلام نقل کر کے کہا کہ حضورؐ پھر ہمیں جماع کی بھی رخصت دی جائے آپ کا چہرہ یہ سن کر متغیر ہو گیا یہاں تک کہ اور صحابہؓ نے خیال کیا کہ آپ ان پر ناراض ہو گئے جب یہ بزرگ جانے لگے تو آنحضرت ﷺ کے پاس کوئی بزرگ تحفہٴ دودھ لے کر آئے۔ آپ نے ان کے پیچھے آدمی بھیج کر انہیں بلایا اور وہ دودھ انہیں پلایا اب معلوم ہوا کہ وہ غصہ جاتا رہا (مسلم)۔ پس اس فرمان کا کہ

حیض کی حالت میں عورتوں سے الگ رہو یہ مطلب ہوا کہ جماع نہ کرو اس لئے کہ اور سب حلال ہے اکثر علماء کا مذہب ہے کہ سوائے جماع کے مباشرت جائز ہے۔ حدیثوں میں ہے کہ حضور بھی ایسی حالت میں ازواج مطہرات سے ملتے جلتے لیکن وہ تہمد باندھے ہوئے ہوتی تھیں (ابوداؤد) حضرت عمارہ کی پھوپھی صاحبہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سوال کرتی ہیں کہ اگر عورت حیض کی حالت میں ہو اور گھر میں میاں بیوی کا ایک ہی بستر ہو تو وہ کیا کرے؟ یعنی ایسی حالت میں اس کے ساتھ اس کا خاوند سو سکتا ہے یا نہیں؟ آپ نے فرمایا سنو! ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ گھر میں تشریف لائے۔ آتے ہی اپنی نماز کی جگہ تشریف لے گئے اور نماز میں مشغول ہو گئے دیر زیادہ لگ گئی اور اس عرصہ میں مجھے نیند آ گئی۔ آپ کو سردی لگنے لگی تو آپ نے مجھ سے فرمایا۔ ادھر آؤ میں نے کہا حضور! میں تو حیض سے ہوں۔ آپ نے میرے گھٹنوں کے اوپر سے کپڑا ہٹانے کا حکم دیا اور پھر میری ران پر رخسار اور سینہ رکھ کر لیٹ گئے۔ میں بھی آپ پر جھک گئی تو سردی کچھ کم ہوئی اور اس گرمی میں آپ کو نیند آ گئی۔ صلی اللہ علیہ وسلم ازواج و اصحابہ وسلم۔

حضرت مسروقؓ ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آئے اور کہا اَلْسَّلَامُ عَلَی النَّبِیِّ وَعَلِیْ اٰہِلِہٖ حضرت عائشہؓ نے جواب دے کر مَرَّحَبًا مَرَّحَبًا کہا اور اندر آنے کی اجازت دی۔ آپ نے کہا ام المومنین ایک مسئلہ پوچھتا ہوں لیکن شرم معلوم ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا میں تیری ماں ہوں اور تو قاسم مقام میرے بیٹے کے ہے جو پوچھنا ہو پوچھ کہا فرمائیے آدی کے لئے اپنی حائضہ بیوی سے کیا حلال ہے؟ فرمایا سوائے شرمگاہ کے اور سب جائز ہے (ابن جریر) اور سندوں سے بھی مختلف الفاظ کے ساتھ حضرت ام المومنینؓ کا یہ قول مروی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ مجاہدؓ حسنؓ اور عکرمہؓ کا فتویٰ بھی یہی ہے مقصد یہ ہے کہ حائضہ عورت کے ساتھ لیٹنا بیٹھنا اس کے ساتھ کھانا پینا وغیرہ امور بالاتفاق جائز ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے منقول ہے کہ میں نبی ﷺ کا سردھویا کرتی آپ میری گود میں ٹیک لگا کر لیٹ کر قرآن شریف کی تلاوت فرماتے حالانکہ میں حیض سے ہوتی تھی میں ہڈی چوستی تھی اور آپ بھی اسی ہڈی کو وہیں منہ لگا کر چوستے تھے میں پانی پیتی تھی پھر گلاس آپ کو دیتی آپ بھی وہیں منہ لگا کر اسی گلاس سے پانی پیتے اور میں اس وقت حائضہ ہوتی تھی۔ ابوداؤد میں روایت ہے کہ میرے حیض کے شروع دنوں میں آنحضرت ﷺ میرے ساتھ ہی لحاف میں سوتے تھے اگر آپ کا کپڑا کہیں سے خراب ہو جاتا تو آپ اتنی ہی جگہ کو دھو ڈالتے اگر جسم مبارک پر کچھ لگ جاتا تو اسے بھی دھو ڈالتے اور پھر ان ہی کپڑوں میں نماز پڑھتے۔ ہاں ابوداؤد کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں میں جب حیض سے ہوتی تو بسترے سے اتر جاتی اور بورے پر آ جاتی۔ نبی ﷺ میرے قریب بھی نہ آتے جب تک کہ میں پاک نہ ہو جاؤں تو یہ روایت محمول ہے کہ آپ پر ہیز اور احتیاط کرتے تھے نہ یہ کہ یہ محمول ہو حرمت اور ممانعت پر۔

بعض حضرات یہ بھی فرماتے ہیں کہ تہمد ہوتے ہوئے فائدہ اٹھائے۔ حضرت میمونہ بنت حارثؓ ہلالیہؓ فرماتی ہیں کہ نبی ﷺ جب اپنی کسی اہلیہ سے ان کی حیض کی حالت میں ملنا چاہتے تھے تو انہیں حکم دیتے تھے کہ تہمد باندھ لیں (بخاری) اس طرح بخاری و مسلم میں بھی یہ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے۔ حضورؐ سے ایک شخص سوال کرتا ہے کہ میری بیوی سے مجھے اس کے حیض کے حالت میں کیا کچھ حلال ہے۔ آپؐ نے فرمایا تہمد کے اوپر کا کل (ابوداؤد وغیرہ)

ایک اور روایت میں ہے کہ اس سے بھی بچنا بہتر ہے۔ حضرت عائشہؓ حضرت ابن عباسؓ حضرت سعید بن مسیبؓ اور حضرت شریحؓ کا مذہب بھی یہی ہے۔ امام شافعیؒ کے اس بارے میں دو قول ہیں جن میں ایک یہ بھی ہے اکثر عراقیوں وغیرہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ یہ تو متفقہ فیعلہ ہے کہ جماع حرام ہے اس لئے اس کے آس پاس سے بھی بچنا ہی چاہئے تاکہ حرمت میں واقع ہونے کا خطرہ نہ

رہے۔ حالت حیض میں جماع کی حرمت اور اس کام کے کرنے والے کا گنہگار ہونا تو یقینی امر ہے جسے تو بہ استغفار کرنا لازمی ہے لیکن اسے کفارہ بھی دینا پڑے گا یا نہیں اس میں علماء کرام کے دو قول ہیں۔ ایک تو یہ کہ کفارہ بھی ہے چنانچہ مسند احمد اور سنن میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اپنی حائضہ بیوی سے جماع کرے وہ ایک دینار یا آدھا دینار صدقہ دے۔ ترمذی میں ہے کہ خون اگر سرخ ہو تو ایک دینار اور زرد رنگ ہو تو آدھا دینار مسند احمد میں ہے کہ اگر خون پیچھے بہت گیا ہو اور ابھی اس عورت نے غسل نہ کیا ہو اور اس حالت میں اس کا خاوند اس سے ملے تو آدھا دینار ورنہ پورا دینار۔

دوسرا قول یہ ہے کہ کفارہ کچھ بھی نہیں۔ صرف اللہ عز و جل سے استغفار کرے امام شافعی کا بھی آخری اور زیادہ صحیح یہی مذہب ہے اور جمہور علماء بھی اسی کے قائل ہیں۔ جو حدیثیں اوپر بیان ہوئیں ان کی نسبت یہ حضرات فرماتے ہیں کہ ان کا مرفوع ہونا صحیح نہیں بلکہ صحیح یہی ہے کہ موقوف ہیں۔ گو یہ حدیث روایت مرفوع اور موقوف دونوں طرح مروی ہے لیکن اکثر ائمہ حدیث کی تحقیق ہے صحیح بات یہی ہے کہ یہ موقوف ہے۔ یہ فرمان کہ جب تک عورتیں پاک نہ ہو جائیں ان کے قریب نہ جاؤ یہ تفسیر ہے اس فرمان کی کہ عورتوں سے ان کی حیض کی حالت میں جدا رہو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس وقت حیض ختم ہو جائے پھر نزدیکی حلال ہے۔

حضرت امام ابو عبد اللہ احمد بن محمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں طہریعتی پاکی دلالت کرتی ہے کہ اب اس سے نزدیکی جائز ہے۔ حضرت میمونہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما کا یہ فرمانا کہ ہم میں سے جب کوئی حیض سے ہوتی تو تہہ بند باندھ لیتی اور نبی ﷺ کے ساتھ آپ کی چادر میں سوتی اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ جس نزدیکی سے منع کیا گیا ہے وہ جماع ہے ویسے سونا بیٹھنا وغیرہ سب جائز ہے۔ اس کے بعد یہ فرمان ”ان کے پاک ہو جانے کے بعد ان کے پاس آؤ“ اس میں ارشاد ہے کہ اس کے غسل کر لینے کے بعد ان سے جماع کرو۔ امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہر حیض کی پاکیزگی کے بعد جماع کرنا واجب ہے۔ اس کی دلیل لفظ ”فَاتُوهُنَّ“ ہے جس میں حکم ہے لیکن یہ دلیل کوئی پختہ نہیں یہ امر تو صرف حرمت کو ہٹا دینے کا اعلان ہے اور اس کے سوا اس کی کوئی دلیل ان کے پاس نہیں۔ علماء اصول میں سے بعض تو کہتے ہیں کہ امر یعنی حکم مطلقاً وجوب کے لئے ہوتا ہے۔ ان لوگوں کو امام ابن حزم کا جواب بہت گراں ہے۔

بعض کہتے ہیں یہ امر صرف اباحت کے لئے ہے اور چونکہ اس سے پہلے ممانعت وارد ہو چکی ہے یہ قریب ہے جو امر کو وجوب سے بنادیتا ہے۔ لیکن یہ غور طلب بات ہے۔ دلیل سے جو بات ثابت ہے وہ یہ ہے کہ ایسے موقع پر یعنی پہلے منع ہو پھر حکم ہو تو حکم اپنی اصل پر رہتا ہے یعنی جو بات منع سے پہلے جیسی تھی ویسی ہی اب ہو جائے گی یعنی اگر منع سے پہلے وہ کام واجب تھا تو اب بھی واجب ہی رہے گا جیسے قرآن کریم میں ہے فَإِذَا انْسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرْمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ یعنی جب حرمت والے مہینے گزر جائیں تو مشرکوں سے جہاد کرو۔ اور اگر وہ کام ممانعت سے پہلے مباح تھا تو اب بھی وہ مباح رہے گا جیسے وَإِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوا جب تم احرام کھول دو تو شکار رکھلو۔ اور جگہ ہے فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ یہ فیصلہ ان مختلف اقوال کو جمع بھی کر دیتا ہے جو امر کے وجوب وغیرہ کے بارے میں ہیں۔ غزالی وغیرہ نے بھی اسے بیان کیا ہے اور بعض ائمہ متاخرین نے بھی اسے پسند فرمایا ہے اور یہی صحیح بھی ہے۔ یہ مسئلہ بھی یاد رہے کہ تمام علماء امت کا اتفاق ہے کہ جب خون حیض کا آنا رک جائے مدت حیض گزر جائے پھر بھی اس کے خاوند کو اپنی بیوی سے مجامعت کرنی حلال نہیں جب تک کہ وہ غسل نہ کر لے۔ ہاں اگر معذور ہو اور غسل کے عوض تیمم کرنا اسے جائز ہو تو تیمم کر لے۔ اس کے بعد اس کے پاس اس کا خاوند آ سکتا ہے۔ ہاں امام ابو حنیفہؒ ان تمام علماء کے مخالف ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب حیض زیادہ سے زیادہ دنوں تک کی آخری معیاد یعنی دس دن تک رہ کر بند ہو گیا تو اس کے خاوند کو اس سے صحبت کرنا حلال ہے گو اس نے غسل نہ کیا ہو واللہ اعلم۔



حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ تو لفظ یَطْهَرُونَ کا اس سے مراد خون حیض کا بند ہونا ہے۔ اور تَطَهَّرُونَ سے مراد غسل کرنا ہے۔ حضرت مجاہد، حضرت عکرمہ، حضرت حسن، حضرت مقاتل بن حیان، حضرت لیث بن سعد وغیرہ بھی یہی فرماتے ہیں۔ پھر ارشاد ہوتا ہے اس جگہ سے آؤ جہاں کا حکم اللہ نے تمہیں دیا ہے، مراد اس سے آگے کی جگہ ہے۔ حضرت ابن عباس، حضرت مجاہد وغیرہ بہت سے مفسرین نے اس کے یہی معنی بیان کئے ہیں کہ مراد اس سے بچوں کے تولد ہونے کی جگہ ہے۔ اس کے سوا اور جگہ یعنی پاخانہ کی جگہ جانا حرام ہے ایسا کرنے والے حد سے تجاوز کرنے والے ہیں۔ صحابہؓ اور تابعینؒ سے یہ بھی مروی ہے کہ مطلب یہ ہے کہ جس جگہ سے حالت حیض میں تم روکے گئے تھے اب وہ جگہ تمہارے لئے حلال ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ پاخانہ کی جگہ دلی کرنی حرام ہے۔ اس کا مفصل بیان بھی آتا ہے ان شاء اللہ۔ یہ معنی بھی کئے گئے ہیں کہ پاکیزگی کی حالت میں آؤ جبکہ حیض سے نکل آئیں اسی لئے اس کے بعد کے جملہ میں ہے کہ گناہوں سے توبہ کرنے والوں! اس حالت میں جماع سے باز رہنے والوں! گندگیوں اور ناپاکیوں سے بچنے والوں! حیض کی حالت میں اپنی بیوی سے نہ ملنے والوں کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے۔ اسی طرح دوسری جگہ سے محفوظ رہنے والوں کو بھی پروردگار اپنا محبوب بنا لیتا ہے۔ پھر فرمایا کہ تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں یعنی اولاد ہونے کی جگہ میں تم اپنی کھیتی میں جیسے بھی چاہو آؤ یعنی جگہ تو وہی ایک ہو طریقہ خواہ کوئی ہو سامنے کر کے یا اس کے خلاف۔

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ یہود کہتے تھے کہ جب عورت سے مجامعت سامنے رخ کر کے نہ کی جائے اور حمل ٹھہر جائے تو بچہ بھیگا پیدا ہوتا ہے۔ ان کی تردید میں یہ جملہ نازل ہوا کہ مرد کو اختیار ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ یہودیوں نے یہی بات مسلمانوں سے بھی کہی تھی۔ ابن جریرؒ فرماتے ہیں کہ آیت کے نازل ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اختیار دیا کہ خواہ سامنے سے آئے خواہ پیچھے کی طرف سے لیکن ایک ہی رہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ سے ایک شخص نے پوچھا کہ ہم اپنی عورتوں کے پاس کیسے آئیں اور کیا چھوڑیں۔ آپ نے فرمایا وہ تیری کھیتی ہے جس طرح چاہے آئے۔ ہاں اس کے منہ پر نہ مار زیادہ برا نہ کہہ اس سے روٹھ کر الگ نہ ہو جا، ایک ہی گھر میں رہو (احمد و سنن)۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ حمیر کے قبیلہ کے ایک آدمی نے حضورؐ سے سوال کیا کہ مجھے اپنی بیویوں سے زیادہ محبت ہے تو اس کے بارے میں احکام مجھے بتائیے۔ اس پر یہ حکم نازل ہوا۔ مسند احمد میں ہے کہ چند انصار یوں نے حضورؐ سے یہ پوچھا تھا۔ طحاوی کی کتاب مشکل الحدیث میں ہے ایک شخص نے اپنی بیوی سے اسے الناکر کے مباشرت کی تھی لوگوں نے اسے برا بھلا کہا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ابن جریر میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن سابطؓ حضرت حصہ بنت عبدالرحمن بن ابی بکرؓ کے پاس آئے اور کہا میں ایک مسئلہ پوچھنا چاہتا ہوں لیکن شرم آتی ہے فرمایا مجھے تم نہ شرم آؤ اور جو پوچھنا ہو پوچھ لو کہا۔ فرمائیے عورتوں کے پیچھے کی طرف سے جماع کرنا جائز ہے؟ فرمایا سنو مجھ سے حضرت ام سلمہؓ نے فرمایا ہے کہ انصار عورتوں کو الناکر لٹایا کرتے تھے اور یہود کہتے تھے کہ اس طرح سے بچہ بھیگا ہوتا ہے۔ جب مباہجہ نہ شریف آئے اور یہاں کی عورتوں سے ان کا نکاح ہوا اور انہوں نے بھی یہی کرنا چاہا تو ایک عورت نے اپنے خاوند کی بات نہ مانی اور جب تک میں حضورؐ کی خدمت میں یہ واقعہ بیان نہ کر لوں تیری بات نہ مانوں گی چنانچہ وہ بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئی۔ ام سلمہؓ نے بٹھایا کہا ابھی آنحضرت ﷺ آجائیں گے۔ جب آنحضرت ﷺ آئے تو انصار یہ عورت شرمندگی کی وجہ سے نہ پوچھ سکی اور واپس چلی گئی لیکن ام المومنینؓ نے آپ سے پوچھا آپ نے فرمایا انصار یہ عورت کو بالو۔ پھر یہ آیت پڑھ کر سنائی اور فرمایا۔ جگہ ایک ہی ہو۔

مسند احمد میں ہے کہ ایک مرتبہ عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ حضورؐ میں تو ہلاک ہو گیا۔ آپ نے پوچھا کیا بات ہے۔ کہا میں نے رات کو اپنی سواری الٹی کر دی آپ نے کچھ جواب نہ دیا۔ اسی وقت یہ آیت نازل ہوئی اور آپ نے فرمایا

سامنے سے آ پیچھے سے آ اختیار ہے لیکن حیض کی حالت میں نہ آ اور پاخانہ کی جگہ نہ آ۔ انصار والا واقعہ قدرے تفصیل کے ساتھ بھی مروی ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر کو اللہ بخشے انہیں کچھ وہم سا ہو گیا۔ بات یہ ہے کہ انصاریوں کی جماعت پہلے بت پرست تھی اور یہودی اہل کتاب تھے بت پرست لوگ ان کی فضیلت اور علیمت کے قائل تھے اور اکثر افعال میں ان کی بات مانا کرتے تھے یہودی ایک ہی طرح پر اپنی بیویوں سے ملتے تھے یہی عادت ان انصار کی بھی تھی۔ ان کے برخلاف مکہ والے کسی خاص طریقے کے پابند نہ تھے وہ جس طرح جی چاہتا ملتے۔ اسلام کے بعد مکہ والے مہاجر بن کر مدینہ میں انصار کے ہاں جب اترے تو ایک کی مہاجر مرد نے ایک مدنی انصاریہ عورت سے نکاح کیا اور اپنے من بھاتے طریقے برتنے چاہے عورت نے انکار کر دیا اور صاف کہہ دیا کہ اسی ایک مقررہ طریقہ کے علاوہ میں اجازت نہیں دیتی۔ بات بڑھتے بڑھتے حضور تک پہنچی اور یہ فرمان نازل ہوا۔ پس سامنے سے پیچھے کی طرف سے اور جس طرح چاہے اختیار ہے ہاں جگہ ایک ہی ہو۔

حضرت مجاہد فرماتے ہیں میں نے حضرت ابن عباسؓ سے قرآن شریف سیکھا اول سے آخر تک انہیں سنایا ایک ایک آیت کی تفسیر اور مطلب پوچھا۔ اس آیت پر پہنچ کر جب میں نے اس کا مطلب پوچھا تو انہوں نے یہی بیان کیا (جو اوپر گزرا) ابن عمرؓ کا وہم یہ تھا کہ بعض روایتوں میں ہے کہ آپؐ قرآن پڑھتے ہوئے کسی سے بولتے چالتے نہ تھے لیکن ایک دن تلاوت کرتے ہوئے جب اس آیت تک پہنچے تو اپنے شاگرد حضرت نافعؓ سے فرمایا 'جانتے ہو یہ آیت کس بارے میں نازل ہوئی؟' انہوں نے کہا 'نہیں فرمایا' یہ عورتوں کی دوسری جگہ کی وحی کے بارے میں اتری ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا 'ایک شخص نے اپنی بیوی سے پیچھے سے کیا تھا جس پر اس آیت میں رخصت نازل ہوئی۔ لیکن ایک تو اس میں محدثین نے کچھ علت بھی بیان کی ہے۔ دوسرے اس کے معنی بھی یہی ہو سکتے ہیں کہ پیچھے کی طرف سے آگے کی جگہ میں کیا اور اوپر کی جو روایتیں ہیں وہ بھی سند صحیح نہیں بلکہ حضرت نافعؓ سے مروی ہے کہ ان سے کہا گیا کہ کیا آپؐ یہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ نے وحی دبر کو جائز کیا ہے؟ تو فرمایا 'لوگ جھوٹ کہتے ہیں' پھر وہی انصاریہ عورت اور مہاجر مرد والا واقعہ بیان کیا اور فرمایا حضرت عبداللہؓ تو اس آیت کا یہ مطلب ارشاد فرماتے تھے۔ اس روایت کی اسناد بھی بالکل صحیح ہے اور اس کے خلاف سند صحیح نہیں معنی مطلب بھی اور ہو سکتا ہے اور خود حضرت ابن عمرؓ سے اس کے خلاف بھی مروی ہے۔ وہ روایتیں عنقریب بیان ہوں گی۔ ان شاء اللہ جن میں ہے کہ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ نہ یہ مباح ہے نہ حلال ہے بلکہ حرام ہے۔

تو یہ قول یعنی جواز کا بعض فقہاء مدینہ وغیرہ کی طرف بھی منسوب ہے اور بعض لوگوں نے تو اسے امام کی طرف بھی منسوب کیا ہے لیکن اکثر لوگ اس کا انکار کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ امام صاحب کا قول ہرگز یہ نہیں صحیح حدیثیں بکثرت اس فعل کی حرمت پر وارد ہیں۔ ایک روایت میں ہے 'لوگو شرم و حیا کرو اللہ تعالیٰ حق بات فرمانے سے شرم نہیں کرتا' عورت کے پاخانہ کی جگہ وحی نہ کرو دوسری روایت میں ہے کہ آپؐ نے اس حرکت سے لوگوں کو منع فرمایا (مسند احمد) اور روایت میں ہے کہ جو شخص کسی عورت یا مرد کے ساتھ یہ کام کرے اس کی طرف اللہ تعالیٰ رحمت سے نہیں دیکھے گا (ترمذی)۔ حضرت ابن عباسؓ سے ایک شخص یہ مسئلہ پوچھتا ہے تو آپؐ فرماتے ہیں کہ کیا تو کفر کرنے کی بابت سوال کرتا ہے؟ ایک شخص نے آپؐ سے آ کر کہا کہ میں نے اتنی شینتم کا یہ مطلب سمجھا اور میں نے اس پر عمل کیا تو آپؐ بہت ناراض ہوئے اسے برا بھلا کہا اور فرمایا کہ مطلب یہ ہے کہ خواہ کھڑے ہو کر خواہ بیٹھ کر خواہ لیٹ کر لیکن جگہ وہی ایک ہو۔ ایک اور مرفوع حدیث میں ہے کہ جو شخص اپنی بیوی سے پاخانہ کی جگہ میں وحی کرے وہ جھوٹا لوٹی ہے (مسند احمد) ابو ذرؓ فرماتے ہیں کہ یہ کفار کا کام ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ کا یہ فرمان بھی منقول ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے واللہ اعلم۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: سات قسم کے لوگ ہیں جن کی طرف اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نظر رحمت سے نہیں دیکھے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا اور ان سے فرمائے گا کہ جہنمیوں کے ساتھ جہنم میں چلے جاؤ۔ ایک تو اغلام بازی کرنے والا خواہ وہ اوپر والا ہو خواہ نیچے والا ہو اور اپنے ہاتھ سے حاجت روائی کرنے والا اور چوپائے جانور سے یہ کام کرنے والا اور عورت کی دبر میں طلی کرنے والا اور عورت اور اس کی بیٹی دونوں سے نکاح کرنے والا اور اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرنے والا اور ہمسایہ کو ستانے والا یہاں تک کہ وہ اس پر لعنت کرے۔ لیکن اس کی سند میں ابن لہیعہ اور ان کے استاد دونوں ضعیف ہیں۔ مسند کی ایک اور حدیث میں ہے کہ جو شخص اپنی بیوی سے دوسرے راستے سے طلی کرے اس کو اللہ تعالیٰ نظر رحمت سے نہیں دیکھے گا (مسند)۔

مسند احمد اور سنن میں مروی ہے کہ جو شخص حائضہ عورت سے جماع کرے یا غیر جگہ کرے یا کاہن کے پاس جائے اور اسے سچا سمجھے اس نے اس چیز کے ساتھ کفر کیا جو محمد کے اوپر اتاری ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ امام بخاری اس حدیث کو ضعیف بتلاتے ہیں۔ ترمذی میں روایت ہے کہ ابوسلمہ بھی دبر کی طلی کو حرام بتاتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: لوگوں کا اپنی بیوی سے یہ کام کرنا کفر ہے (نسائی) ایک مرفوع حدیث میں اس معنی کی مروی ہے لیکن زیادہ صحیح اس کا موقوف ہونا ہی ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ یہ جگہ حرام ہے۔ حضرت ابن مسعود بھی یہی فرماتے ہیں حضرت علیؓ سے جب یہ بات پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا بڑا کمینہ وہ شخص ہے۔ دیکھو قرآن میں ہے کہ لوطیوں سے کہا گیا: تم وہ بدکاری کرتے ہو جس کی طرف کسی نے تم سے پہلے توجہ تک نہیں کی پس صحیح حدیثوں سے اور صحابہ کرامؓ سے بہت سی روایتوں اور سندوں سے اس فعل کی حرمت مروی ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ بھی اسے حرام کہتے ہیں چنانچہ دارمی میں ہے کہ آپ سے ایک مرتبہ یہ سوال ہوا تو آپ نے فرمایا: کیا مسلمان بھی ایسا کر سکتا ہے؟ اس کی اسناد صحیح ہے اور حکم بھی حرمت کا صاف ہے۔ پس غیر صحیح اور مختلف معنی والی روایتوں میں پڑ کر اتنے بڑے جلیل القدر صحابی کی طرف ایک ایسا گندہ مسئلہ منسوب کرنا ٹھیک نہیں گورواہتیں اس قسم کی بھی ملتی ہیں۔ امام مالکؒ سوان کی طرف بھی اس مسئلہ کی نسبت صحیح نہیں بلکہ معمر بن عیسیٰ فرماتے ہیں کہ امام صاحب اسے حرام جانتے تھے۔ اسرائیل بن روح نے آپ سے ایک مرتبہ یہی سوال کیا تو آپ نے فرمایا تم بے سمجھ ہو۔ بوائی کھیت میں ہی ہوتی ہے خبردار شرمگاہ کے سوا اور جگہ سے بچو۔ سائل نے کہا: حضرت لوگ تو کہتے ہیں کہ آپ اس فعل کو جائز کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا جھوٹے ہیں۔ مجھ پر تہمت باندھتے ہیں۔ امام مالکؒ سے اس کی حرمت ثابت ہے۔

امام ابو حنیفہؒ شافعیؒ احمدؒ اور ان کے تمام شاگرد اور ساتھی سعید بن مسیبؒ ابوسلمہؒ عکرمہؒ طاووسؒ عطاءؒ سعید بن جبیرؒ عروہ بن زبیرؒ مجاہدؒ حسنؒ وغیرہ سلف صالحین سب کے سب اسے حرام کہتے ہیں اور اس بارے میں سخت تشدد کرتے ہیں بلکہ بعض تو اسے کفر کہتے ہیں جمہور علماء کرام کا بھی اس کی حرمت پر اجماع ہے۔ گو بعض لوگوں نے فقہاء مدینہ بلکہ امام مالکؒ سے بھی اس کی حلت نقل کی ہے لیکن صحیح نہیں۔ عبد الرحمن بن قاسم کا قول ہے کہ کسی دیندار شخص کو میں نے تو اس کی حرمت میں شک کرنے والا نہیں پایا۔ پھر نسائوؒ کُھم حَرْتُ لَکُم پڑھ کر فرمایا: خود یہ لفظ حَرْتُ ہی اس کی حرمت ظاہر کرنے کے لئے کافی ہے کیونکہ وہ دوسری جگہ کھیتی کی جگہ نہیں۔ کھیتی میں جانے کے طریقے کا اختیار ہے نہ کہ جگہ بدلنے کا۔ گو امام مالکؒ سے اس کے مباح ہونے کی روایتیں بھی منقول ہیں لیکن ان کی اسنادوں میں سخت ضعف ہے واللہ اعلم۔ ٹھیک اس طرح امام شافعیؒ سے بھی ایک روایت لوگوں نے گھڑ لی ہے حالانکہ انہوں نے اپنی چھ کتابوں میں کھلے لفظوں میں اسے حرام لکھا ہے۔ پھر اللہ فرماتا ہے اپنے لئے کچھ آگے بھی بھیجو یعنی منوعات سے بچو۔ نیکیاں کرو تا کہ ثواب آگے جائے اللہ سے ڈرو اس سے ملنا ہے وہ حساب

کتاب لے گا ایماندار ہر حال میں خوشیاں منائیں۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں یہ بھی مطلب ہے کہ جب جماع کا ارادہ کرے یہ دعا پڑھے  
 بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْنَا یعنی اے اللہ تو ہمیں اور ہماری اولاد کو شیطان سے بچالے۔ نبی ﷺ  
 فرماتے ہیں اگر اس جماع سے نطفہ قرار پکڑ گیا تو اس بچے کو شیطان ہرگز کوئی ضرر نہ پہنچا سکے گا۔

وَلَا تَجْعَلُوا لِلّٰهِ عُرْضَةً لِأَيْمَانِكُمْ أَنْ تَبَرُّوا وَتَتَّقُوا وَتُصْلِحُوا  
 بَيْنَ النَّاسِ وَاللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِي  
 أَيْمَانِكُمْ وَلَكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوبُكُمْ وَاللّٰهُ غَفُورٌ حَلِيمٌ ۝

اللہ تعالیٰ کو اپنی قسموں کا نشانہ نہ بناؤ کہ بھلائی اور پرہیزگاری اور لوگوں کے درمیان کی اصلاح کو چھوڑ بیٹھو اور اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے ○ اللہ تعالیٰ تمہیں  
 تمہاری ان قسموں پر نہ پکڑے گا جو چننے نہ ہوں ہاں اس کی پکڑ اس چیز پر ہے جو تمہارے دلوں کا فعل ہو اللہ تعالیٰ جتنے والا اور بردبار ہے ○

قسم اور کفارہ: ☆☆ (آیت: ۲۲۳-۲۲۵) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ نیکی اور صلہ رحمی کے چھوڑنے کا ذریعہ اللہ کی قسموں کو نہ بناؤ جیسے اور جگہ  
 ہے وَلَا يَأْتِلْ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَلْعِنَىٰ وہ یعنی وہ لوگ جو کشادہ حال اور فارغ البال ہیں وہ قربت داروں، مسکینوں اور اللہ کی  
 راہ میں ہجرت کرنے والوں کو کچھ نہ دینے پر قسمیں نہ کھا بیٹھیں۔ انہیں چاہئے کہ معاف کرنے اور درگزر کرنے کی عادت ڈالیں کیا تمہاری  
 خود خواہش نہیں کہ اللہ تمہیں بخشے اگر کوئی ایسی قسم کھا بیٹھے تو اسے چاہئے کہ اسے توڑ دے اور کفارہ ادا کر دے صحیح بخاری شریف کی حدیث میں  
 ہے کہ ہم پیچھے آنے والے ہیں لیکن قیامت کے دن سب سے آگے بڑھنے والے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ تم میں سے کوئی ایسی قسم کھالے اور  
 کفارہ ادا نہ کرے اور اس پر اڑارے وہ بڑا گنہگار ہے۔ یہ حدیث اور بھی بہت سی سندوں اور بہت سی کتابوں میں مروی ہے۔ حضرت عبداللہ  
 بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اس آیت کی تفسیر میں یہی فرماتے ہیں۔ حضرت مسروق وغیرہ بہت سے مفسرین سے بھی یہی مروی ہے۔ جمہور  
 کے ان اقوال کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اللہ کی قسم ان شاء اللہ میں اگر کوئی قسم کھا بیٹھوں گا اور اس  
 کے توڑنے میں مجھے بھلائی نظر آئے گی تو میں قطعاً اسے توڑ دوں گا اور اس قسم کا کفارہ ادا کروں گا۔ حضورؐ نے ایک مرتبہ حضرت عبدالرحمن بن  
 سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا اے عبدالرحمن سرداری امارت اور امامت کو طلب نہ کر اگر بغیر مانگے تو دیا جائے گا تو اللہ کی جانب سے تیری  
 مدد کی جائے گی اور اگر تو نے آپ مانگ کر لی ہے تو تجھے اس کی طرف سوئپ دیا جائے گا تو اگر کوئی قسم کھالے اور اس کے خلاف بھی بھلائی دیکھ  
 تو اپنی قسم کا کفارہ دے دے اور اس نیک کام کو کر لے۔

صحیح مسلم میں حدیث ہے کہ جو شخص کوئی قسم کھالے پھر اس کے سوا خوبی نظر آئے تو اسے چاہئے کہ اس خوبی والے کام کو کر لے اور اپنی  
 اس قسم کو توڑ دے اس کا کفارہ دے دے مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ اس کا چھوڑ دینا ہی اس کا کفارہ ہے۔ ابوداؤد میں ہے نذر اور قسم  
 اس چیز میں نہیں جو انسان کی ملکیت میں نہ ہو اور نہ خدائے تعالیٰ کی نافرمانی میں ہی ہے نہ رشتوں ناتوں کو توڑتی ہے جو شخص کوئی قسم کھالے اور  
 نیکی اس کے کرنے میں ہو تو وہ قسم کو چھوڑ دے اور نیکی کا کام کرے اس قسم کو چھوڑ دینا ہی اس کا کفارہ ہے۔ امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں  
 کل کی کل صحیح حدیثوں میں یہ لفظ ہیں کہ اپنی ایسی قسم کا کفارہ دے۔ ایک ضعیف حدیث میں ہے کہ ایسی قسم کا پورا کرنا یہی ہے کہ اسے توڑ دے  
 اور اس سے رجوع کرے۔ ابن عباسؓ، سعید بن مسیبؓ، مسروق اور شعبیؓ بھی اسی کے قائل ہیں کہ ایسے شخص کے ذمہ کفارہ نہیں۔ پھر فرماتا ہے

جو قسمیں تمہارے منہ سے بغیر قصد اور ارادے کے عادتاً نکل جائیں ان پر پکڑ نہیں۔

بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے جو شخص لات اور عزی کی قسم کھا بیٹھے وہ لا الہ الا اللہ پڑھ لے۔ یہ ارشاد حضور کا ان لوگوں کو ہوا تھا جو ابھی ابھی اسلام لائے تھے اور جاہلیت کے زمانہ کی یہ قسمیں ان کی زبانوں پر پڑھی ہوئی تھیں تو ان سے فرمایا کہ اگر عادتاً کبھی ایسے شرکیہ الفاظ نکل جائیں تو فوراً کلمہ توحید پڑھ لیا کرو تا کہ بدلہ ہو جائے۔ پھر فرمایا ہاں جو قسمیں پختگی کے ساتھ دل کی ارادت کے ساتھ قصداً کھائی جائیں ان پر پکڑ ہے۔ دوسری آیت کے لفظ بِمَا عَقَّدْتُمُ الْاٰیْمَانَ ہیں ابوداؤد میں بروایت حضرت عائشہ ایک مرفوع حدیث مروی ہے جو اور روایتوں میں موقوف وارد ہوئی ہے کہ یہ لغو قسمیں وہ ہیں جو انسان اپنے گھربار میں بال بچوں میں کہہ دیا کرتا ہے کہ ہاں اللہ کی قسم اور نہیں اللہ کی قسم۔ غرض بطور تنکیہ کلام کے یہ لفظ نکل جاتے ہیں۔ دل میں اس کی پختگی کا خیال بھی نہیں ہوتا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے یہ بھی مروی ہے کہ یہ وہ قسمیں ہیں جو ہنسی ہنسی میں انسان کے منہ سے نکل جاتی ہیں ان پر کفارہ نہیں۔ ہاں جو ارادے کے ساتھ ہو پھر اس کا خلاف کرے تو کفارہ ادا کرنا پڑے گا۔ آپ کے علاوہ اور بھی بعض صحابہ اور تابعین نے یہی تفسیر اس آیت کی بیان کی ہے یہ بھی مروی ہے کہ ایک آدمی اپنی تحقیق پر بھروسہ کر کے کسی معاملہ کی نسبت قسم کھا بیٹھے اور حقیقت میں وہ معاملہ یوں نہ ہو تو یہ قسمیں لغو ہیں۔ یہ معنی بھی دیگر بہت سے حضرات سے مروی ہیں۔

ایک حسن حدیث میں ہے جو مرسل ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ تیر اندازوں کی ایک جماعت کے پاس جا کھڑے ہوئے۔ وہ تیر اندازی کر رہے تھے اور ایک شخص کبھی کہتا تھا اللہ کی قسم اس کا تیر نشانہ پر لگے گا۔ کبھی کہتا تھا اللہ کی قسم یہ خطا کرے گا آپ کے صحابی نے کہا دیکھئے حضور اگر اس کی قسم کے خلاف ہو؟ آپ نے فرمایا یہ دو قسمیں لغو ہیں ان پر کفارہ نہیں اور نہ کوئی سزا یا عذاب ہے۔ بعض بزرگوں نے فرمایا ہے یہ وہ قسمیں ہیں جو انسان کھا لیتا ہے پھر خیال نہیں رہتا یا کوئی شخص اپنے کسی کام کے نہ کرنے پر کوئی بدعا کے کلمات اپنی زبان سے نکال دیتا ہے۔ وہ بھی لغو ہیں داخل ہیں یا غصے اور غضب کی حالت میں بے ساختہ زبان سے قسم نکل جائے یا حلال کو حرام یا حرام کو حلال کر لے تو اسے چاہئے کہ ان قسموں کی پروا نہ کرے۔ اور اللہ کے احکام کے خلاف نہ کرے۔ حضرت سعید بن مسیب سے مروی ہے کہ انصار کے دو شخص جو آپس میں بھائی بھائی تھے ان کے درمیان کچھ میراث کا مال تھا تو ایک نے دوسرے سے کہا اب اس مال کو تقسیم کر دو دوسرے نے کہا اگر اب تو نے تقسیم کرنے کے لئے کہا تو میرا مال کعبہ کا خزانہ ہے۔ حضرت عمرؓ نے یہ واقعہ سن کر فرمایا کہ کعبہ ایسے مال سے غنی ہے۔ اپنی قسم کا کفارہ دے اور اپنے بھائی سے بول چال رکھ۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی رشتے ناٹوں کے کاٹنے میں ہے اور جس چیز کی ملکیت نہ ہو اس میں نہ قسم ہے نہ نذر۔ پھر فرماتا ہے تمہارے دل جو کریں اس پر گرفت ہے یعنی اپنے جھوٹ کا علم ہو اور پھر قسم کھائے جیسے اور جگہ ہے وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُمُ الْاٰیْمَانَ یعنی جو تم مضبوط اور تاکید والی قسمیں کھاؤ۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو بخشنے والا ہے اور ان پر علم و کرم کرنے والا ہے۔

لِّلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَائِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ فَاِنْ فَاَوْ فَاِنْ  
اَللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۵۵ وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝۵۶

جو لوگ اپنی بیویوں سے قسمیں کھائیں ان کے لئے چار مہینے کی مدت ہے۔ پس اگر وہ لوٹ آئیں تو اللہ تعالیٰ بھی بخشنے والا مہربان ہے اور اگر طلاق کا ہی قصد کر لیں تو

اللہ تعالیٰ سننے جاننے والا ہے ○

ایلا اور اس کی وضاحت: ☆ ☆ (آیت: ۲۲۶-۲۲۷) ایلا کہتے ہیں ”قسم“ کو۔ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے جماعت نہ کرنے کی ایک مدت تک کے لئے قسم کھالے تو دو صورتیں ہیں یا تو وہ مدت چار مہینے سے کم ہوگی یا زیادہ ہوگی اگر کم ہو تو وہ مدت پوری کرے اور اس درمیان عورت بھی صبر کرے۔ اس سے مطالبہ اور سوال نہیں کر سکتی۔ پھر میاں بیوی آپس میں ملیں جلیں جیسے کہ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے ایک ماہ کے لئے قسم کھائی تھی اور انتیس دن پورے الگ رہے اور فرمایا کہ مہینہ انتیس کا بھی ہوتا ہے اور اگر چار مہینے سے زائد کی مدت کے لئے قسم کھائی ہو تو چار ماہ کے بعد عورت کو حق حاصل ہے کہ وہ قاضی اور مطالبہ کرے کہ یا تو وہ میل ملاپ کر لے یا طلاق دے دے اور حاکم اس خاوند کو ان دو باتوں میں سے ایک کے کرنے پر مجبور کرے گا تا کہ عورت کو ضرر نہ پہنچے۔ یہی بیان یہاں ہو رہا ہے کہ جو لوگ اپنی بیویوں سے ایلا کریں یعنی ان سے جماعت نہ کرنے کی قسم کھائیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ ”ایلا“ خاص ہے بیویوں کیلئے لوٹ پلوں کے لئے نہیں، یہی مذہب جمہور علماء کرام کا ہے۔ یہ لوگ چار مہینہ تک آزاد ہیں۔ اس کے بعد انہیں مجبور کیا جائے گا کہ یا تو وہ اپنی بیویوں سے مل لیں یا طلاق دے دیں یہ نہیں کہ اب بھی وہ اسی طرح چھوڑے رہیں۔ پھر اگر وہ لوٹ آئیں یہ اشارہ جماع کرنے کا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی بخش دے گا اور جو تفسیر عورت کے حق میں ان سے ہوئی ہے اسے اپنی مہربانی سے معاف فرما دے گا۔ اس میں دلیل ہے ان علماء کی جو کہتے ہیں کہ اس صورت میں خاوند کے ذمہ کفارہ کچھ بھی نہیں۔ امام شافعیؒ کا بھی پہلا قول یہی ہے۔ اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو اگلی آیت کی تفسیر میں گذر چکی کہ قسم کھانے والا اگر اپنی قسم کے توڑ ڈالنے میں نیکی دیکھتا ہو تو توڑ ڈالے۔ یہی اس کا کفارہ ہے اور علماء کرام کی ایک دوسری جماعت کا یہ مذہب ہے کہ اسے قسم کا کفارہ دینا پڑے گا۔ اس کی حدیثیں بھی اوپر گذر چکی ہیں اور جمہور کا مذہب بھی یہی ہے واللہ اعلم۔

پھر فرمان ہے کہ اگر چار ماہ گذر جانے کے بعد وہ طلاق دینے کا قصد کرے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ چار مہینے گذرتے ہی طلاق نہیں پڑ جائے گی۔ جمہور متاخرین کا یہی مذہب ہے۔ گو ایک دوسری جماعت یہ بھی کہتی ہے کہ بلا جماع چار ماہ گذرنے کے طلاق ہو جائے گی۔ حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابن عمرؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، رضوان اللہ علیہم اجمعین اور بعض تابعین سے بھی یہی مروی ہے لیکن یہ یاد رہے کہ راجح قول اور قرآن کریم کے الفاظ اور صحیح حدیث سے ثابت شدہ قول یہی ہے کہ طلاق واقع نہ ہوگی (مترجم) پھر بعض تو کہتے ہیں یہ طلاق رجعی ہوگی، بعض کہتے ہیں بائن ہوگی جو لوگ طلاق پڑنے کے قائل ہیں وہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد اسے عدت بھی گزارنی پڑے گی۔ ہاں ابن عباسؓ اور ابو الشعثاءؓ فرماتے ہیں کہ اگر ان چار مہینوں میں اس عورت کو تین حیض آگئے ہیں تو اس پر عدت بھی نہیں۔ امام شافعیؒ کا بھی قول یہی ہے لیکن جمہور متاخرین علماء کا فرمان یہی ہے کہ اس مدت کے گزرتے ہی طلاق واقع نہ ہوگی بلکہ اب ایلا کرنے والے کو تنگ کیا جائے گا کہ یا تو وہ اپنی قسم کو توڑ دے یا طلاق دے۔ مؤطا مالک میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہی مروی ہے۔

صحیح بخاری میں بھی یہ روایت موجود ہے۔ امام شافعیؒ اپنی سند سے حضرت سلیمان بن یسار سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے دس سے اوپر اور پڑھائیوں سے سنا کہ وہ کہتے تھے چار ماہ کے بعد ایلا کرنے والے کو کھڑا کیا جائے گا، پس کم سے کم یہ تیرہ صحابی ہو گئے۔ حضرت علیؓ سے بھی یہی منقول ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں یہی ہمارا مذہب ہے اور یہی حضرت عمرؓ، حضرت ابن عمرؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت عثمانؓ، بن زید بن ثابتؓ اور دس سے اوپر اور پڑھائیوں سے صحابہ کرامؓ سے مروی ہے۔ دارقطنیؒ میں ہے حضرت ابوصالحؒ فرماتے ہیں میں نے بارہ صحابیوں سے اس مسئلہ کو پوچھا سب نے یہی جواب عنایت فرمایا۔ حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابوالدرداءؓ، حضرت ام المومنین عائشہؓ

صدیقہ، حضرت ابن عمر، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم بھی یہی فرماتے ہیں اور تابعین میں سے حضرت سعید بن مسیب، حضرت عمر بن عبد العزیز، حضرت مجاہد، حضرت طاؤس، حضرت محمد بن کعب، حضرت قاسم رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کا بھی یہی قول ہے اور حضرت امام مالک، حضرت امام شافعی، حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہم اور ان کے ساتھیوں کا بھی یہی مذہب ہے، امام ابن جریر بھی اسی قول کو پسند کرتے ہیں، لیث، اسحاق بن راہویہ، ابو عبیدہ، ابو ثور، داؤد وغیرہ بھی یہی فرماتے ہیں۔ یہ سب حضرات فرماتے ہیں کہ اگر چار ماہ کے بعد وہ رجوع نہ کرے تو اسے طلاق دینے پر مجبور کیا جائے گا۔ اگر طلاق نہ دے تو حاکم آپ اس کی طرف سے طلاق دے دے گا اور یہ طلاق رجعی ہوگی۔ عدت کے اندر رجعت کا حق خاوند کو حاصل ہے۔ ہاں صرف امام مالک فرماتے ہیں کہ اسے رجعت جائز نہیں یہاں تک کہ عدت میں جماع کرے لیکن یہ قول نہایت غریب ہے۔

یہاں جو چار مہینے کی تاخیر کی اجازت دی ہے اس کی مناسبت میں موطا امام مالکؒ میں حضرت عبد اللہ بن دینار کی روایت سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک واقعہ عموماً فقہاء کرام ذکر کیا کرتے ہیں جو یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ راتوں کو مدینہ شریف کی گلیوں میں گشت لگاتے رہتے۔ ایک رات کو نکلے تو آپ نے سنا کہ ایک عورت اپنے سفر میں گئے ہوئے خاوند کی یاد میں کچھ اشعار پڑھ رہی ہے جن کا ترجمہ یہ ہے۔ افسوس ان کالی کالی اور لمبی راتوں میں میرا خاوند نہیں جس سے میں ہنسون بولوں۔ قسم اللہ کی اگر اللہ کا خوف نہ ہوتا تو اس وقت اس پلنگ کے پائے حرکت میں ہوتے۔ آپ اپنی صاحبزادی ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور فرمایا، تلاؤ زیادہ سے زیادہ عورت اپنے خاوند کی جدائی پر کتنی مدت صبر کر سکتی ہے۔ فرمایا چھ مہینے یا چار مہینے۔ آپؐ نے فرمایا اب میں حکم جاری کر دوں گا کہ مسلمان مجاہد سفر میں اس سے زیادہ نہ ٹھہریں۔ بعض روایتوں میں کچھ زیادتی بھی ہے اور اس کی بہت سی سندیں ہیں اور یہ واقعہ مشہور ہے۔

وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ أَنْ يَكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللَّهُ فِي أَرْحَامِهِنَّ إِنْ كُنَّ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ  
الْآخِرِ وَبُعُوَّتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِي ذَلِكَ إِنْ أَرَادُوا إِصْلَاحًا وَلَهُنَّ  
مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ وَاللَّهُ  
عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝

طلاق والی عورتیں اپنے تئیں تین حیض تک روکے رکھیں۔ انہیں حلال نہیں کہ اللہ نے ان کے رحم میں جو پیدا کیا ہو اسے چھپائیں۔ اگر انہیں اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان ہو ان کے خاوند اس مدت میں انہیں لوٹا لینے کے پورے حقدار ہیں اگر ان کا ارادہ اصلاح کا ہو۔ عورتوں کے بھی اسی مثل حق ہیں جیسے ان پر ہیں۔ اچھائی کے ساتھ۔ ہاں مردوں کے ان پر بڑے درجے ہیں اور اللہ تعالیٰ غالب ہے حکمت والا ○

طلاق کے مسائل: ☆☆ (آیت: ۲۲۸) ان عورتوں کو جو خاوندوں سے مل چکی ہوں اور بالغ ہوں، حکم ہو رہا ہے کہ طلاق کے بعد تین حیض تک رکی رہیں۔ پھر اگر چاہیں تو اپنا نکاح دوسرا کر سکتی ہیں۔ ہاں چاروں اماموں نے اس میں لونڈی کو مخصوص کر دیا ہے۔ وہ دو حیض عدت گزارے کیونکہ لونڈی ان معاملات میں آزاد عورت سے آدھے پر ہے لیکن حیض کی مدت کا ادھورا ٹھیک نہیں بیٹھتا اس لئے وہ دو حیض گزارے۔ ایک حدیث میں یہ بھی ہے کہ لونڈی کی طلاقات بھی دو ہیں اور اس کی عدت بھی دو حیض ہیں (ابن جریر)۔ لیکن اس کے راوی

حضرت مظاہر ضعیف ہیں یہ حدیث ترمذی، ابوداؤد اور ابن ماجہ میں بھی ہے۔ امام حافظ دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صحیح بات یہ ہے کہ حضرت قاسم بن محمد کا اپنا قول ہے لیکن حضرت ابن عمرؓ سے یہ روایت مرفوع مروی ہے گو اس کی نسبت بھی امام دارقطنی یہی فرماتے ہیں کہ یہ حضرت عبداللہ کا اپنا قول ہی ہے۔ اسی طرح خود خلیفہ المسلمین حضرت فاروق اعظمؓ سے مروی ہے۔ بلکہ صحابہ میں اس مسئلہ میں اختلاف ہی نہ تھا۔ ہاں بعض سلف سے یہ بھی مروی ہے کہ عدت کے بارے میں آزاد اور لونڈی برابر ہے کیونکہ آیت اپنی عمومیت کے لحاظ سے دونوں کو شامل ہے اور اس لئے بھی کہ یہ فطری امر ہے۔ لونڈی اور آزاد عورت اس میں یکساں ہیں۔ محمد بن سیرین اور بعض اہل ظاہر کا یہی قول ہے لیکن یہ ضعیف ہے۔ ابن ابی حاتم کی ایک غریب سند والی روایت میں ہے کہ حضرت اسماء بنت یزید بن سکین انصاریہ کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ اس سے پہلے طلاق کی عدت نہ تھی سب سے پہلے عدت کا حکم ان ہی کی طلاق کے بعد نازل ہوا۔

قروء کے معنی میں سلف خلف کا برابر اختلاف رہا ہے۔ ایک قول تو یہ ہے کہ اس سے مراد طہر یعنی پاکی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہی فرمان ہے چنانچہ انہوں نے اپنی بیٹی حضرت عبدالرحمنؓ کی بیٹی حفصہ کو جبکہ وہ تین طہر گزار چکیں اور تیسرا حیض شروع ہوا تو حکم دیا کہ وہ مکان بدل لیں۔ حضرت عروہؓ نے جب یہ روایت بیان کی تو حضرت عروہ نے جو صدیقہ کی دوسری بیٹی ہیں اس واقعہ کی تصدیق کی اور فرمایا کہ لوگوں نے حضرت صدیقہؓ پر اعتراض بھی کیا تو آپؐ نے فرمایا اقرء سے مراد طہر ہیں (موطا مالک)۔ بلکہ موطا میں ابوبکر بن عبدالرحمنؓ کا تو یہ قول بھی مروی ہے کہ میں نے سمجھا در علماء و فقہاء کو قروء کی تفسیر طہر سے ہی کرتے سنا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ بھی یہی فرماتے ہیں کہ جب تیسرا حیض شروع ہوا تو یہ اپنے خاوند سے بری ہو گئی اور خاوند اس سے الگ ہوا (موطا) امام مالکؒ فرماتے ہیں ہمارے نزدیک بھی متفق امر یہی ہے۔ ابن عباسؓ زید بن ثابتؓ سالمؓ قاسمؓ عروہؓ سلیمان بن یسارؓ ابوبکر بن عبدالرحمنؓ ابان بن عثمانؓ عطاءؓ قتادہؓ زہریؓ اور باقی ساتوں فقہاء کا بھی یہی قول ہے۔ امام مالکؒ امام شافعیؒ کا بھی یہی مذہب ہے۔ داؤد اور ابو ثورؒ بھی یہی فرماتے ہیں۔ امام احمدؒ سے بھی ایک روایت اسی طرح کی مروی ہے۔ اس کی دلیل ان بزرگوں نے قرآن کی اس آیت سے بھی نکالی ہے کہ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعَدَّتِهِنَّ یعنی انہیں عدت میں طلاق دو یعنی طہر میں پاکیزگی کی حالت میں۔ چونکہ جس طہر میں طلاق دی جاتی ہے وہ بھی نکلتی میں آتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ آیت مندرجہ بالا میں بھی قروء سے مراد حیض کے سوا کی یعنی پاکی حالت ہے۔ اسی لئے یہ حضرات فرماتے ہیں کہ جہاں تیسرا حیض شروع ہوا اور عورت اپنے خاوند کی عدت سے باہر ہو گئی اور اس کی کم سے کم مدت جس میں اگر عورت کہے کہ اسے تیسرا حیض شروع ہو گیا ہے تو اسے سچا سمجھا جائے، تیس دن اور دو لحظہ ہیں، عرب شاعروں کے شعر میں بھی یہ لفظ طہر کے معنی میں مستعمل ہوا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد تین حیض ہیں اور جب تک تیسرے حیض سے پاک نہ ہو لے تب تک وہ عدت میں ہی ہے۔ بعضوں نے غسل کر لینے تک کہا ہے اور اس کی کم سے کم مدت تینتیس دن اور ایک لحظہ ہے۔ اس کی دلیل میں ایک تو حضرت عمر فاروقؓ کا یہ فیصلہ ہے کہ ان کے پاس ایک مطلقہ عورت آئی اور کہا کہ میرے خاوند نے مجھے ایک یا دو طلاقیں دی تھیں۔ پھر وہ میرے پاس اس وقت آیا جب کہ اپنے کپڑے اتار کر دروازہ بند کئے ہوئے تھی (یعنی تیسرے حیض سے نہانے کی تیاری میں تھی تو فرمائیے کیا حکم ہے یعنی رجوع ہو جائے گا یا نہیں؟) آپؓ نے فرمایا میرا خیال تو یہی ہے رجوع ہو گیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی تائید کی، حضرت صدیق اکبرؓ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ حضرت ابودرداءؓ حضرت عبادہ بن صامتؓ حضرت انس بن مالکؓ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت معاذؓ حضرت ابی بن کعبؓ حضرت موسیٰ اشعریؓ حضرت ابن عباسؓ رضی اللہ عنہم سے بھی یہی مروی ہے۔ سعید بن مسیبؓ علقمہؓ اسودؓ ابراہیمؓ مجاہدؓ عطاءؓ طاؤسؓ



سعید بن جبیر، عکرمہ، محمد بن سیرین، حسن، قتادہ، شعبی، ربیع، مقاتل بن حیان، سدی، مکحول، ضحاک، عطا خراسانی بھی یہی فرماتے ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب کا بھی یہی مذہب ہے۔ امام احمدؒ سے بھی زیادہ صحیح روایت میں یہی مروی ہے۔ آپ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ کے بڑے بڑے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے یہی مروی ہے۔ ثوریؒ، اوزاعیؒ، ابن ابی لیلیٰ، ابن شیرمہ، حسن بن صالح، ابو عبیدہ اور اسحاق بن راہویہ کا قول بھی یہی ہے، ایک حدیث میں بھی ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت فاطمہ بنت ابی جحشؓ سے فرمایا تھا نماز کو اپنے اقراء کے دنوں میں چھوڑ دو پس معلوم ہوا کہ قرء سے مراد حیض ہے۔ لیکن اس حدیث کا ایک روای مندرجہ بالا ہے جو مشہور نہیں۔ ہاں ابن حبان اسے ثقہ بتلاتے ہیں۔ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں، لکن قرء کہتے ہیں ہر اس چیز کے آنے اور جانے کے وقت کو جس کے آنے جانے کا وقت مقرر ہو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس لفظ کے دونوں معنی ہیں۔ حیض کے بھی اور طہر کے بھی اور بعض اصولی حضرات کا یہی مسلک ہے۔ واللہ اعلم۔ اصحی بھی فرماتے ہیں کہ قرء کہتے ہیں وقت کو۔ ابو عمر بن علا کہتے ہیں عرب میں حیض کو اور طہر کو دونوں کو قرء کہتے ہیں۔ ابو عمر بن عبد البر کا قول ہے کہ زبان عرب کے ماہر اور فقہاء کا اس میں اختلاف ہی نہیں کہ طہر اور حیض دونوں معنی قرء کے ہیں ہاں اس آیت کے معنی مقرر کرنے میں ایک جماعت اس طرف گئی اور دوسری اس طرف (مترجم کی تحقیق میں بھی قرء سے مراد یہاں حیض لینا ہی بہتر ہے)۔

پھر فرمایا، ان کے رحم میں جو ہو، اس کا چھپانا حلال نہیں، حمل ہو تو اور حیض آئے تو پھر فرمایا، اگر انہیں اللہ پر اور قیامت پر ایمان ہو، اس میں دھمکایا جا رہا ہے کہ خلاف حق نہ کہیں اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس خبر میں ان کی بات کا اعتبار کیا جائے گا کیونکہ اس پر کوئی بیرونی شہادت قائم نہیں کی جاسکتی۔ اس لئے انہیں خبردار کر دیا گیا کہ عدت سے جلد نکل جانے کے لئے (حیض نہ آیا ہو) اور کہہ نہ دیں کہ انہیں حیض آ گیا یا عدت کو بڑھانے کے لئے آیا اور اسے چھپا نہ لیں۔ اسی طرح حمل کی بھی خبر کر دیں۔ پھر فرمایا کہ عدت کے اندر اس شوہر کو جس نے طلاق دی ہے، لوٹا لینے کا پورا حق حاصل ہے جبکہ طلاق رجعی ہو یعنی ایک طلاق کے بعد بھی اور دو طلاقیں کے بعد بھی۔ باقی رہی طلاق بائن یعنی تین طلاقیں جب ہو جائیں تو یا در ہے کہ جب یہ آیت اتری ہے تب تک طلاق بائن تھی ہی نہیں بلکہ اس وقت تک تو چاہے سوطلاقیں ہو جائیں سب رجعی ہی تھیں۔ طلاق بائن تو پھر اسلام کے احکام میں آئی کہ تین اگر ہو جائیں تو اب رجعت کا حق نہیں رہے گا۔ جب یہ بات خیال میں رہے گی تو علماء اصول کے اس قاعدے کا ضعف بھی معلوم ہو جائے گا کہ ضمیر لوٹانے سے پہلے کے عام لفظ کی خصوصیت ہوتی ہے یا نہیں اس لئے کہ اس آیت کے وقت دوسری شکل تھی ہی نہیں طلاق کی ایک ہی صورت تھی۔ واللہ اعلم۔

پھر فرماتا ہے کہ جیسے ان عورتوں پر مردوں کے حقوق ہیں ویسے ہی ان عورتوں کے مردوں پر بھی حقوق ہیں۔ ہر ایک کو دوسرے کا پاس و لحاظ عمدگی سے رکھنا چاہئے۔ صحیح مسلم شریف میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے اپنے خطبہ میں فرمایا، لوگو عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو تم نے اللہ کی امانت کہہ کر انہیں لیا ہے اور اللہ کے کلمہ سے ان کی شرمگاہوں کو اپنے لئے حلال کیا ہے۔ عورتوں پر تمہارا یہ حق ہے کہ وہ تمہارے فرش پر کسی ایسے کو نہ آنے دیں جس سے تم ناراض ہو۔ اگر وہ ایسا کریں تو انہیں مارو لیکن ایسی مار نہ ہو کہ ظاہر ہو۔ ان کا تم پر یہ حق ہے کہ انہیں اپنی بساط کے مطابق کھلاؤ پلاؤ پہناؤ، اڑھاؤ۔ ایک شخص نے حضورؐ سے دریافت کیا کہ ہماری عورتوں کے ہم پر کیا حق ہیں۔ آپؐ نے فرمایا جب تم کھاؤ تو اسے بھی کھلاؤ جب تم پہنو تو اسے بھی پہناؤ، اس کے منہ پر نہ مارو، اسے گالیاں نہ دو، اس سے روٹھ کر اور کہیں نہ بھیج دو ہاں گھر میں رکھو۔ اسی آیت کو پڑھ کر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ میں پسند کرتا ہوں کہ اپنی بیوی کو خوش کرنے کے لئے بھی اپنی زینت کروں جس طرح وہ مجھے خوش کرنے کے لئے اپنا بناؤ سنگھار کرتی ہے۔ پھر فرمایا کہ مردوں کو ان پر فضیلت ہے جسمانی حیثیت سے بھی اخلاقی حیثیت سے بھی، مرتبہ کی

حیثیت سے بھی، حکمرانی کی حیثیت سے بھی، خراج اخراجات کی حیثیت سے بھی، دیکھ بھال اور نگرانی کی حیثیت سے بھی غرض دنیوی اور اخروی فضیلت کے ہر اعتبار سے۔ جیسے اور جگہ ہے اَلرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ الخ یعنی مرد عورتوں کے سردار ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایک کو ایک پر فضیلت دے رکھی ہے اور اس لئے بھی کہ یہ مال خرچ کرتے ہیں۔ پھر فرمایا اللہ تعالیٰ اپنے نافرمانوں سے بدلہ لینے پر غالب ہے اور اپنے احکام میں حکمت والا ہے۔

الطَّلَاقُ مَرَّتَيْنِ فَاِمْسَاكِ بِمَعْرُوفٍ اَوْ تَسْرِيجٍ بِاِحْسَانٍ وَلَا  
يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّا اَتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْئًا اِلَّا اَنْ يَخَافَا اِلَّا  
يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ  
عَلَيْهِمَا فِمْا افْتَدَتْ بِهٖ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا وَمَنْ يَتَعَدَّ  
حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظَّالِمُوْنَ ﴿۵۵﴾

یہ طلاقیں دو مرتبہ ہیں پھر یا تو اچھائی سے روکنا ہے یا عمدگی کے ساتھ چھوڑ دینا ہے اور تمہیں حلال نہیں کہ تم نے انہیں جو دے دیا ہو اس میں سے کچھ بھی لوہاں یہ اور بات ہے کہ دونوں کو اللہ کی حدیں قائم نہ رکھ سکنے کا خوف ہو۔ پس اگر تمہیں ڈر ہو کہ یہ دونوں اللہ کی حدیں قائم نہ رکھ سکیں گے تو عورت جو کچھ بدلہ دے کر چھوٹے اس میں دونوں پر کچھ گناہ نہیں یہ ہیں حدیں اللہ کی۔ خبردار ان سے آگے نہ بڑھنا اور جو لوگ اللہ کی حدود سے تجاوز کر جائیں وہ ظالم ہیں ○

رسم طلاق میں آئینی اصلاحات اور خلع: ☆☆ (آیت: ۲۲۹) اسلام سے پہلے یہ دستور تھا کہ خاوند ختنی چاہے طلاقیں دیتا چلا جائے اور عدت میں رجوع کرتا جائے اس سے عورتوں کی جان غضب میں تھی کہ طلاق دی عدت گزرنے کے قریب آئی رجوع کر لیا، پھر طلاق دے دی۔ اس طرح عورتوں کو تنگ کرتے رہتے تھے پس اسلام نے حد بندی کر دی کہ اس طرح کی طلاقیں صرف دو ہی دے سکتے ہیں تیسری طلاق کے بعد لوٹا لینے کا کوئی حق نہ رہے گا۔ سنن ابوداؤد میں باب ہے کہ تین طلاقیں کے بعد مراجعت منسوخ ہے پھر یہ روایت لائے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ یہی فرماتے ہیں ابن ابی حاتم میں ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ نہ تو میں تجھے بساؤں گا نہ چھوڑوں گا۔ اس نے کہا یہ کس طرح؟ کہا طلاق دے دوں گا اور جہاں عدت ختم ہونے کا وقت آیا تو رجوع کر لوں گا۔ پھر طلاق دے دوں گا۔ پھر عدت ختم ہونے سے پہلے رجوع کر لوں گا یونہی کرتا چلا جاؤں گا وہ عورت حضورؐ کے پاس آئی اور اپنا یہ دکھ رونے لگی اس پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔

ایک اور روایت میں ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد لوگوں نے نئے سرے سے طلاق کا خیال رکھنا شروع کیا اور وہ سنبھل گئے اور تیسری طلاق کے بعد اس خاوند کو لوٹا لینے کا کوئی حق حاصل نہ رہا اور فرمایا گیا کہ دو طلاقیں تک تو تمہیں اختیار ہے کہ اصلاح کی نیت سے اپنی بیوی کو لوٹا لو۔ اگر وہ عدت کے اندر ہے اور یہ بھی اختیار ہے کہ نہ لوٹاؤ اور عدت گزر جانے دو تا کہ وہ دوسرے سے نکاح کرنے کے قابل ہو جائے اور اگر تیسری طلاق دینا چاہتے ہو تو بھی احسان و سلوک کے ساتھ ورنہ اس کا کوئی حق نہ مارو اس پر کوئی ظلم نہ کرو نہ اسے ضرر نقصان پہنچاؤ ایک شخص نے حضورؐ سے سوال کیا کہ دو طلاقیں تو اس آیت میں بیان ہو چکی ہیں تیسری کا ذکر کہاں ہے۔ آپ نے فرمایا اَوْ تَسْرِیْ یُحِبُّ بِالْحَسَنِ میں جب تیسری طلاق کا ارادہ کرے تو عورت کو تنگ کرنا اس پر سختی کرنا تا کہ وہ اپنا حق چھوڑ کر طلاق پر آمادگی ظاہر کرے یہ مردوں پر حرام ہے جیسے اور جگہ ہے وَلَا تَعْضَلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَا اَتَيْتُمُوْهُنَّ الخ یعنی عورتوں کو تنگ نہ کرو تا کہ انہیں دیے

ہوئے میں سے کچھ لے لو ہاں یہ اور بات ہے کہ عورت اپنی خوشی سے کچھ دے کر طلاق طلب کرے جیسے فرمایا فَإِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِنْهُ نَفْسًا فَكُلُوهُ هَنِيئًا مَرِيئًا یعنی اگر عورتیں اپنی راضی خوشی سے کچھ چھوڑ دیں تو بیشک وہ تمہارے لئے حلال طیب ہے اور جب میاں بیوی میں نا اتفاقی بڑھ جائے عورت اس سے خوش نہ ہو اور اس کے حق کو نہ بجالاتی ہو ایسی صورت میں وہ کچھ لے دے کر اپنے خاوند سے طلاق حاصل کر لے تو اسے دینے میں اور اسے لینے میں کوئی گناہ نہیں۔ یہ بھی یاد رہے کہ اگر عورت بلا وجہ اپنے خاوند سے خلع طلب کرتی ہے تو وہ سخت گنہگار ہے چنانچہ ترمذی وغیرہ میں حدیث ہے کہ یہ جو عورت اپنے خاوند سے بے سبب طلاق طلب کرے اس پر جنت کی خوشبو بھی حرام ہے۔ اور روایت میں ہے کہ حالانکہ جنت کی خوشبو چالیس سال کی دوری سے آتی ہے۔ اور روایت میں ہے کہ ایسی عورتیں منافقہ ہیں۔ ائمہ سلف و خلف کی ایک بڑی جماعت کا فرمان ہے کہ خلع صرف اسی صورت میں ہے کہ نافرمانی اور سرکشی عورت کی طرف سے ہو۔ اس وقت مرد ذیہ لے کر اس عورت کو الگ کر سکتا ہے جیسے کہ قرآن پاک کی اس آیت میں ہے اس کے سوا کی صورت میں یہ بات جائز نہیں بلکہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ تو فرماتے ہیں کہ اگر عورت کو تکلیف پہنچا کر اس کے حق میں کمی کر کے اگر اسے مجبور کیا گیا اور اس سے کچھ مال واپس لیا گیا تو اس کا لوٹنا دینا واجب ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ جب حالت اختلاف میں جائز ہے تو حالت اتفاق میں بطور اولیٰ جائز ٹھہرے گا۔ بکر بن عبد اللہ کہتے ہیں سرے سے خلع منسوخ ہے کیونکہ قرآن میں ہے وَاتَّبِعْتُمْ إِحْلَاهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا یعنی اگر تم نے اپنی بیویوں کو ایک خزانہ بھی دے رکھا ہو تو بھی اس میں سے کچھ بھی نہ لو لیکن یہ قول ضعیف ہے اور مردود ہے۔

اب آیت کا شان نزول سنئے۔ موطا مالک میں ہے کہ حبیبہ بن ہبل النصاریہ حضرت ثابت بن قیس بن شاس رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بیوی تھیں۔ آنحضرتؐ ایک دن صبح کی نماز کے لئے اندھیرے اندھیرے نکلے تو دیکھا کہ دروازے پر حضرت حبیبہؓ کھڑی ہیں۔ آپ نے پوچھا کون ہے؟ کہا میں حبیبہ بن ہبل ہوں فرمایا کیا بات ہے؟ کہا حضورؐ میں ثابت بن قیس کے گھر میں نہیں رہ سکتی۔ یادہ نہیں یا میں نہیں۔ آپ سن کر خاموش ہو رہے۔ جب ثابتؓ آئے آپ نے فرمایا تمہاری بیوی صاحبہ کچھ کہہ رہی ہیں۔ حضرت حبیبہؓ نے کہا حضورؐ میرے خاوند نے مجھے جو دیا ہے وہ سب میرے پاس ہے اور میں اسے واپس کرنے پر آمادہ ہوں آپ نے حضرت ثابتؓ کو فرمایا۔ سب لے لو چنانچہ انہوں نے لے لیا اور حضرت حبیبہؓ آزاد ہو گئیں۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت ثابتؓ نے انہیں مارا تھا اور اس مار سے کوئی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔ حضورؐ نے جب انہیں یہ فرمایا اس وقت انہوں نے دریافت کیا کہ کیا میں یہ مال لے سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ کہا میں نے اسے دو باغ دیئے ہیں یہ واپس دلو اور بتجئے وہ مہر کے دونوں باغ واپس کئے گئے اور جدائی ہو گئی۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حبیبہ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ میں اس کے اخلاق اور دین میں عیب گیری نہیں کرتی لیکن میں اسلام میں کفر کو ناپسند کرتی ہوں چنانچہ مال لے کر حضرت ثابتؓ نے طلاق دے دی۔ بعض روایات میں ان کا نام جلیلہ بھی آیا ہے۔ بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ مجھے اب غیظ و غضب کے برداشت کی طاقت نہیں رہی۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ نے فرمایا جو دیا ہے لے لو زیادہ نہ لینا۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت حبیبہؓ نے فرمایا تھا وہ صورت کے اعتبار سے بھی کچھ حسین نہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ یہ حضرت عبد اللہ بن امی کی بہن تھیں اور سب سے پہلا خلع تھا جو اسلام میں ہوا۔ ایک وجہ یہ بھی بیان کی تھی کہ حضرتؐ میں نے ایک مرتبہ خیمے کے پردہ کو جواٹھایا تو دیکھا کہ میرے خاوند چند آدمیوں کے ساتھ آ رہے ہیں۔ ان تمام میں یہ سیاہ فام چھوٹے قد والے اور بد صورت تھے۔ حضورؐ کے اس فرمان پر کہ اس کا باغ واپس کرو۔ حبیبہ نے کہا تھا کہ آپ فرمائیں تو میں کچھ اور بھی دینے کو تیار ہوں اور

روایت میں ہے کہ حبیبہؓ نے یہ بھی کہا تھا کہ حضور اگر اللہ کا خوف نہ ہوتا تو میں اس کے منہ پر قحطک دیا کرتی۔ جمہور کا مذہب تو یہ ہے کہ خلع میں عورت سے اپنے دیے ہوئے سے زیادہ لے تو بھی جائز ہے کیونکہ قرآن نے فی مآ افتدث بہ فرمایا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہیں ایک عورت اپنے خاوند سے بگڑی ہوئی آئی۔ آپ نے فرمایا اسے گندگی والے گہر میں قید کر دو۔ پھر قید خانہ سے اسے بلوایا اور کہا کیا حال ہے اس نے کہا آرام کی راتیں مجھ پر میری زندگی میں بھی گزری ہیں۔ آپ نے اس کے خاوند سے فرمایا اس سے خلع کر لے اگرچہ گوشوارہ کے بدلے ہی ہو۔ ایک روایت میں ہے اسے تین دن وہاں قید رکھا تھا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا اگر یہ اپنی چٹیا کی دھجی بھی دے تو لے لے اور اسے الگ کر دے حضرت عثمانؓ فرماتے ہیں اس کے سوا سب کچھ لے کر بھی خلع ہو سکتا ہے رجب بنت معوذ بن عفر افرماتی ہیں میرے خاوند اگر موجود ہوتے تو بھی میرے ساتھ سلوک کرنے میں کمی کرتے اور کہیں چلے جاتے تو بالکل ہی محروم کر دیتے ایک مرتبہ جھگڑے کے موقعہ پر میں نے کہہ دیا کہ میری ملکیت میں جو کچھ ہے لے لو اور مجھے خلع دو۔ اس نے کہا اور یہ معاملہ فیصل ہو گیا لیکن میرے چچا معاذ بن عفر اس قصہ کو لے کر حضرت عثمانؓ کے پاس گئے۔ حضرت عثمانؓ نے بھی اسے برقرار رکھا اور فرمایا کہ چوٹی کی دھجی چھوڑ کر سب کچھ لے لو۔ بعض روایتوں میں ہے یہ بھی اور اس سے چھوٹی چیز بھی غرض سب کچھ لے لو۔ پس مطلب ان واقعات کا یہ ہے کہ یہ دلیل ہے اس پر کہ عورت کے پاس جو کچھ ہے سب کچھ دے کر وہ خلع کر سکتی ہے اور خاوند اپنی دی ہوئی چیز سے زائد لے کر بھی خلع کر سکتا ہے۔ ابن عمرؓ ابن عباسؓ مجاہدؓ عکرمہؓ ابراہیمؓ ثعلبیؓ قیسہؓ بن ذؤیبؓ حسن بن صالحؓ عثمانؓ رحمہم اللہ اجمعین بھی یہی فرماتے ہیں امام مالکؒ عیسیٰؒ امام شافعیؒ اور ابو ثورؒ کا مذہب بھی یہی ہے امام ابن جریرؒ بھی اسی کو پسند فرماتے ہیں اور اصحاب ابو حنیفہؒ کا قول ہے کہ اگر قصور اور ضرر رسانی عورت کی طرف سے ہو تو خاوند کو جائز ہے کہ جو اس نے دیا ہے واپس لے لے لیکن اس سے زیادہ لینا جائز نہیں گویا زیادہ لے لے تو بھی قضا کے وقت جائز ہوگا اور اگر خاوند کی اپنی جانب سے زیادتی ہو تو اسے کچھ بھی لینا جائز نہیں۔ گو لے لے تو قضاء جائز ہوگا۔ امام احمدؒ ابو عبیدہؒ اور اسحاقؒ بن راہویہؒ فرماتے ہیں کہ خاوند کو اپنے دیئے ہوئے سے زیادہ لینا جائز ہی نہیں سعید بن مسیبؒ عطاء عمر و بن شعیبؒ زہریؒ طاؤسؒ حسنؒ ثعلبیؒ حماد بن ابوسلمہؒ اور رجب بن انسؒ کا بھی یہی مذہب ہے عمر اور حاکم کہتے ہیں۔ حضرت علیؓ کا بھی یہی فیصلہ ہے۔ اور ائی کا فرمان ہے کہ قاضیوں کا فیصلہ ہے کہ دیئے ہوئے سے زیادہ کو جائز نہیں جانتے۔ اس مذہب کی دلیل وہ حدیث بھی ہے جو اوپر بیان ہو چکی ہے جس میں ہے کہ اپنا باغ لے لو اور اس سے زیادہ نہ لو۔ مسند عبد بن حمید میں بھی ایک مرفوع حدیث ہے کہ نبی ﷺ نے خلع لینے والی عورت سے اپنے دیئے ہوئے سے زیادہ لینا مکروہ رکھا اور اس صورت میں جو کچھ فدیہ وہ دے گا کالفظ جو قرآن میں ہے اس کے معنی یہ ہوں گے کہ دیئے ہوئے میں سے جو کچھ دے کیونکہ اس سے پہلے یہ فرمان موجود ہے کہ تم نے جو انہیں دیا ہے اس میں سے کچھ نہ لو۔ رجب کی قرأت میں بہ کے بعد مذہب کا لفظ بھی ہے۔ پھر فرمایا کہ یہ حدود اللہ ہیں ان سے تجاوز نہ کرو ورنہ گنہگار ہوں گے۔

فصل: خلع کو بعض حضرات طلاق میں شمار نہیں کرتے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اگر ایک شخص نے اپنی بیوی کو دو طلاقیں دے دی ہیں پھر اس عورت نے خلع کر لیا ہے تو اگر خاوند چاہے تو اس سے پھر بھی نکاح کر سکتا ہے اور اس پر دلیل یہی آیت وارد کرتے ہیں۔ یہ قول حضرت ابن عباسؓ کا ہے حضرت عکرمہؓ بھی فرماتے ہیں کہ یہ طلاق نہیں۔ دیکھو آیت کے اول آخر طلاق کا ذکر ہے۔ پہلے دو طلاقیں کا۔ پھر آخر میں تیسری طلاق کا اور درمیان میں خلع کا ذکر ہے۔

پس معلوم ہوا کہ خلع طلاق نہیں بلکہ فسخ ہے۔ امیر المومنین حضرت عثمانؓ بن عفانؓ اور حضرت عمرؓ طاؤسؒ عکرمہؒ احمد بن حنبلؒ اسحاق بن راہویہؒ ابو ثورؒ و ابن علیؒ ظاہریؒ کا بھی یہی مذہب ہے۔ امام شافعیؒ کا بھی قدیم قول یہی ہے اور آیت کے ظاہری الفاظ بھی یہی ہیں۔ بعض

دیگر بزرگ فرماتے ہیں کہ خلع طلاق بائن ہے اور اگر ایک سے زیادہ کی نیت ہوگی تو وہ بھی معتبر ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ ام بکر اسلمیہ نے اپنے خاوند عبداللہ بن خالد سے خلع لیا اور حضرت عثمانؓ نے اسے ایک طلاق ہونے کا فتویٰ دیا اور ساتھ ہی فرمادیا کہ اگر کچھ سامان لیا ہو تو جتنا سامان لیا ہو وہ ہے لیکن یہ اثر ضعیف ہے واللہ اعلم۔

حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت ابن عمرؓ، سعید بن مسیبؓ، حسنؓ، عطاء شریحؓ، شعبیؓ، ابراہیمؓ، جابر بن زیدؓ، مالکؓ، ابو حنیفہؓ ان کے ساتھی ثوریؓ، اوزاعیؓ، ابو عثمانؓ، یحییٰؓ کا یہی قول ہے کہ خلع طلاق ہے۔ امام شافعیؒ کا بھی جدید قول یہی ہے۔ ہاں حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر دو طلاق کی نیت خلع دینے والے کی ہے تو وہ ہو جائیں گی۔ اگر کچھ کچھ لفظ نہ کہے اور مطلق خلع ہو تو ایک طلاق بائن ہوگی اگر تین کی نیت ہے تو تین ہو جائیں گی۔ امام شافعیؒ کا ایک اور قول بھی ہے کہ اگر طلاق کا لفظ نہیں اور کوئی دلیل و شہادت بھی نہیں تو وہ بالکل کوئی چیز ہی نہیں۔

مسئلہ: ☆☆ امام ابو حنیفہ شافعیؒ، احمدؒ، اسحق بن راہویہ رحمہم اللہ کا مسلک ہے کہ خلع کی عدت طلاق کی عدت ہے۔ عمرؓ علیؓ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور سعید بن مسیبؓ، سلیمان بن یسارؓ، عروہؓ، سالمؓ، ابوسلمہؓ، عمر بن عبدالعزیزؓ، ابن شہابؓ، حسنؓ، شعبیؓ، ابراہیمؓ، یحییٰؓ، ابوعیاضؓ، خلاص بن عمروؓ، قتادہؓ، سفیانؓ، ثوریؓ، اوزاعیؓ، لیث بن سعدؓ اور ابو عبیدہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کا بھی یہی فرمان ہے۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں، اکثر اہل علم اسی طرف گئے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ چونکہ خلع طلاق ہے پس عدت اس کی مثل عدت طلاق کے ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ صرف ایک حیض اس کی عدت ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہی فیصلہ ہے ابن عمرؓ کو تین حیض کا فتویٰ دیتے تھے لیکن ساتھ ہی فرمادیا کرتے تھے کہ حضرت عثمانؓ ہم سے بہتر ہیں اور ہم سے بڑے عالم ہیں اور ابن عمرؓ سے ایک حیض کی عدت بھی مروی ہے۔ ابن عباسؓ، عکرمہؓ، امان بن عثمانؓ اور تمام وہ لوگ جن کے نام اوپر آئے ہیں جو خلع کو فسخ کہتے ہیں ضروری ہے کہ ان سب کا قول بھی یہی ہو۔ ابوداؤد اور ترمذیؒ کی حدیث میں بھی یہی ہے کہ ثابت بن قیسؓ کی بیوی صاحبہ کو آپؐ نے اس صورت میں ایک حیض عدت گزارنے کا حکم دیا تھا۔ ترمذیؒ میں ہے کہ ربیع بنت معوذ کو بھی خلع کے بعد ایک ہی حیض عدت گزارنے کا حضورؐ کا فرمان صادر ہوا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خلع والی عورت سے فرمایا تھا کہ تجھ پر عدت ہی نہیں۔ ہاں اگر قریب کے زمانہ میں ہی خاوند سے ملی ہو تو ایک حیض آجانے تک اس کے پاس ٹھہری رہو۔ موئم مغالبہ کے بارے میں حضورؐ کا جو فیصلہ تھا اس کی متابعت حضرت امیر المومنین نے کی۔

مسئلہ: ☆☆ جمہور علمائے کرام اور چاروں اماموں کے نزدیک خلع والی عورت سے رجوع کرنے کا حق خاوند کو حاصل نہیں اس لئے کہ اس نے مال دے کر اپنے آپ کو آزاد کرا لیا ہے۔ عبداللہ بن ابی اوفیؓ، ماہان خنیؓ، سعید اور زہریؓ کا قول ہے کہ اگر واپس کیا پھر دے تو حق رجعت حاصل ہے۔ بغیر عورت کی رضا مندی کے بھی رجوع کر سکتا ہے۔ سفیانؓ، ثوریؓ فرماتے ہیں، اگر خلع میں طلاق کا لفظ نہیں تو وہ صرف جدائی ہے اور رجوع کرنے کا حق نہیں اور اگر طلاق کا نام لیا ہے تو بیشک وہ رجعت کا پورا پورا اہتمام ہے۔ داؤدؒ ظاہریؒ بھی یہی فرماتے ہیں۔ ہاں سب کا اتفاق ہے کہ اگر دونوں رضا مند ہوں تو نیا نکاح عدت کے اندر اندر کر سکتے ہیں۔ عبدالبرؒ ایک فرقہ کا یہ قول بھی حکایت کرتے ہیں کہ عدت کے اندر جس طرح دوسرا کوئی اس سے نکاح نہیں کر سکتا اسی طرح خلع دینے والا خاوند بھی نہیں کر سکتا لیکن یہ قول شاذ اور مردود ہے۔

مسئلہ: ☆☆ اس عورت پر عدت کے اندر اندر دوسری طلاق بھی واقع ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اس میں علماء کے تین قول ہیں۔ ایک یہ کہ نہیں کیونکہ وہ عورت اپنے نفس کی مالکہ ہے اور اس خاوند سے الگ ہو گئی ہے۔ ابن عباسؓ، ابن زبیرؓ، عکرمہؓ، جابر بن زیدؓ، حسن بصریؓ، شافعیؒ، احمدؒ اسحاقؒ ابوثورؒ کا یہی قول ہے۔ دوسرا قول امام مالکؒ کا ہے کہ اگر خلع کے ساتھ ہی بغیر خاموش رہے طلاق دے دے تو واقع ہو جائے گی ورنہ

نہیں۔ یہ مثل اس کے ہے جو حضرت عثمانؓ سے مروی ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ عدت میں طلاق واقع ہو جائے گی۔ ابو حنیفہ ان کے اصحاب ثوریؒ اور اوزاعیؒ سعید بن مسیبؒ شریحؒ طاؤسؒ ابراہیمؒ زہریؒ حاکمؒ حکمؒ اور حماد کا یہی قول ہے۔ ابن مسعود اور ابو الدرداءؒ سے بھی یہ مروی تو ہے لیکن ثابت نہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ یہ اللہ کی حدیں ہیں۔ صحیح حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ کی حدوں سے آگے نہ بڑھو۔ فرائض کو ضائع نہ کرو۔ محارم کی بے حرمتی نہ کرو۔ جن چیزوں کا ذکر شریعت میں نہیں، تم بھی ان سے خاموش رہو کیونکہ اللہ کی ذات بھول چوک سے پاک ہے۔ اس آیت سے استدلال ہے ان لوگوں کا جو کہتے ہیں کہ تینوں طلاقیں ایک مرتبہ ہی دینا حرام ہیں۔ مالکیہ اور ان کے موافقین کا یہی مذہب ہے ان کے نزدیک سنت طریقہ یہی ہے کہ طلاق ایک ایک دی جائے کیونکہ الطَّلَاقُ مَرَّتَيْنِ کہا پھر فرمایا کہ یہ حدیں ہیں اللہ کی ان سے تجاوز نہ کرو۔ اس کی تقویت اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو سنن نسائی میں ہے۔ حضورؐ کو ایک مرتبہ یہ معلوم ہوا کہ کسی شخص نے اپنی بیوی کو تینوں طلاقیں ایک ساتھ دی ہیں آپؐ سخت غضبناک ہو کر کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے کیا میری موجودگی میں کتاب اللہ کے ساتھ کھیلا جانے لگا یہاں تک کہ ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا، اگر حضورؐ اجازت دیں تو میں اس شخص کو قتل کر دوں لیکن اس روایت کی سند میں انقطاع ہے۔

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ  
فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يَتَرَاجَعَا إِنْ ظَنَّا أَنْ  
يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿۲۳۰﴾

پھر اگر اس کو طلاق دے دے تو اب اس کے لئے حلال نہیں جب تک کہ وہ عورت اس کے سوا دوسرے سے نکاح نہ کر لے۔ پھر اگر وہ بھی طلاق دے دے تو ان دونوں کو میل جول کر لینے میں کوئی گناہ نہیں بشرطیکہ یہ جان لیں کہ اللہ کی حدوں کو قائم رکھ سکیں گے۔ یہ ہیں اللہ تعالیٰ کی حدیں جنہیں وہ جاننے والوں کے لئے بیان

فرما رہا ہے ○

(آیت: ۲۳۰) پھر ارشاد ہے کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو دو طلاقیں دے چکے کے بعد تیسری بھی دے دے تو وہ اس پر حرام ہو جائے گی یہاں تک کہ دوسرے سے باقاعدہ نکاح ہو، ہم بستری ہو پھر وہ مر جائے یا طلاق دے دے۔ پس اگر بغیر نکاح کے مثلاً لونڈی بنا کر گودلی بھی کر لے تو بھی اگلے خاوند کے لئے حلال نہیں ہو سکتی اسی طرح گو نکاح باقاعدہ ہو لیکن اس دوسرے خاوند نے جماعت نہ کی ہو تو بھی پہلے شوہر کے لئے حلال نہیں۔ اکثر فقہاء میں مشہور ہے کہ حضرت سعید بن مسیبؒ (صرف) عقد کو حلال کہتے ہیں گو میل نہ ہوا ہو لیکن یہ بات ان سے ثابت نہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص ایک عورت سے نکاح کرتا ہے اور دخول سے پہلے ہی طلاق دے دیتا ہے۔ وہ دوسرا نکاح کرتی ہے۔ وہ بھی اسی طرح دخول سے پہلے ہی طلاق دے دیتا ہے۔ تو کیا اگلے خاوند کو اب اس سے نکاح کرنا حلال ہے۔ آپؐ نے فرمایا نہیں جب تک کہ یہ اس سے اور وہ اس سے لطف اندوز نہ ہو لیں (مسند احمد ابن ماجہ وغیرہ) اس روایت کے راوی حضرت ابن عمرؓ سے خود امام سعید بن مسیبؒ ہیں پس کیسے ممکن ہے کہ وہ روایت بھی کریں اور پھر مخالفت بھی کریں اور پھر وہ بھی بلا دلیل ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ عورت رخصت ہو کر جاتی ہے ایک مکان میں میاں بیوی جاتے ہیں پردہ ڈال دیا جاتا ہے لیکن آپس میں نہیں ہوتی جب بھی حکم ہے خود آپؐ کے زمانہ میں ایسا واقعہ ہوا۔ آپؐ سے پوچھا گیا مگر آپؐ نے پہلے خاوند کی اجازت نہ دی (بخاری و مسلم) ایک روایت میں ہے کہ حضرت رفاعہ قرظیؓ کی بیوی صاحبہ تمیمہ بنت وہب کو جب انہوں نے آخری تیسری طلاق دے دی تو ان کا

نکاح حضرت عبدالرحمن بن زبیرؓ سے ہوا لیکن یہ شکایت لے کر دربار رسالت ماب میں آئیں اور کہا کہ وہ عورت کے مطلب کے نہیں۔ مجھے اجازت ہو کہ میں اپنے پہلے خاوند کے گھر چلی جاؤں۔ آپؐ نے فرمایا یہ نہیں ہو سکتا جب تک کہ تمہاری کسی اور خاوند سے مجامعت نہ ہو۔ ان احادیث کی بہت سی سندیں ہیں اور مختلف الفاظ سے مروی ہیں۔

**فصل:** یہ یاد رہے کہ مقصود دوسرے خاوند سے یہ ہے کہ خود اسے رغبت ہو اور ہمیشہ بیوی بنا کر رکھنے کا خواہش مند ہو کیونکہ نکاح سے مقصود یہی ہے۔ یہ نہیں کہ اگلے خاوند کے لئے محض حلال ہو جائے اور بس۔ بلکہ امام مالک فرماتے ہیں کہ یہ بھی شرط ہے کہ یہ مجامعت بھی مباح اور جائز طریق پر ہو مثلاً عورت روزے سے نہ ہو، احرام کی حالت میں نہ ہو، انعکاف کی حالت میں نہ ہو اور حیض یا نفاس کی حالت میں نہ ہو۔ اسی طرح خاوند بھی روزے سے نہ ہو، محرم یا متکف نہ ہو اگر طرفین میں سے کسی کی یہ حالت ہو اور پھر چاہے وطی بھی ہو جائے پھر بھی پہلے شوہر پر حلال نہ ہوگی۔ اسی طرح اگر دوسرا خاوند ذمی ہو تو بھی اگلے خاوند کے لئے حلال نہ ہوگی کیونکہ امام صاحب کے نزدیک کفار کے آپس کے نکاح باطل ہیں۔ امام حسن بصریؒ تو یہ بھی شرط لگاتے ہیں کہ انزال بھی ہو کیونکہ حضورؐ کے الفاظ سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ جب تک کہ وہ تیرا اور تو اس کا مزہ نہ چکھے اور اگر یہی حدیث ان کے پیش نظر ہو جائے تو چاہئے کہ عورت کی طرف سے بھی یہ شرط معتبر ہو لیکن حدیث کے لفظ مسیلہ سے منی مراد نہیں۔ یہ یاد رہے کیونکہ مسند احمد اور نسائی میں حدیث ہے کہ ”عیلہ“ سے مراد جماع ہے اگر دوسرے خاوند کا ارادہ اس سے نکاح سے یہ ہے کہ یہ عورت پہلے خاوند کے لئے حلال ہو جائے تو ایسے لوگوں کی مذمت بلکہ ملعون ہونے کی تصریح حدیثوں میں آچکی ہے۔ مسند احمد میں ہے گودنے والی، گدوانے والی، ہال ملانے والی، ملوانے والی عورتیں ملعون، حلال کرنے والے اور جس کے لئے حلال کیا جاتا ہے ان پر بھی اللہ کی پھنکار ہے۔ سودخور اور سود کھلانے والے بھی لعنتی ہیں۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں صحابہ کا عمل اسی پر ہے عمرؓ عثمانؓ اور ابن عمرؓ کا یہی مذہب ہے تابعین فقہاء بھی یہی کہتے ہیں علی ابن مسعود اور ابن عباسؓ کا بھی یہی فرمان ہے۔ اور روایت میں ہے کہ بیان کی گواہی دینے والوں اور اس کے لکھنے والے پر بھی لعنت ہے۔ زکوٰۃ کے نہ دینے والوں اور لینے میں زیادتی کرنے والوں پر بھی لعنت ہے۔ ہجرت کے بعد لوٹ کر اعرابی بننے والے پر بھی پھنکار ہے۔ نوحہ کرنا بھی ممنوع ہے ایک حدیث میں ہے میں تمہیں بتاؤں کہ ادھار لیا ہوا سا نڈ کونسا ہے؟ لوگوں نے کہا ہاں۔ فرمایا جو طلاق والی عورت سے اس لئے نکاح کرے کہ وہ اگلے خاوند کے لئے حلال ہو جائے اس پر اللہ کی لعنت ہے اور جو اپنے لئے ایسا کرائے وہ بھی ملعون ہے (ابن ماجہ)

ایک روایت میں ہے کہ ایسے نکاح کی بابت حضورؐ سے پوچھا گیا تو آپؐ نے فرمایا یہ نکاح ہی نہیں جس میں مقصود اور ہو اور ظاہر اور ہو۔ جس میں اللہ کی کتاب کے ساتھ مذاق اور ہنسی ہو نکاح صرف وہی ہے جو رغبت کے ساتھ ہو۔ مستدرک حاکم میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے سوال کیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تیسری طلاق دے دی۔ اس کے بعد اس کے بھائی نے بغیر اپنے بھائی کے کہے از خود اس سے اس ارادے سے نکاح کر لیا کہ یہ میرے بھائی کے لئے حلال ہو جائے تو آیا یہ نکاح صحیح ہو گیا۔ آپؐ نے فرمایا ہرگز نہیں ہم تو اسے نبی ﷺ کے زمانہ میں زنا شمار کرتے تھے۔ نکاح وہی ہے جس میں رغبت ہو اس حدیث کے پچھلے جملے نے گواہ موقوف سے حکم میں مرفوع کر دیا بلکہ ایک اور روایت میں ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا اگر کوئی ایسا کرے گا یا کرائے گا تو میں دونوں کو زنا کی حد لگاؤں گا یعنی رجم کروں گا۔ خلیفہ وقت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ایسے نکاح میں تفریق کر دی اسی طرح حضرت علیؓ اور حضرت ابن عباسؓ وغیرہ بہت سے صحابہ کرام سے بھی یہی مروی ہے رضی اللہ عنہم۔ پھر فرمان ہے کہ اگر دوسرا خاوند نکاح اور وطی کے بعد طلاق دے

دے تو پہلے خاوند پر پھر اسی عورت سے نکاح کر لینے میں کوئی گناہ نہیں جبکہ یہ اچھی طرح گذراوقات کر لیں اور یہ بھی جان لیں کہ وہ دوسرا نکاح صرف دھوکا اور مکرو فریب کا نہ تھا بلکہ حقیقت تھی۔ یہ ہیں احکام شرعی جنہیں علم والوں کے لئے اللہ نے واضح کر دیا۔ ائمہ کا اس میں بھی اختلاف ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو دو یا ایک طلاق دے دی پھر چھوڑے رہا یہاں تک کہ وہ عدت سے نکل گئی۔ پھر اس نے دوسرے سے گھر بسالیا۔ اس سے ہم بستری بھی ہوئی۔ پھر اس نے بھی طلاق دے دی اور اس کی عدت ختم ہو چکی۔ پھر اگلے خاوند نے اس سے نکاح کر لیا تو کیا اسے تین میں سے جو طلاقیں یعنی ایک یا دو جو باقی ہیں صرف انہی کا اختیار رہے گا یا پہلی کی طلاقیں گنتی سے ساقط ہو جائیں گی اور اسے از سر نو تینوں طلاقوں کا حق حاصل ہو جائے گا۔ پہلا مذہب تو ہے امام مالکؒ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا اور صحابہؓ کی ایک جماعت کا اور دوسرا مذہب ہے امام ابو حنیفہؒ اور ان کے ساتھیوں کا۔ اور ان کی دلیل یہ ہے کہ جب اس طرح تیسری طلاق ہو گنتی میں نہیں آئی تو پہلی دوسری کیا آئے گی۔ واللہ اعلم۔

وَإِذَا طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ فَلَعْنَنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ  
أَوْسَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضَرَارًا لِتَعْتَدُوا وَمَنْ يَفْعَلْ  
ذَلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ وَلَا تَتَّخِذُوا إِلَيْهِ هُزُوعًا  
وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمَا أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنَ الْكِتَابِ  
وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ  
عَلِيمٌ

جب تم عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت ختم کرنے پر آمیں تو اب انہیں اچھی طرح بساؤ یا بھلائی کے ساتھ الگ کر دو اور انہیں تکلیف پہنچانے کی غرض سے ظلم و زیادتی کے لئے نہ روکو جو شخص ایسا کرے اس نے اپنی جان پر ظلم کیا تم اللہ کے احکام کو ہنسی کھیل نہ بناؤ اور اللہ کا احسان جو تم پر ہے یاد کرو اور جو کچھ کتاب و حکمت اس نے نازل فرمائی ہے جس سے تمہیں نصیحت کر رہا ہے اسے بھی اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے ○

آئین طلاق کی وضاحت: ☆☆ (آیت: ۲۳۱) مردوں کو حکم ہو رہا ہے کہ جب وہ اپنی بیویوں کو طلاق دیں جن حالتوں میں لوٹا لینے کا حق انہیں حاصل ہے اور عدت ختم ہونے کے قریب پہنچ جائے تو یا عہدگی کے ساتھ لوٹانے یعنی رجعت پر گواہ مقرر کرے اور اچھائی سے بسانے کی نیت رکھے یا اسے عہدگی سے چھوڑ دے اور عدت ختم ہونے کے بعد اپنے ہاں بغیر اختلاف، جھگڑے، دشمنی اور بدزبانی کے نکال دے۔ جاہلیت کے اس دستور کو اسلام نے ختم کر دیا جو ان میں تھا کہ طلاق دے دی۔ عدت ختم ہونے کے قریب رجوع کر لیا۔ پھر طلاق دے دی۔ پھر رجوع کر لیا۔ یونہی اس دکھیا عورت کی عمر برباد کر دیتے تھے کہ نہ وہ سہاگن ہی رہے نہ بیوہ تو اس سے اللہ نے روکا اور فرمایا کہ ایسا کرنے والا ظالم ہے۔ پھر فرمایا اللہ کی آیتوں کو ہنسی نہ بناؤ۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ اشعری قبیلہ پر ناراض ہوئے تو حضرت ابو موسیٰ اشعری نے حاضر خدمت ہو کر (ان اصلاحات طلاق کے بارہ میں) سبب دریافت کیا۔ آپؐ نے فرمایا، کیوں یہ لوگ کہہ دیا کرتے ہیں کہ میں نے طلاق دی۔ میں نے رجوع کیا۔ یاد رکھو مسلمانوں کی یہ طلاقیں نہیں۔ عورتوں کی عدت کے مطابق طلاقیں دو۔ اس کا ایک یہ بھی مطلب کیا گیا ہے کہ ایک شخص ہے جو بلاوجہ طلاق دیتا ہے اور عورت کو ضرر پہنچانے کے لئے اور اس کی عدت لمبی کرنے کے لئے رجوع ہی کرتا چلا جاتا ہے۔ یہ بھی



کہا گیا ہے کہ ایک شخص ہے جو طلاق دے یا آزاد کرے یا نکاح کرے۔ پھر کہہ دے کہ میں نے تو ہنسی ہنسی میں یہ کیا۔ ایسی صورتوں میں یہ تینوں کام فی الحقیقت واقع ہو جائیں گے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دی پھر کہہ دیا کہ میں نے تو مذاق کیا تھا اس پر یہ آیت اتری اور حضورؐ نے فرمایا یہ طلاق ہوگئی (ابن مردویہ) حسن بصریؒ فرماتے ہیں لوگ طلاق دے دیتے آزاد کر دیتے نکاح کر لیتے اور پھر کہہ دیتے کہ ہم نے بطور دل لگی کے یہ کیا تھا اس پر یہ آیت اتری اور حضورﷺ نے فرمایا جو طلاق یا غلام آزاد کرے یا نکاح کرے یا کرادے خواہ چنگلی کے ساتھ خواہ ہنسی مذاق میں وہ سب ہو گیا (ابن ابی حاتم)۔ یہ حدیث مرسل اور موقوف کئی سندوں سے مروی ہے۔ ابوداؤد ترمذی اور ابن ماجہ میں حدیث ہے کہ تین چیزیں ہیں کہ بچے ارادے سے ہوں دل لگی سے ہوں تو تینوں ہی ثابت ہو جائیں گی۔ نکاح طلاق اور رجعت۔ امام ترمذیؒ اسے حسن غریب کہتے ہیں اللہ کی نعمت یاد کرو کہ اس نے رسول بھیجے ہدایت اور دلیل نازل فرمائیں کتاب اور سنت سکھائی حکم بھی کئے منع بھی کئے وغیرہ وغیرہ۔ جو کام کرو اور جو نہ کرو ہر ایک میں اللہ سے ڈرتے رہا کرو اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ ہر پوشیدگی اور ہر ظاہر کو بخوبی جانتا ہے۔

وَإِذَا طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمَّا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ  
أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمَا بِالْمَعْرُوفِ ذَلِكَ يُوعَظُ بِهِ مَنْ  
كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَمْ أَزْوَاجُكُمْ وَأَظْهَرُ  
وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿۲۳۲﴾

اور جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت پوری کر لیں تو انہیں ان کے خاندانوں سے نکاح کرنے سے نہ روکو جبکہ وہ آپس میں دستور کے مطابق رضامند ہوں۔ یہ نصیحت انہیں کی جاتی ہے جنہیں تم میں سے اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر یقین و ایمان ہو۔ اس میں تمہاری بہترین سحرائی اور پاکیزگی ہے۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ○

در ثناء کے لئے طلاق کی مزید آئینی وضاحت: ☆☆ (آیت: ۲۳۲) اس آیت میں عورتوں کے ولی وارثوں کو ممانعت ہو رہی ہے کہ جب کسی عورت کو طلاق ہو جائے اور عدت بھی گزر جائے پھر میاں بیوی رضامندی سے نکاح کرنا چاہیں تو وہ انہیں نہ روکیں۔ اس آیت میں دلیل ہے اس امر کی بھی کہ عورت خود اپنا نکاح نہیں کر سکتی اور نکاح بغیر ولی نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ ترمذی اور ابن جریر نے اس آیت کی تفسیر میں یہ حدیث وارد کی ہے کہ عورت عورت کا نکاح نہیں کر سکتی۔ نہ عورت اپنا نکاح آپ کر سکتی ہے۔ وہ عورتیں زنا کار ہیں جو اپنا نکاح آپ کر لیں۔ دوسری حدیث میں ہے نکاح بغیر راہ یافتہ کے اور دو عادل گواہوں کے نہیں۔ گو اس مسئلہ میں بھی اختلاف ہے لیکن اس کے بیان کی جگہ تفسیر نہیں۔ ہم اس کا بیان کتاب الاحکام میں کر چکے ہیں فَاَلْحَمْدُ لِلّٰہ۔ یہ آیت حضرت معقل بن یسارؓ اور ان کی ہمیشہ صاحب کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ صحیح بخاری شریف میں اس آیت کی تفسیر کے بیان میں ہے کہ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میری بہن کا مگتیر میرے پاس آتا تھا میں نے نکاح کر دیا اس نے کچھ دنوں بعد طلاق دے دی۔ پھر عدت گزرنے کے بعد نکاح کی درخواست کی میں نے انکار کیا۔ اس پر یہ آیت اتری جسے سن کر حضرت معقلؓ نے باوجود یہ کہ قسم کھا رکھی تھی کہ میں تیرے نکاح میں نہ دوں گا نکاح پر آمادہ ہو گئے۔ اور کہنے لگے میں نے اللہ کا فرمان سنا اور میں نے مان لیا اور اپنے بہنوئی کو بلا کر دوبارہ نکاح کر دیا اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کیا۔ ان کا نام

جلیل بنت یسار تھا ان کے خاوند کا نام ابو البدر تھا بعض نے ان کا نام فاطمہ بنت یسار بتایا ہے۔ سدی فرماتے ہیں کہ یہ آیت حضرت جابر بن عبد اللہ اور ان کے چچا کی بیٹی کے بارے میں نازل ہوئی ہے لیکن پہلی بات ہی زیادہ صحیح ہے۔ پھر یہ فرمایا یہ نصیحت و وعظ کے لئے ہے۔ جنہیں شریعت پر ایمان ہو اللہ کا ڈر ہو اور قیامت کا خوف ہو انہیں چاہئے کہ اپنی ولایت میں جو عورتیں ہوں انہیں ایسی حالت میں نکاح سے نہ روکیں۔ شریعت کی اتباع کر کے ایسی عورتوں کو ان کے خاوندوں کے نکاح میں دے دینا اور اپنی حمیت و غیرت کو جو خلاف شرع ہو شریعت کے ماتحت کر دینا ہی تمہارے لئے بہتری اور پاکیزگی کا باعث ہے۔ ان مصلحتوں کا علم جناب باری تعالیٰ کو ہی ہے۔ تمہیں نہیں معلوم کہ کس کام کے کرنے میں بھلائی ہے اور کس کے چھوڑنے میں۔ یہ علم حقیقت میں اللہ رب العزت ہی کو ہے۔

وَالْوَالِدَتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَهَا لَا تُضَارَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُودٌ لَهُ بِوَلَدِهِ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذَلِكَ فَإِنْ أَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا وَإِنْ أَرَدْتُمْ أَنْ تَسْتَرْضِعُوا أَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِذَا سَلَّمْتُمْ مَا اتَّيَمُّ بِالْمَعْرُوفِ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝

آئیں اپنی اولادوں کو دو سال کامل دودھ پلائیں جن کا ارادہ دودھ پلانے کی مدت بالکل پوری کرنے کا ہو۔ جن کے بچے ہیں ان کے ذمہ ان کا روٹی کپڑا ہے جو مطابق دستور ہو ہر شخص اتنی ہی تکلیف دیا جاتا ہے جتنی اس کی طاقت ہو ماں کو اس کے بچے کی وجہ سے یا باپ کو اس کی اولاد کی وجہ سے کوئی ضرر نہ پہنچایا جائے وارث پر بھی اسی جیسی ذمہ داری ہے۔ پس اگر دونوں (یعنی ماں باپ) اپنی رضامندی اور باہمی مشورہ سے دودھ چھڑانا چاہیں تو دونوں پر کچھ گناہ نہیں اور اگر تمہارا ارادہ اپنی اولاد کو دودھ پلوانے کا ہو تو بھی تم پر کوئی گناہ نہیں جبکہ تم مطابق دستور جو ان کو دینا ہو وہ ان کے حوالہ کر دو۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور جانتے رہو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے

اعمال دیکھ بھال رہا ہے ○

مسئلہ رضاعت: ☆☆ (آیت ۲۳۳) یہاں اللہ تعالیٰ بچوں والیوں کو ارشاد فرماتا ہے کہ پوری پوری مدت دودھ پلانے کی دو سال ہے اس کے بعد دودھ کی پلائی کا کوئی اعتبار نہیں۔ اس سے دودھ بھائی پنا ثابت نہیں ہوتا اور نہ حرمت ہوتی ہے۔ اکثر ائمہ کرام کا یہی مذہب ہے۔ ترمذی میں باب ہے کہ رضاعت جو حرمت ثابت کرتی ہے وہ وہی ہے جو دو سال سے پہلے کی ہو۔ پھر حدیث لائے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں وہی رضاعت حرام کرتی ہے جو آنتوں کو پر کر دے اور دودھ چھوٹنے سے پہلے ہو یہ حدیث حسن صحیح ہے اور اکثر اہل علم صحابہ وغیرہ کا اسی پر عمل ہے کہ دو سال سے پہلے کی رضاعت تو معتبر ہے اس کے بعد کی نہیں۔ اس حدیث کے راوی شرط معین پر ہیں۔ حدیث میں فی الندی کا جو لفظ ہے اس کے معنی بھی محل رضاعت کے یعنی دو سال سے پہلے کے ہیں۔ یہی لفظ حضورؐ نے اس وقت بھی فرمایا تھا جب آپ کے صاحبزادے حضرت ابراہیمؑ کا انتقال ہوا تھا کہ وہ دودھ پلائی کی مدت میں انتقال کر گئے ہیں۔ اور انہیں دودھ پلانے والی

جنت میں مقرر ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کی عمر اس وقت ایک سال اور دس مہینے کی تھی۔ دارقطنی میں بھی ایک حدیث دو سال کی مدت کے بعد کی رضاعت کے معتبر نہ ہونے کی ہے۔ ابن عباسؓ بھی فرماتے ہیں کہ اس کے بعد کوئی چیز نہیں۔ ابوداؤد و طیالسی کی روایت میں ہے کہ دودھ چھوٹ جانے کے بعد رضاعت نہیں اور بلوغت کے بعد تیمی کا حکم نہیں۔ خود قرآن کریم میں اور جگہ ہے فَضْلُهُ فِیْ عَامَیْنِ اَوْ دُوْدَھِ چھٹنے کی مدت دو سال میں ہے۔ اور جگہ ہے وَحَمْلُهُ وَفَضْلُهُ ثَلَاثُوْنَ شَهْرًا یعنی حمل اور دودھ (دونوں کی مدت) تین ماہ ہیں۔ یہ قول کہ دو سال کے بعد دودھ پلانے اور پینے سے رضاعت کی حرمت ثابت نہیں ہوتی، ان تمام حضرات کا ہے۔ حضرت علیؓ حضرت ابن عباسؓ حضرت ابن مسعودؓ حضرت جابرؓ حضرت ابو ہریرہؓ حضرت ابن عمرؓ حضرت ام سلمہؓ رضی اللہ عنہم حضرت سعید بن المسیبؓ حضرت عطاء اور جمہور کا یہی مذہب ہے۔ امام شافعیؒ امام احمدؒ امام اسحاقؒ امام ثوریؒ امام ابو یوسفؒ امام محمدؒ امام مالکؒ کا بھی یہی مذہب ہے۔ گو ایک روایت میں امام مالکؒ سے دو سال دو ماہ بھی مروی ہیں اور ایک روایت میں دو سال تین ماہ بھی مروی ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ ڈھائی سال کی مدت بتلاتے ہیں۔ زفر کہتے ہیں جب تک دودھ نہیں چھٹا تو تین سال تک کی مدت ہے امام اوزاعیؒ سے بھی یہ روایت ہے اگر کسی بچے کا دو سال سے پہلے دودھ چھڑ دیا جائے پھر اس کے بعد کسی عورت کا دودھ وہ پئے تو بھی حرمت ثابت نہ ہوگی۔ اس لئے کہ اب قائم مقام خوراک کے ہو گیا۔ امام اوزاعیؒ سے ایک روایت یہ بھی ہے حضرت عمرؓ حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ دودھ چھڑ دینے کے بعد رضاعت نہیں۔ اس قول کے دونوں مطلب ہو سکتے ہیں یعنی یا تو یہ کہ دو سال کے بعد یا یہ کہ جب بھی اس سے پہلے دودھ چھٹ گیا۔ اس کے بعد جیسے امام مالکؒ کا فرمان ہے۔ واللہ اعلم۔

ہاں صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ وہ اس کے بعد کی بلکہ بڑے آدمی کی رضاعت کو حرمت میں موثر جانتی ہیں۔ عطاء اور لیثؒ کا بھی یہی قول ہے۔ حضرت عائشہؓ جس شخص کا کسی کے گھر آنا جانا کہیں ضروری جانتیں وہاں حکم دیتیں کہ وہ عورتیں اسے اپنا دودھ پلائیں اور اس حدیث سے دلیل پکڑتی تھیں کہ حضرت سالمؓ کو جو حضرت ابو حنیفہؒ کے مولیٰ تھے آنحضرت ﷺ نے حکم دیا تھا کہ وہ ان کی بیوی صاحبہ کا دودھ پی لیں حالانکہ وہ بڑی عمر کے تھے اور اس رضاعت کی وجہ سے پھر وہ برابر آتے جاتے رہتے تھے لیکن حضورؐ کی دوسری ازواج مطہرات اس کا انکار کرتی تھیں اور کہتی تھیں کہ یہ واقعہ خاص ان ہی کے لئے تھا ہر شخص کے لئے یہ حکم نہیں۔ یہی مذہب جمہور کا ہے یعنی چاروں اماموں ساتوں فقہوں کل کے کل بڑے صحابہ کرام اور تمام امہات المؤمنین کا سوائے حضرت عائشہؓ رضی اللہ عنہا کے اور ان کی دلیل وہ حدیث ہے جو بخاری و مسلم میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا دیکھ لیا کرو کہ تمہارے بھائی کون ہیں۔ رضاعت اس وقت ہے جب دودھ بھوک مٹا سکتا ہو۔ باقی رضاعت کا پورا مسئلہ اُمِّہُتُکُمْ اَلَّتِیْ اَرْضَعَتْکُمْ کی تفسیر میں آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

پھر فرمان ہے کہ بچوں کی ماں کا نان و نفقہ بچوں کے والد پر ہے اپنے اپنے شہروں کی عادت اور دستور کے مطابق ادا کریں۔ نہ تو زیادہ ہونہ کی بلکہ حسب طاقت و وسعت درمیانی خرچ دے دیا کرو جیسے فرمایا لِيُنْفِقْ ذُو سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهِ یعنی کثادگی والے اپنی کثادگی کے مطابق اور تنگی والے اپنی طاقت کے مطابق دیں۔ اللہ تعالیٰ طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ عنقریب اللہ تعالیٰ سختی کے بعد آسانی کر دے گا۔ ضحاکؒ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور اس کے ساتھ بچہ بھی ہے تو اس کی دودھ پلائی کے زمانہ تک کا خرچ اس مرد پر واجب ہے۔ پھر ارشاد باری ہے کہ عورت اپنے بچے کو دودھ پلانے سے انکار کر کے اس کے والد کو تنگی میں نہ ڈالے بلکہ بچے کو دودھ پلاتی رہے۔ اس لئے کہ یہی اس کی گذران کا سبب ہے۔ دودھ سے جب بچہ بے نیاز ہو جائے تو بیشک بچہ کو دے دے لیکن پھر بھی نقصان رسانی کا ارادہ نہ ہو۔ اسی طرح خاوند اس سے جبراً بچے کو الگ نہ کرے جس سے غریب دکھ میں پڑے۔ وارث کو بھی یہی چاہئے کہ بچے کی والدہ کو خرچ

سے تنگ نہ کرے اس کے حقوق کی نگہداشت کرے اور اسے ضرر نہ پہنچائے۔ خفیہ اور عہلیہ میں سے جو لوگ اس کے قائل ہیں کہ رشتہ داروں میں سے بعض کا نفقہ بعض پر واجب ہے انہوں نے اسی آیت سے استدلال کیا ہے۔ حضرت عمر بن خطاب اور جمہور سلف صالحین سے یہی مروی ہے۔

سمرہ والی مرفوع حدیث سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے جس میں ہے کہ جو شخص اپنے کسی محرم رشتہ دار کا مالک ہو جائے تو وہ آزاد ہو جائے گا۔ یہ بھی یاد رہے کہ دو سال کے بعد دودھ پلانا عموماً بچہ کو نقصان دیتا ہے یا تو جسمانی یا دماغی۔ حضرت علقمہؓ نے ایک عورت کو دو سال سے بڑے بچے کو دودھ پلاتے ہوئے دیکھ کر منع فرمایا پھر فرمایا گیا ہے اگر یہ رضامندی اور مشورہ سے دو سال کے اندر اندر جب کبھی دودھ چھڑانا چاہیں تو ان پر کوئی حرج نہیں ہاں ایک کی چاہت بغیر دوسرے کی رضامندی کے ناکافی ہوگی اور یہ بچے کے بچاؤ کی اور اس کی نگرانی کی ترکیب ہے۔ خیال فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر کس قدر رحیم و کریم ہے کہ چھوٹے بچوں کے والدین کو ان کاموں سے روک دیا جس میں بچے کی بربادی کا خوف تھا اور وہ حکم دیا جس سے ایک طرف بچے کا بچاؤ ہے دوسری جانب ماں باپ کی بھی اصلاح ہے۔ سورۃ طلاق میں فرمایا فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَارْضَعْنَّ أَجُورَهُنَّ اِنْ أَكَّرْنَ عَوْرَتَيْنِ بچے کو دودھ پلایا کریں تو تم ان کی اجرت بھی ادا کر دیا کرو اور آپس میں عہدگی کے ساتھ معاملہ رکھو۔ یہ اور بات ہے کہ تنگی کے وقت کسی اور سے دودھ پلوادو چنانچہ یہاں بھی فرمایا اگر والدہ اور والد متفق ہو کر کسی عذر کی بنا پر کسی اور سے دودھ شروع کرائیں اور پہلے کی اجازت کامل طور پر والدہ والدہ کو دے دے تو بھی دونوں پر کوئی گناہ نہیں۔ اب دوسری کسی دایہ سے اجرت چکا کر دودھ پلوادیں لو گو اللہ تعالیٰ سے ہر امر میں ڈرتے رہا کرو اور جان رکھو کہ تمہارے اقوال و افعال کو وہ بخوبی جانتا ہے۔

وَالَّذِينَ يَتُوفَوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ  
أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا  
فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ۝

تم میں سے جو لوگ فوت ہو جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں وہ عورتیں اپنے آپ کو چار مہینے اور دس (دن) عدت میں رکھیں۔ جب مدت ختم کر لیں پھر جو اچھائی اپنے لئے وہ کریں اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ تمہارے ہر عمل سے خبردار ہے ○

خاوند کے انتقال کے بعد: ☆☆ (آیت: ۲۳۴) اس آیت میں حکم ہو رہا ہے کہ عورتیں اپنے خاوند کے انتقال کے بعد چار مہینے دس دن عدت گزاریں خواہ اس سے مجامعت ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو اس بات پر اجماع ہے۔ دلیل اس کی ایک تو اس آیت کا عموم دوسرے یہ حدیث جو مسند احمد اور سنن میں ہے جسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ صحیح کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال ہوتا ہے کہ ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا اس سے مجامعت نہیں کی تھی نہ مہر مقرر ہوا تھا کہ اس کا انتقال ہو گیا۔ فرمائیے اس کی نسبت کیا فتویٰ ہے۔ جب کئی مرتبہ آئے گئے تو آپ نے فرمایا میں اپنی رائے سے فتویٰ دیتا ہوں اگر ٹھیک ہو تو اللہ کی طرف سے جانو اور اگر خطا ہو تو میری اور شیطان کی طرف سے سمجھو اللہ رسول اس سے بری ہیں۔ میرا فتویٰ یہ ہے کہ اس عورت کو پورا مہر ملے گا جو اس کے خاندان کا دستور ہو اس میں کوئی کمی بیشی نہ ہو اور اس عورت کو پوری عدت گزارنی چاہئے اور اسے ورثہ بھی ملے گا۔ یہ سن کر حضرت معقل بن یسار اشجعی رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے بروح بنت واشق رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے یہی فیصلہ کیا تھا۔ حضرت

عبداللہ یہ سن کر بہت ہی خوش ہوئے۔ بعض روایات میں ہے کہ اشجع کے بہت سے لوگوں نے یہ روایت بیان کی۔ ہاں جو عورت اپنے خاوند کی وفات کے وقت حمل سے ہو، اس کے لئے یہ عدت نہیں اس کی عدت وضع حمل ہے۔ گوا انتقال کی ایک ساعت کے بعد ہی ہو جائے۔ قرآن میں ہے وَأُولَٰئِ الْأَحْمَالُ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ حمل والیوں کی عدت وضع حمل ہے۔ ہاں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ وضع حمل اور چار مہینے دس میں جو دیر کی عدت ہو، وہ حاملہ کی عدت ہے۔ یہ قول تو بہت اچھا ہے اور دونوں آیتوں میں اس سے تطبیق بھی عمدہ طور پر ہو جاتی ہے لیکن اس کے خلاف صحیحین کی ایک صاف اور صریح حدیث موجود ہے جس میں ہے کہ حضرت سیدہ اسمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے خاوند کا جب انتقال ہوا، اس وقت آپ حمل سے تھیں اور چند راتیں ہی گزرنا پائی تھیں تو بچہ تولد ہوا۔ جب نہادھو چکیں تو لباس وغیرہ اچھا پہن لیا۔ حضرت ابوالسائل بن بلبلک نے یہ دیکھ کر فرمایا: کیا تم نکاح کرنا چاہتی ہو؟ اللہ کی قسم جب تک چار مہینے دس دن نہ گزر جائیں، تم نکاح نہیں کر سکتیں۔ حضرت سیدہ یہ سن کر خاموش ہو گئیں اور شام کو خدمت نبویؐ میں حاضر ہوئیں اور مسئلہ پوچھا تو آپؐ نے فرمایا کہ جب بچہ ہو گیا، اسی وقت تم عدت سے نکل گئیں اب اگر تم چاہو تو پیشک نکاح کر سکتی ہو۔ یہ بھی مروی ہے کہ جب حضرت عبداللہؓ کو اس حدیث کا علم ہوا تو آپؐ نے بھی اپنے قول سے رجوع کر لیا۔ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت عبداللہؓ کے ساتھی اور شاگرد بھی اسی حدیث کے مطابق فتویٰ دیا کرتے تھے اسی طرح لونڈی کی عدت بھی اتنی نہیں۔ اس کی عدت اس سے آدھی ہے یعنی دو مہینے اور پانچ راتیں۔ جہور کا مذہب یہی ہے جس طرح لونڈی کی حد بہ نسبت آزاد عورت کے آدھی ہے اسی طرح عدت بھی۔ محمد بن سیرین اور بعض علماء ظاہریہ لونڈی کی اور آزاد عورت کی عدت میں برابری کے قائل ہیں۔ ان کی دلیل ایک تو اس آیت کا عموم ہے دوسرے یہ کہ عدت ایک جلی امر ہے جس میں تمام عورتیں یکساں ہیں۔ حضرت سعید ابن مسیبؒ ابو العالیہ وغیرہ فرماتے ہیں اس عدت میں حکمت یہ ہے کہ اگر عورت کو حمل ہوگا تو اس مدت میں بالکل ظاہر ہو جائے گا۔

حضرت ابن مسعودؓ صحیحین والی مرفوع حدیث میں ہے کہ انسان کی پیدائش کا یہ حال ہے کہ چالیس دن تک تو رحم مادر میں نطفہ کی شکل میں ہوتا ہے۔ پھر خون بستہ کی شکل چالیس دن تک رہتی ہے۔ پھر چالیس دن تک گوشت کا تو تھرا رہتا ہے پھر اللہ تعالیٰ فرشتے کو بھیجتا ہے اور وہ اس میں روح پھونکتا ہے۔ تو یہ ایک سو بیس دن ہوئے جس کے چار مہینے ہوئے۔ دس دن احتیاط اور رکھ دے کیونکہ بعض مہینے انتیس دن کے بھی ہوتے ہیں اور جب روح پھونک دی گئی تو اب بچہ کی حرکت محسوس ہونے لگتی ہے اور حمل بالکل ظاہر ہو جاتا ہے۔ اس لئے اتنی عدت مقرر کی گئی۔ واللہ اعلم۔

سعید بن مسیبؒ فرماتے ہیں دس دن اس لئے ہیں کہ روح انہی دنوں میں پھونکی جاتی ہے۔ ربیع بن انسؒ بھی یہی فرماتے ہیں۔ حضرت امام احمد سے ایک روایت میں یہ بھی مروی ہے تاکہ جس لونڈی سے بچہ ہو جائے اس کی عدت بھی آزاد عورت کے برابر ہے اس لئے کہ وہ فراش بن گئی اور اس لئے بھی کہ مسند احمد میں حدیث ہے حضرت عمرو بن عاصؓ نے فرمایا: لوگو سنت نبویؐ کو ہم پر غلط ملط نہ کرو اولاد والی لونڈی کی عدت جبکہ اس کا سردار فوت ہو جائے چار مہینے اور دس دن ہیں یہ حدیث ایک اور طریق سے بھی ابوداؤد میں مروی ہے۔ امام احمد اس حدیث کو منکر بتلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کے ایک راوی قبصیہ نے اپنے استاد عمر سے یہ روایت نہیں سنی۔ حضرت سعید بن مسیبؒ مجاہدؒ سعید بن جبیرؒ حسن بن سیرینؒ ابن عیاضؒ زہریؒ اور عمرو بن عبدالعزیزؒ کا یہی قول ہے۔ یزید بن عبد الملک بن مروان جو امیر المومنین تھے، یہی حکم دیتے تھے۔

اوزاعی، اسحاق بن راہویہ اور احمد بن حنبل بھی ایک روایت میں یہی فرماتے ہیں لیکن طاؤس اور قتادہ اس کی عدت بھی آدھی بتلاتے ہیں یعنی دو ماہ پانچ راتیں۔ ابو حنیفہ ان کے ساتھی حسن بن صالح بن جی فرماتے ہیں۔ تین حیض عدت گزارے حضرت علی ابن مسعود عطا اور ابراہیم خنی کا قول بھی یہی ہے۔

امام مالک امام شافعی اور امام احمد کی مشہور روایت یہ ہے کہ اس کی عدت ایک حیض ہی ہے۔ ابن عمر، عیسیٰ، مکحول، لیث، ابو عبیدہ، ابو ثور اور جمہور کا یہی مذہب ہے۔ حضرت لیث فرماتے ہیں کہ اگر حیض کی حالت میں اس کا سید فوت ہوا ہے تو اسی حیض کا ختم ہو جانا اس کی عدت کا ختم ہو جانا ہے۔ امام مالک فرماتے ہیں اگر حیض نہ آتا ہو تو تین مہینے عدت گزارے امام شافعی اور جمہور فرماتے ہیں ایک مہینہ اور تین دن مجھے زیادہ پسند ہیں۔ واللہ اعلم (مترجم کے نزدیک قوی قول پہلا ہے یعنی مثل آزاد عورت کے پوری عدت گزارے واللہ اعلم)

ازان بعد جو ارشاد فرمایا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سوگ واجب ہے۔ صحیحین میں حدیث ہے کہ جو عورت اللہ پر اور قیامت پر ایمان رکھتی ہو اسے تین دن سے زیادہ کسی میت پر سوگواری کرنا حرام ہے۔ ہاں خاوند پر چار مہینے دس دن سوگواری ہے<sup>①</sup> ایک عورت نے حضور سے پوچھا کہ میری بیٹی کامیاں مر گیا ہے اور اس کی آنکھیں دکھ رہی ہیں۔ کیا میں اس کے سرمہ لگا دوں۔ آپ نے فرمایا۔ نہیں دو تین مرتبہ اس نے اپنا سوال دہرایا اور آپ نے یہی جواب دیا۔ آخر فرمایا یہ تو چار مہینے اور دس دن ہی ہیں جاہلیت میں تو تم سال سال بھر بیٹھی رہا کرتی تھیں۔ حضرت زینب بنت ام سلمہ فرماتی ہیں کہ پہلے جب کسی عورت کا خاوند مر جاتا تھا تو اسے کسی جھونپڑے میں ڈال دیتے تھے۔ وہ بدترین کپڑے پہنتی، خوشبو وغیرہ سے الگ رہتی اور سال بھر تک ایسی ہی سڑی بسی رہتی تھی۔ سال بھر کے بعد نکلتی اور اونٹنی کی میٹھی لے کر پھینکتی اور کسی جانور مثلاً گدھ یا بکری یا پرندے کے جسم کے ساتھ اپنے جسم کو رگڑتی بسا اوقات وہ مر ہی جاتا۔ یہ تھی جاہلیت کی رسم۔ پس یہ آیت اس کے بعد کی آیت کی ناخ ہے جس میں ہے کہ ایسی عورتیں سال بھر تک رکی رہیں۔ حضرت ابن عباس وغیرہ یہی فرماتے ہیں لیکن اس میں اختلاف ہے اور تفصیل اس کی عنقریب آئے گی ان شاء اللہ۔ مطلب یہ ہے کہ اس زمانہ میں بیوہ عورت کو زینت اور خوشبو اور بہت بھڑکیلے کپڑے اور زیور وغیرہ پہننا منع ہے اور یہ سوگواری واجب ہے۔ ہاں ایک قول یہ بھی ہے کہ طلاق رجعی کی عدت میں یہ واجب نہیں اور جب طلاق بائن ہو تو وجوب اور عدم وجوب کے دونوں قول ہیں۔ فوت شدہ خاوندوں کی زندہ بیویوں پر تو سب پر یہ سوگواری واجب ہے خواہ وہ نابالغ ہوں خواہ وہ عورتیں ہوں جو حیض وغیرہ سے اتر چکی ہوں خواہ آزاد عورتیں ہوں خواہ لونڈیاں ہوں خواہ مسلمان عورتیں ہوں خواہ کافرہ ہوں۔ کیونکہ آیت میں عام حکم ہے۔ ہاں ثورئی اور ابو حنیفہ کافرہ عورت کی سوگواری کے قائل نہیں۔ اشہب اور ابن نافع کا قول بھی یہی ہے۔ ان کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں ہے کہ جو عورت اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتی ہو۔ پس معلوم ہوا کہ یہ حکم تعبدی ہے۔ امام ابو حنیفہ اور ثوری کم سن نابالغہ عورت کے لئے بھی یہی فرماتے ہیں کیونکہ وہ غیر مکلفہ ہے۔ امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب مسلمان لونڈی کو اس میں ملاتے ہیں لیکن ان مسائل کی تفصیل کا یہ موقع نہیں واللہ الموفق بالصواب۔ پھر فرمایا جب ان کی عدت گزر چکے تو ان کے اولیاء پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ عورتیں اپنا بناؤ سنگھار کریں یا نکاح کریں۔ یہ سب ان کے لئے حلال طیب ہے۔ حسن زہری اور سدی سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُمْ بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاءِ أَوْ أَكْنَنْتُمْ فِي أَنْفُسِكُمْ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ سَتَذْكُرُونَهُنَّ وَلَكِنْ لَا تُوَاعِدُوهُنَّ

سِرًّا إِلَّا أَنْ تَقُولُوا قَوْلًا مَعْرُوفًا ۖ وَلَا تَعْزِمُوا عُقْدَةَ النِّكَاحِ  
حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي أَنْفُسِكُمْ  
فَاحْذَرُوهُ ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ ﴿۲۳۵﴾

تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں کہ تم اشارتاً کنایاً ان عورتوں سے نکاح کی بابت کہو یا اپنے دل میں پوشیدہ ارادہ کرو۔ اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ تم ضرور انہیں یاد کرو گے لیکن تم ان سے پوشیدہ وعدے نہ کرو۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ تم پہلی بات بولا کرو عقد نکاح کو جب تک کہ عدت ختم نہ ہو جائے پختہ نہ کر لیا کرو جان لو کہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے دلوں کی باتوں کا بھی علم ہے تم اس سے خوف کھاتے رہا کرو اور یہ بھی جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ بخشش اور حلم والا ہے ○

پیغام نکاح: ☆ ☆ (آیت: ۲۳۵) مطلب یہ ہے کہ صراحت کے بغیر نکاح کی چاہت کا اظہار کسی اچھے طریق پر عدت کے اندر کرنے میں گناہ نہیں مثلاً یوں کہنا کہ میں نکاح کرنا چاہتا ہوں۔ میں ایسی ایسی عورت کو پسند کرتا ہوں میں چاہتا ہوں کہ اللہ میرا جوڑا بھی ملا دے۔ ان شاء اللہ میں تیرے سوا دوسری عورت سے نکاح کا ارادہ نہیں کروں گا۔ میں کسی نیک دیندار عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہوں اسی طرح اس عورت سے جسے طلاق بائن مل چکی ہو عدت کے اندر ایسے مبہم الفاظ کہنا بھی جائز ہیں جیسے کہ نبی ﷺ نے حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا جبکہ ان کے خاوند ابو عمرو بن حفص نے انہیں آخری تیسری طلاق دے دی تھی کہ جب تم عدت ختم کرو تو مجھے خبر کر دینا۔ عدت کا زمانہ حضرت ابن ام مکتوم کے ہاں گزرا۔ جب حضرت فاطمہ نے عدت نکل جانے کے بعد حضور کو اطلاع دی تو آپ نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جن کا مانگا تھا نکاح کرادیا ہاں رجعی طلاق کی عدت کے زمانہ میں بجز اس کے خاوند کے کسی کو بھی یہ حق نہیں کہ وہ اشارہ کنایہ بھی اپنی رغبت ظاہر کرے۔ واللہ اعلم۔ یہ فرمان کہ تم اپنے نفس میں چھپاؤ یعنی متغنی کی خواہش ایک جگہ ارشاد ہے تیرا رب ان کے سینوں میں پوشیدہ کو اور ظاہر باتوں کو جانتا ہے۔ دوسری جگہ ہے تمہارے باطل و ظاہر کا جاننے والا ہوں۔ پس اللہ تعالیٰ بخوبی جانتا تھا کہ تم اپنے دلوں میں ضرور ذکر کرو گے۔ اس واسطے اس نے تنگی ہٹادی لیکن ان عورتوں سے پوشیدہ وعدے نہ کرو یعنی زنا کاری سے بچو۔ ان سے یوں نہ کہو کہ میں تم پر عاشق ہوں۔ تم بھی وعدہ کرو کہ میرے سوا کسی اور سے نکاح نہ کرو گی وغیرہ۔ عدت میں ایسے الفاظ کا کہنا حلال نہیں نہ یہ جائز ہے کہ پوشیدہ طور پر عدت میں نکاح کر لے اور عدت گزر جانے کے بعد اس نکاح کا اظہار کرے پس یہ سب اقوال آیت کے عموم میں آسکتے ہیں۔ اسی لئے فرمان ہوا کہ مگر یہ کہ تم ان سے اچھی بات کرو مثلاً ولی سے کہہ دیا کہ جلدی نہ کرنا عدت گزر جانے کی مجھے بھی خبر کرنا وغیرہ جب تک عدت ختم نہ ہو جائے تب تک نکاح منع نہ کیا کرو۔

علماء کا اجماع ہے کہ عدت کے اندر نکاح صحیح نہیں اگر کسی نے کر لیا اور دخول بھی ہو گیا تو بھی ان میں جدائی کرادی جائے گی اب آیا عورت اس پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو جائے گی یا پھر عدت گزر جانے کے بعد نکاح کر سکتا ہے اس میں اختلاف ہے جمہور تو کہتے ہیں کہ کر سکتا ہے لیکن امام مالک فرماتے ہیں کہ وہ ہمیشہ کے لئے حرام ہوگئی۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جس عورت کا نکاح عدت کے اندر ہو جائے گا۔ اگر اس کا خاوند اس سے نہیں ملا تو ان دونوں میں جدائی کرادی جائے گی اور جب اس کے پہلے خاوند کی عدت گزر جائے تو یہ شخص مجملہ اور لوگوں کے اس کے نکاح کا پیغام ڈال سکتا ہے اور اگر دونوں میں ملاپ بھی ہو گیا ہے جب بھی جدائی کرادی جائے گی اور پہلے خاوند کی عدت گزرا کر پھر اس دوسرے خاوند کی عدت گزارے گی اور پھر یہ شخص اس سے ہرگز نکاح نہیں کر سکتا۔ اس

فیصلہ کا ماخذ یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب اس شخص نے جلدی کر کے اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ وقت کا لحاظ نہ کیا تو اسے اس کے خلاف سزا دی گئی کہ وہ عورت اس پر ہمیشہ کے لئے حرام کر دی گئی جیسے کہ قاتل اپنے مقتول کے ورثہ سے محروم کر دیا جاتا ہے امام شافعیؒ نے امام مالکؒ سے بھی یہ اثر روایت کیا ہے۔ امام تہنکیؒ فرماتے ہیں کہ پہلا قول تو امام صاحب کا یہی تھا لیکن جدید قول آپؒ کا یہ ہے کہ اسے بھی نکاح کرنا حلال ہے کیونکہ حضرت علیؑ کا یہی فتویٰ ہے حضرت عمرؓ والا یہ اثر سنداً منقطع ہے بلکہ حضرت مسروقؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے اس بات سے رجوع کر لیا ہے اور فرمایا ہے کہ مہر ادا کر دے اور عدت کے بعد یہ دونوں آپس میں اگر چاہیں تو نکاح کر سکتے ہیں۔

پھر فرمایا جان لو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کی پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے۔ اس کا لحاظ اور خوف رکھو اپنے دل میں عورتوں کے متعلق فرمان باری کے خلاف خیال بھی نہ آنے دو۔ ہمیشہ دل کو صاف رکھو برے خیال سے اسے پاک رکھو۔ ڈر خوف کے حکم کے ساتھ ہی اپنی رحمت کی طمع اور لالچ بھی دلائی اور فرمایا کہ اللہ العالمین خطاؤں کو بخشنے والا اور حلم و کرم والا ہے۔

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ مَا لَمْ تَمْسُوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا  
لَهُنَّ فَرِيضَةٌ ۖ وَمَتَّعُوهُنَّ عَلَى الْمَوْسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ  
قَدَرُهُ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ ۝

اگر تم عورتوں کو بغیر ہاتھ لگائے اور بغیر مہر مقرر کے طلاق دے دو تو بھی تم پر کوئی گناہ نہیں ہاں انہیں کچھ نہ کچھ فائدہ دے دیا کرو۔ آسانی والا اپنے انداز سے اور تنگی والا اپنی طاقت کے مطابق برطابق دستور اچھا فائدہ دے۔ بھلائی کرنے والوں پر یہ لازم ہے ○

حق مہر کب اور کتنا؟ ☆ ☆ (آیت: ۲۳۶) عقد نکاح کے بعد دخول سے پہلے بھی طلاق کا دینا مباح ہو رہا ہے۔ مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہاں مراد ”مس“ سے نکاح ہے دخول سے پہلے طلاق دے دینا بلکہ مہر کا بھی ابھی تقریب نہیں ہوا اور طلاق دے دینا بھی جائز ہے گو اس میں عورت کی بے حد دل شکنی ہے اسی لئے حکم ہوا کہ مقدور بھر اس صورت میں مرد کو عورت کے ساتھ سلوک کرنا چاہئے حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں اس کا اعلیٰ حصہ خادم ہے اور اس سے کمی چاندی ہے اور اس سے کم کپڑا ہے یعنی اگر مالدار ہے تو غلام وغیرہ دے اور اگر مفلس ہے تو کم سے کم تین کپڑے دے حضرت شعبیؒ فرماتے ہیں درمیانہ درجہ اس فائدہ پہنچانے کا یہ ہے کہ کرتا، دوپٹہ، لحاف اور چادر دے دے۔ شریعہ فرماتے ہیں پانچ سو درہم دے ابن سیرینؒ فرماتے ہیں غلام دے یا خوراک دے یا کپڑے لے دے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے دس ہزار دیئے تھے لیکن پھر بھی وہ بیوی صاحبہ فرماتی تھیں کہ اس محبوب مقبول کی جدائی کے مقابلہ میں یہ حقیر چیز کچھ بھی نہیں۔ امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے کہ اگر دونوں اس فائدہ کی مقدار میں تنازعہ کریں تو اس کے خاندان کے مہر سے آدمی رقم دلوادی جائے۔

حضرت امام شافعیؒ کا فرمان ہے کہ کسی چیز پر خاوند کو مجبور نہیں کیا جاسکتا بلکہ کم سے کم جس چیز کو متعہ یعنی فائدہ اور اسباب کہا جاسکتا ہے وہ کافی ہوگا۔ میرے نزدیک اتنا کپڑا متعہ ہے جتنے میں نماز پڑھ لینی جائز ہو جائے گو پہلا قول حضرت الامام کا یہ تھا کہ مجھے اس کا کوئی صحیح اندازہ معلوم نہیں لیکن میرے نزدیک بہتر یہ ہے کہ کم سے کم تیس درہم ہونے چاہئیں جیسے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اس بارے میں بھی بہت سے اقوال ہیں کہ ہر طلاق والی عورت کو کچھ نہ کچھ اسباب دینا چاہئے یا صرف اسی عورت کو جس سے میل ملاپ نہ ہوا ہو۔ بعض تو سب کے لئے کہتے ہیں کیونکہ قرآن کریم میں ہے کہ وَلِلْمُطَلَّقاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ الخ پس اس آیت کے عموم سے سب کے لئے وہ ثابت کرتے ہیں۔



اس طرح ان کی دلیل یہ آیت بھی ہے فَتَعَالَيْنِ اُمْتَعْنَنَّ الخ یعنی اے نبی اپنی بیویوں سے کہو کہ اگر تمہاری چاہت دنیا کی زندگی اور اسی کی زینت کی ہے تو آؤ میں تمہیں کچھ اسباب بھی دوں اور تمہیں اچھائی کے ساتھ چھوڑ دوں پس یہ تمام زواج مطہرات وہ تھیں جن کا مہر بھی مقرر تھا اور جو حضور کی خدمت میں بھی آچکی تھیں سعید بن جبیر ابو العالیہ حسن بصری کا قول یہی ہے۔ امام شافعی کا بھی ایک قول یہی ہے اور بعض تو کہتے ہیں کہ ان کا نیا اور صحیح قول یہی ہے۔ واللہ اعلم۔ بعض کہتے ہیں اسباب کا دینا اس طلاق والی کو ضروری ہے جس سے خلوت نہ ہوئی ہو گو مہر مقرر ہو چکا ہو کیونکہ قرآن کریم میں ہے يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمْسُوْهُنَّ فَمٰلُكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُوْنَهَا فَمَتَّعُوْهُنَّ وَسَرَٰحُوْهُنَّ جَمِيْلًا یعنی اے ایمان والو! تم جب ایمان والی عورت سے نکاح کر لو پھر انہیں ہاتھ لگانے سے پہلے ہی طلاق دے دو تو ان پر تمہاری طرف سے کوئی عدت نہیں۔ جو عدت وہ گزاریں تم انہیں کچھ مال اسباب دے دو اور حسن کردار سے چھوڑ دو۔ سعید بن مسیب کا قول ہے کہ سورہ احزاب کی آیت سورہ بقرہ کی آیت سے منسوب ہو چکی ہے۔ حضرت سہل بن سعد اور ابواسیدؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت امیہ بنت شریہل سے نکاح کیا۔ جب وہ رخصت ہو کر آئیں اور آپؐ نے ہاتھ بڑھایا تو گویا اس نے برا مانا۔ آپؐ نے ابواسید سے فرمایا اسے دو رنگین کپڑے دے کر رخصت کرو۔ تیسرا قول یہ ہے کہ صرف اسی صورت میں بطور فائدہ کے اسباب و متاع کا دینا ضروری ہے جبکہ عورت کی وداع نہ ہوئی ہو اور مہر بھی مقرر نہ ہو اور اگر داخل ہو گیا ہو تو مہر مثل یعنی خاندان کے دستور کے مطابق دینا پڑے گا۔ اگر مقرر نہ ہوا ہو۔ اور اگر مقرر ہو چکا ہو اور رخصت سے پہلے طلاق دے دے تو آدھا مہر دینا پڑے گا اور اگر رخصتی بھی ہو چکی ہے تو پورا مہر دینا پڑے گا اور یہی متعہ کا عوض ہوگا۔ ہاں اس مصیبت زدہ عورت کے لئے متعہ ہے جس سے نہ ملاپ ہوا نہ مہر مقرر ہوا اور طلاق مل گئی حضرت ابن عمرؓ اور مجاہدؓ کا یہی قول ہے۔

گو بعض علماء اسی کو مستحب بتلاتے ہیں کہ ہر طلاق والی عورت کو کچھ نہ کچھ دے دینا چاہئے۔ ان کے سوا جو مہر مقرر کئے ہوئے نہ ہوں اور نہ خاندان بیوی کا میل ہوا ہو یہی مطلب سورہ احزاب کی اس آیت تحریر کا ہے جو اس سے پہلے اسی آیت کی تفسیر میں بیان ہو چکی ہے اور اسی لئے یہاں اس خاص سورت کے لئے فرمایا گیا کہ امیر اپنی وسعت کے مطابق دیں اور غریب اپنی طاقت کے مطابق۔ حضرت شعی سے سوال ہوتا ہے کہ یہ اسباب نہ دینے ولا کیا گرفتار کیا جائے گا تو آپؐ فرماتے ہیں اپنی طاقت کے برابر دے دے اللہ کی قسم اس بارے میں کسی کو گرفتار نہیں کیا گیا اگر یہ واجب ہوتا تو قاضی لوگ ضرور ایسے شخص کو قید کر لیتے۔

وَ اِنْ طَلَقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمْسُوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَاِنْصِفْ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّا اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَّعْفُوَ الَّذِيْ بِيْدِهِ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ۚ وَاَنْ تَعْفُوْا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی وَلَا تَنسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۵﴾

اور اگر تم عورتوں کو اس سے پہلے طلاق دے دو کہ تم نے انہیں ہاتھ لگایا ہو اور تم نے ان کا مہر بھی مقرر کر دیا ہو تو مقررہ مہر کا آدھا مہر دے دو۔ یہ اور بات ہے کہ وہ خود معاف کر دیں یا وہ شخص معاف کر دے جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے تمہارا معاف کر دینا تقویٰ سے بہت نزدیک ہے آپس کی فضیلت اور بزرگی کو فراموش نہ

کرد۔ یقیناً اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے ○

مزید وضاحت: ☆ ☆ (آیت: ۲۳۷) اس آیت میں صاف دلالت ہے اس امر پر کہ پہلی آیت میں جن عورتوں کے لئے متعہ مقرر کیا گیا تھا وہ صرف وہی عورتیں ہیں جن کا ذکر اس آیت میں تھا کیونکہ اس آیت میں یہ بیان ہوا ہے کہ دخول سے پہلے جبکہ طلاق دے دی گئی اور مہر مقرر ہو چکا تھا تو آدھا مہر دینا پڑے گا۔ اگر یہاں بھی اس کے سوا کوئی اور متعہ واجب ہوتا تو وہ ضرور ذکر کیا جاتا کیونکہ دونوں آیتوں کی دونوں صورتیں ایک کے بعد ایک بیان ہو رہی ہیں۔ واللہ اعلم۔ اس صورت میں جو یہاں بیان ہو رہی ہے آدھے مہر پر علماء کا اجماع ہے لیکن تین کے نزدیک پورا مہر اس وقت واجب ہو جاتا ہے جبکہ خلوت ہو گئی یعنی میاں بیوی تنہائی کی حالت میں کسی مکان میں جمع ہو گئے گو ہم بستری نہ ہوئی ہو۔ امام شافعی کا بھی پہلا قول یہی ہے اور خلفاء راشدین کا فیصلہ بھی یہی ہے۔ لیکن امام شافعی کی روایت سے حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ اس صورت میں بھی صرف نصف مہر مقرر ہی دینا پڑے گا امام شافعیؒ فرماتے ہیں میں بھی یہی کہتا ہوں اور ظاہر الفاظ کتاب اللہ کے بھی یہی کہتے ہیں امام بیہقی فرماتے ہیں کہ اس روایت کے ایک راوی لیث بن ابی سلیم اگرچہ سند پکڑے جانے کے قابل نہیں لیکن ابن ابی طلحہ سے ابن عباسؓ کی یہ روایت مروی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا فرمان یہی ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ اگر عورتیں خود ایسی حالت میں اپنا آدھا مہر بھی خاوند کو معاف کر دیں تو یہ اور بات ہے۔ اس صورت میں خاوند کو سب معاف ہو جائے گا۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ثیبہ عورت اگر اپنا حق چھوڑ دے تو اسے اختیار ہے۔ بہت سے مفسرین تابعین کا یہی قول ہے محمد بن کعب قرظی کہتے ہیں کہ اس سے مراد عورتوں کا معاف کرنا نہیں بلکہ مردوں کا معاف کرنا ہے یعنی مرد اپنا آدھا حصہ چھوڑ دے اور پورا مہر دے دے لیکن یہ قول شاذ ہے کوئی اور اس قول کا قائل نہیں۔

پھر فرماتا ہے کہ وہ معاف کر دے جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے۔ ایک حدیث میں ہے اس سے مراد خاوند ہے حضرت علیؓ سے سوال ہوا کہ اس سے مراد کیا عورت کے اولیاء ہیں۔ فرمایا نہیں بلکہ اس سے مراد خاوند ہے۔ اور بھی بہت سے مفسرین سے یہی مروی ہے۔ امام شافعی کا جدید قول بھی یہی ہے امام ابوحنیفہ وغیرہ کا بھی مذہب ہے اس لئے کہ حقیقتاً نکاح کو باقی رکھنا توڑ دینا وغیرہ یہ سب خاوند کے ہی اختیار میں ہے اور جس طرح دلی کو اس کی طرف سے جس کا ولی ہے اس کے مال کا دے دینا جائز نہیں اسی طرح اس کے مہر کے معاف کر دینے کا بھی اختیار نہیں دوسرا قول اس بارے میں یہ ہے کہ اس سے مراد عورت کے باپ بھائی اور وہ لوگ ہیں جن کی اجازت کے بغیر عورت نکاح نہیں کر سکتی۔ ابن عباسؓ علقمہ حسن عطاء طاؤس زہری ربیعہ زید بن اسلم ابراہیم نخعی عکرمہ محمد بن سیرینؒ سے بھی یہی مروی ہے کہ ان دونوں بزرگوں کا بھی ایک قول یہی ہے۔ امام مالکؒ کا اور امام شافعیؒ کا قول قدیم بھی یہی ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ ولی نے ہی اس حق کا حقدار اسے کیا تھا تو اس میں تصرف کرنے کا بھی اسے اختیار ہے۔ گو اور مال میں ہیر پھیر کرنے کا اختیار نہ ہو عکرمہؒ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے معاف کر دینے کی رخصت عورت کو دی اور اگر وہ بخیل اور تنگ دلی کرے تو اس کا ولی بھی معاف کر سکتا ہے۔ گو وہ عورت سمجھدار ہو حضرت شریحؒ بھی یہی فرماتے ہیں لیکن جب شععیؒ نے انکار کیا تو آپ نے اس سے رجوع کر لیا اور فرمانے لگے کہ اس سے مراد خاوند ہی ہے بلکہ وہ اس بات پر مبالغہ کو تیار رہتے تھے۔

پھر فرماتا ہے تمہارا معاف کرنا ہی تقویٰ سے زیادہ قریب ہے۔ اس سے مراد عورتیں دونوں ہی ہیں یعنی دونوں میں سے اچھا وہی ہے جو اپنا حق چھوڑ دے یعنی عورت یا تو اپنا آدھا حصہ بھی اپنے خاوند کو معاف کر دے یا خاوند ہی اسے بجائے آدھے کے پورا مہر دے دے آپس کی فضیلت یعنی احسان کو نہ بھولو۔ اسے بیکار نہ چھوڑو بلکہ اسے کام میں لاؤ ابن مردویہ کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لوگوں پر ایک کاٹ کھانے والا زمانہ آئے گا۔ مومن بھی اپنے ہاتھوں کی چیز کو دانتوں سے پکڑ لے گا اور فضیلت و بزرگی کو بھول جائے گا حالانکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اپنے آپس کے فضل کو نہ بھولو۔ برے ہیں وہ لوگ جو ایک مسلمان کی بے کسی اور تنگ دستی کے وقت اس سے سستے

داموں اس کی چیز خریدتے ہیں حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے اس بیع سے منع فرما دیا ہے۔ اگر تیرے پاس بھلائی ہو تو اپنے بھائی کو بھی وہ بھلائی پہنچا۔ اس کی ہلاکت میں حصہ نہ لے ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے نہ اسے رنج و غم پہنچائے نہ اسے بھلائیوں سے محروم رکھے حضرت عون حدیثیں بیان کرتے جاتے اور روتے جاتے یہاں تک کہ آنسو داڑھی سے ٹپکتے رہتے اور فرماتے، میں مالداروں کی صحبت میں بیٹھا اور دیکھا کہ ہر وقت دل لہلہ رہتا ہے کیونکہ جدر نظر اٹھتی ہر ایک کو اپنے سے اچھے کپڑوں میں اچھی خوشبوؤں میں اور اچھی سواریوں میں دیکھتا۔ ہاں مسکینوں کی محفل میں میں نے بڑی راحت پائی۔ رب العالمین بھی یہی فرماتا ہے ایک دوسرے کی فضیلت فراموش نہ کرو کسی کے پاس جب کبھی کوئی سائل آئے اور اس کے پاس کچھ نہ ہو تو وہ اس کے لئے دعائے خیر ہی کر دے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے خبردار ہے اس پر تمہارے کام اور تمہارا حال بالکل روشن ہے اور عنقریب وہ ہر ایک عامل کو اس کے عمل کا بدلہ دے گا۔

حِفْظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَىٰ وَقَوْمُوا لِلَّهِ قِنْتَيْنِ ﴿۲۳۸﴾  
فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا فَإِذَا أَمْنْتُمْ فَادْكُرُوا اللَّهَ كَمَا  
عَلَّمَكُمْ مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ﴿۲۳۹﴾

نمازوں کی حفاظت کرو بالخصوص بیچ والی نماز کی اور اللہ تعالیٰ کے لئے باادب کھڑے رہا کرو ○ اگر تمہیں خوف ہو تو پیدل ہی سہی یا سواری سہی ہاں جب امن ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو کہ اس نے تمہیں وہ تعلیم دی جو تم نہیں جانتے تھے ○

صلوٰۃ وسطیٰ کون سی ہے؟ ☆☆ (آیت: ۲۳۸-۲۳۹) اللہ تعالیٰ کا حکم ہو رہا ہے کہ نمازوں کے وقت کی حفاظت کرو۔ اس کی حدود کی نگرانی رکھو اور اول وقت ادا کرتے رہو رسول اللہ ﷺ سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سوال کرتے ہیں کون سا عمل افضل ہے۔ آپؐ نے فرمایا۔ نماز کو وقت پر پڑھنا۔ پوچھا پھر کون سا فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد کرنا پھر کون سا فرمایا ماں باپ سے بھلائی کرنا حضرت عبداللہ فرماتے ہیں اگر میں کچھ اور بھی پوچھتا تو آپؐ اور بھی جواب دیتے (بخاری و مسلم) حضرت ام فروہؓ جو بیعت کرنے والی عورتوں میں سے ہیں فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے میں نے سنا آپؐ اعمال کا ذکر فرما رہے تھے اسی میں آپؐ نے فرمایا سب سے زیادہ پسندیدہ عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک نماز کو اول وقت ادا کرنے کی جلدی کرنا ہے۔ (مسند احمد) امام ترمذی اس حدیث کے ایک راوی عمری کو غیر قوی بتاتے ہیں۔

پھر صلوٰۃ وسطیٰ کی مزید تاکید ہو رہی ہے سلف و خلف کا اس میں اختلاف ہے کہ صلوٰۃ وسطیٰ کس نماز کا نام ہے۔ حضرت علیؓ، حضرت ابن عباسؓ وغیرہ کا قول ہے کہ اس سے مراد صبح کی نماز ہے ابن عباسؓ ایک مرتبہ نماز پڑھتے ہیں جس میں ہاتھ اٹھا کر قنوت بھی پڑھتے ہیں پھر فرماتے ہیں یہی وہ نماز وسطیٰ ہے جس میں قنوت کا حکم ہوا ہے دوسری روایت میں ہے کہ یہ واقعہ بصرے کی مسجد کا ہے اور قنوت آپؐ نے رکوع سے پہلے پڑھی تھی ابو العالیہؓ فرماتے ہیں بصرے میں میں نے حضرت عبداللہ بن قیس کے پیچھے صبح کی نماز ادا کی۔ پھر میں نے ایک صحابیؓ سے پوچھا کہ صلوٰۃ وسطیٰ کون سی ہے۔ آپؐ نے فرمایا یہی صبح کی نماز ہے۔ اور روایت میں ہے کہ بہت سے اصحاب اس مجمع میں تھے اور سب نے یہی جواب دیا جابر بن عبداللہؓ بھی یہی فرماتے ہیں اور بھی بہت سے صحابہؓ تابعینؓ کا یہی مسلک ہے۔ امام شافعیؒ بھی یہی فرماتے ہیں۔ اس لئے کہ ان کے نزدیک صبح کی نماز میں ہی قنوت ہے، بعض کہتے ہیں اس سے مراد نماز مغرب ہے اس لئے کہ اس سے پہلے بھی چار رکعت والی نماز ہے اور اس کے بعد بھی چار رکعت والی نماز ہے اور سفر میں دونوں قصر کی جاتی ہیں لیکن مغرب پوری ہی رہتی ہے یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس کے

بعد دو نمازیں رات کی یعنی عشاء اور فجر وہ ہیں جن میں اونچی آواز سے قرات پڑھی جاتی ہے اور دو نمازیں اس سے پہلی دن کی وہ ہیں جن میں آہستہ قرات پڑھی جاتی ہے یعنی ظہر عصر۔ بعض کہتے ہیں یہ نماز ظہر کی نماز ہے ایک مرتبہ چند لوگ حضرت زید بن ثابتؓ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ وہاں بھی یہ مسئلہ چڑھا۔ لوگوں نے ایک آدمی بھیج کر حضرت اسامہؓ سے دریافت کیا۔ آپؓ نے فرمایا یہ ظہر کی نماز ہے جسے حضور علیہ السلام اول وقت پڑھا کرتے تھے (طحاوی) زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں اس سے زیادہ ہماری نماز صحابہؓ پر اور کوئی نہ تھی۔ اس لئے یہ آیت نازل ہوئی اور اس سے پہلے بھی دو نمازیں ہیں اور اس کے بعد دو ہیں۔ آپؐ ہی سے یہ بھی مروی ہے کہ قریشیوں کی ایک جماعت کے بھیجے ہوئے دو شخصوں نے آپؐ سے یہی سوال کیا جس کے جواب میں آپؐ نے فرمایا وہ عصر ہے۔ پھر دو اور شخصوں نے پوچھا آپؐ نے فرمایا وہ ظہر ہے پھر ان دونوں نے حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا آپؐ نے فرمایا یہ ظہر ہے آپؐ اسے آفتاب ڈھلتے ہی پڑھا کرتے تھے بمشکل ایک دو صف کے لوگ آتے تھے کوئی نیند میں ہوتا کوئی کاروبار میں مشغول ہوتا جس پر یہ آیت اتری اور آپؐ نے فرمایا یا تو یہ لوگ اس حرکت سے باز آئیں یا میں ان کے گھروں کو جلا دوں گا، لیکن اس کے راوی زبیرؓ ان کے صحابی سے ملاقات نہیں کی لیکن حضرت زید سے اور روایات سے بھی یہ ثابت ہے کہ آپؐ اس سے مراد ظہر کی نماز ہی بتاتے تھے۔ ایک مرفوع حدیث میں بھی یہ ہے۔ حضرت عمرؓ حضرت ابوسعیدؓ حضرت عائشہؓ وغیرہ سے بھی یہی مروی ہے۔ امام ابوحنیفہؒ سے بھی ایک روایت اسی کی ہے۔

بعض کہتے ہیں اس سے مراد عصر کی نماز ہے اکثر علماء صحابہؓ وغیرہ کا یہی قول ہے، جمہور تابعین کا بھی یہی قول ہے اور اکثر اہل اثر کا بھی بلکہ جمہور لوگوں کا حافظ ابوہریرہؓ عبدالمومنؓ دیماطیؓ نے اس بارے میں ایک مستقل رسالہ تصنیف فرمایا ہے جس کا نام کشف الغطاء فی تبیین الصلوۃ الوسطی ہے۔ اس میں ان کا فیصلہ بھی یہی ہے کہ صلوۃ وسطی عصر کی نماز ہے۔ حضرت عمرؓ علیؓ ابن مسعودؓ ابویوبؓ عبداللہ بن عمروؓ سمرہ بن جندبؓ ابوہریرہؓ ابوسعیدؓ خضعمہؓ ام حبیبہؓ ام سلمہؓ ابن عمرؓ ابن عباسؓ عائشہؓ (رضوان اللہ علیہم اجمعین) وغیرہ کا فرمان بھی یہی ہے اور ان حضرات سے یہی مروی ہے اور بہت سے تابعین سے یہ منقول ہے امام احمدؒ اور امام شافعیؒ کا بھی یہی مذہب ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کا بھی صحیح مذہب یہی ہے ابو یوسفؒ محمدؒ سے بھی یہی مروی ہے۔ ابن حبیبؒ مالکیؒ بھی یہی فرماتے ہیں رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔ اس قول کی دلیل سنئے۔ رسول اللہ ﷺ نے جنگ احزاب میں فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ان مشرکین کے دلوں کو اور گھر کو آگ سے بھر دے کہ انہوں نے ہمیں صلوۃ وسطی یعنی نماز عصر سے روک دیا (مسند احمد)۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ ہم اس سے مراد صبح یا عصر کی نماز لیتے ہیں یہاں تک کہ جنگ احزاب میں میں نے حضورؐ سے یہ سنا۔ اس میں قبروں کو بھی آگ سے بھرتا وارد ہوا ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ حضورؐ نے اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا یہ عصر کی نماز ہے<sup>۱۰</sup> اس حدیث کے بہت سے طرق ہیں اور بہت سی کتابوں میں مروی ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے ایک مرتبہ اس بارے میں سوال ہوا تو آپؐ نے فرمایا ہم نے بھی ایک مرتبہ اس میں اختلاف کیا تو ابوہاشم بن عتبہؓ مجلس میں سے اٹھ کر رسول اللہ ﷺ کے مکان پر گئے۔ اجازت مانگ کر اندر داخل ہوئے اور آپؐ سے معلوم کر کے باہر آ کر ہمیں فرمایا کہ یہ نماز عصر ہے (ابن جریر) عبدالعزیز بن مروانؓ کی مجلس میں بھی ایک مرتبہ یہی مسئلہ پیش آیا۔ آپؐ نے فرمایا جاؤ فلاں صحابی سے پوچھ آؤ۔ ایک شخص نے کہا مجھ سے سنئے۔ مجھے حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت عمرؓ نے میرے پیچھن میں یہی مسئلہ پوچھنے کے لئے رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیجا تھا۔ آپؐ نے میری چٹکیا یعنی سب سے چھوٹی انگلی پکڑ کر فرمایا دیکھ یہ تو ہے فجر کی نماز پھر اس کے پاس والی انگلی اٹھا کر فرمایا یہ ہوئی ظہر کی پھر انگوٹھا پکڑ کر فرمایا یہ ہے مغرب کی نماز پھر شہادت کی انگلی پکڑ کر فرمایا یہ ہوئی عشاء

کی نماز پھر مجھ سے کہا اب تمہاری کون سی انگلی باقی رہی میں نے کہا سچ کی فرمایا اور نماز کون سی باقی رہی میں نے کہا عصر کی فرمایا بس یہی صلوٰۃ وسطیٰ ہے (ابن جریر) لیکن یہ روایت بہت ہی غریب ہے غرض صلوٰۃ وسطیٰ سے نماز عصر مراد ہونا بہت سی احادیث میں وارد ہے جن میں سے کوئی حسن ہے۔ کوئی صحیح ہے۔ کوئی ضعیف ہے۔ ترمذی مسلم وغیرہ میں بھی یہ حدیثیں ہیں۔

پھر اس نماز کے بارے میں حضور کی تاکیدیں اور سختی کے ساتھ محافظت بھی ثابت ہے چنانچہ ایک حدیث میں ہے جس سے عصر کی نماز فوت ہو جائے گویا اس کا گھر انا تباہ ہو گیا اور مال و اسباب برباد ہو گیا۔ اور حدیث میں ہے۔ ابرو الے دن نماز اول وقت پڑھو سنو جس شخص نے عصر کی نماز چھوڑ دی اس کے اعمال غارت ہو جاتے ہیں۔ ایک مرتبہ حضور نے عصر کی نماز قبیلہ غفار کی ایک وادی میں جس کا نام حمیس تھا ادا کی پھر فرمایا یہی نماز تم سے اگلے لوگوں پر بھی پیش کی گئی تھی لیکن انہوں نے اسے ضائع کر دیا سنو اسے پڑھنے والے کو دو ہزار اجر ملتا ہے اس کے بعد کوئی نماز نہیں جب تک کہ تم تارے نہ دیکھ لو (مسند احمد)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے آزاد کردہ غلام ابویونس سے فرماتی ہیں کہ میرے لئے ایک قرآن شریف لکھو اور جب اس آیت حافظوں تک پہنچو تو مجھے اطلاع کرنا چنانچہ جب آپ کو اطلاع دی گئی تو آپ نے والصلوٰۃ الوسطیٰ کے بعد وصلوٰۃ العصر لکھوایا اور فرمایا میں نے خود اسے یونہی رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے (مسند احمد) روایت میں وہی صلوٰۃ العصر کا لفظ بھی ہے (ابن جریر) حضور کی دوسری بیوی صاحبہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے عمرو بن رافع کو جب آپ کے قرآن کے کاتب تھے اسی طرح یہ آیت لکھوائی (موطا امام مالک) اس حدیث کے بھی بہت سے طریقے ہیں اور کئی ایک کتابوں میں مروی ہے کہ امام المؤمنین نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہی الفاظ سنے ہیں حضرت نافع فرماتے ہیں میں نے یہ قرآن شریف اپنی آنکھوں سے دیکھا یہی عبارت واؤ کے ساتھ تھی۔ ابن عباس اور عبید بن عسیر کی قرات بھی یونہی ہے۔ ان روایات کو مد نظر رکھ کر بعض حضرات کہتے ہیں کہ چونکہ واؤ عطف کے لئے ہوتا ہے کہ صلوٰۃ الوسطیٰ اور ہے اور صلوٰۃ عصر اور ہے لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اسے بطور حدیث کے مانا جائے تو حضرت علی والی حدیث بہت زیادہ صحیح ہے اور اس میں صراحت موجود ہے۔ رہا واؤ سومکن ہے کہ زائد ہو عاطفہ ہو جیسے وَكَذَلِكَ نَفْصِلُ الْآيَاتِ وَلِتَسْتَبِينَ سَبِيلُ الْمُجْرِمِينَ میں اور وَكَذَلِكَ نَرَىٰ اٰبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنُ مِنَ الْمُؤَقِنِيْنَ میں یا یہ واؤ عطف صفت کے لئے ہو۔ عطف ذات کے لئے نہ ہو جیسے وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّیْنَ میں اور جیسے سَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰی الَّذِیْ خَلَقَ فَسُوِّیْ وَالَّذِیْ قَدَّرَ فَهَدٰی وَالَّذِیْ اَخْرَجَ الْمَرْعٰی میں۔ اس کی مثالیں اور بھی بہت سی ہیں شاعروں کے شعروں میں بھی یہ بات پائی جاتی ہے سیویہ جو مخویوں کے امام ہیں فرماتے ہیں کہ مَرَرْتُ بِاَحْبِكَ وَصَاحِبِكَ کہنا درست ہے حالانکہ صاحب اور اخ سے مراد ایک ہی شخص ہے واللہ اعلم۔

اور اگر اس قرات کے ان الفاظ کو بطور قرآنی الفاظ کے مانا جائے تو ظاہر ہے کہ اس خبر واحد سے قرات قرآنی ثابت نہیں ہوتی جب تک کہ تو اتر ثابت نہ ہو۔ اسی لئے حضرت عثمان نے اپنے مرتب کردہ قرآن میں اس قرات کو نہیں لیا اور نہ ساتوں قاریوں کی قرات میں یہ الفاظ ہیں۔ بلکہ نہ کسی اور ایسے معتبر قاری کی یہ قرات پائی گئی ہے علاوہ ازیں ایک حدیث اور ہے جس سے اس قرات کا منسوخ ہونا ثابت ہو رہا ہے۔ صحیح مسلم شریف میں ہے کہ یہ آیت اتری خَفِظُوا عَلٰی الصَّلٰوٰتِ وَالصَّلٰوٰةِ الْوُسْطٰی وَصَلٰوَةِ الْعَصْرِ ہم ایک مدت تک اسی طرح حضور کے سامنے اس آیت کو پڑھتے رہے پھر یہ تلاوت منسوخ ہو گئی اور آیت یوں رہی خَفِظُوا عَلٰی الصَّلٰوٰتِ

وَالصَّلٰوةَ الْوُسْطٰی ایک شخص نے راوی حدیث حضرت شفیقؓ سے کہا کہ پھر کیا یہ نماز عصر کی نماز ہی ہے۔ فرمایا میں تو سنا چکا کہ کس طرح آیت اتری اور کس طرح منسوخ ہوئی، پس اس بناء پر یہ قرات حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ کی روایت والی یا تو تلفظ منسوخ کی جائے گی اور اگر واؤ کو مغائرۃ کے لئے مانا جائے تو تلفظ و معنی دونوں کے اعتبار سے منسوخ کی جائے گی۔ بعض کہتے ہیں اس سے مراد مغرب کی نماز ہے ابن عباسؓ سے بھی یہ مروی ہے لیکن اس کی سند میں کلام ہے، بعض اور حضرات کا قول بھی یہ ہے اس کی ایک وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ اور فرض نمازیں یا تو چار رکعت والی ہیں یا دو رکعت والی اور اس کی تین رکعتیں ہیں پس یہ درمیان نماز ٹھہری اور دوسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ فرض نمازوں کی یہ وتر ہے اور اس لئے بھی کہ اس کی فضیلت میں بھی بہت کچھ حدیثیں وارد ہوئی ہیں، بعض لوگ اس سے مراد عشاء کی نماز بھی بتلاتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں پانچ وقتوں میں سے ایک وقت کی نماز ہے لیکن ہم معین نہیں کر سکتے یہ مبہم ہے جس طرح لیلۃ القدر پورے سال میں یا پورے مہینے میں یا پچھلے دس دنوں میں مبہم ہے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں پانچوں نمازوں کا مجموعہ مراد ہے اور بعض کہتے ہیں یہ عشاء اور صبح ہے، بعض کا قول ہے یہ جماعت کی نماز ہے، بعض کہتے ہیں جمعہ کی نماز ہے، کوئی کہتا ہے صلوٰۃ خوف مراد ہے، کوئی کہتا ہے نماز عید مراد ہے، کوئی کہتا ہے صلوٰۃ فحشی مراد ہے، بعض کہتے ہیں ہم توقف کرتے ہیں اور کسی قول کے قائل نہیں بننے اس لئے کہ یہ دلیل مختلف ہیں وجہ ترجیح معلوم نہیں کسی قول پر اجماع ہوا نہیں بلکہ زمانہ صحابہؓ سے لے کر آج تک جھگڑا جاری رہا جس طرح حضرت سعید بن مسیب فرماتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ اس بارے میں اس طرح مختلف تھے پھر اپنی انگلیوں میں انگلیاں ڈال کر دکھائیں۔

لیکن یہ یاد رہے کہ یہ پچھلے اقوال سب کے سب ضعیف ہیں۔ جھگڑا صرف صبح اور عصر کی نماز میں ہے اور صحیح احادیث سے عصر کی نماز کا صلوٰۃ وسطیٰ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ پس لازم ہو گیا کہ ہم سب اقوال کو چھوڑ کر یہی عقیدہ رکھیں کہ صلوٰۃ وسطیٰ نماز عصر ہے امام ابو محمد عبد الرحمن بن ابی حاتم رازی رحمہما اللہ نے اپنی کتاب فضائل شافعی میں روایت کی ہے کہ حضرت امام صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کل ما قلت فکان عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم بخلاف قولی مما یصح فحدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم اولی ولا تقلدونی یعنی میرے جس کسی قول کے خلاف کوئی صحیح حدیث شریف مروی ہو تو حدیث ہی اولیٰ ہے۔ خبردار میری تقلید نہ کرنا، امام شافعیؒ کے اس فرمان کو امام ربیعؒ امام زعفرانیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ بھی روایت کرتے ہیں اور موسیٰ ابوالولید بن جارد امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں، کہا، آپ نے فرمایا، اذا صحح الحدیث و قلت قولاً فانما راجع عن قولی و قائل بذلك یعنی میری جو بات حدیث شریف کے خلاف ہو، میں اپنی اس بات سے رجوع کرتا ہوں اور صاف کہتا ہوں کہ میرا مذہب وہی ہے۔ جو حدیث میں ہو۔ یہ امام صاحب کی امانت اور سرداری ہے اور آپ جیسے ائمہ کرام میں سے بھی ہر ایک نے یہی فرمایا ہے کہ ان کے اقوال کو دین نہ سمجھا جائے۔ رحمہم اللہ و رضی عنہم اجمعین اسی لئے قاضی ماوردیؒ فرماتے ہیں کہ امام صاحب کا صلوٰۃ وسطیٰ کے بارے میں یہی مذہب سمجھنا چاہئے کہ وہ عصر ہے گو امام صاحب کا اپنا نیا قول یہ ہے کہ وہ عصر نہیں ہے مگر آپ کے اس فرمان کے مطابق حدیث صحیح کے خلاف اس قول کو پا کر ہم نے چھوڑ دیا۔ شافعی مذہب کے اور بھی بہت سے محدثین نے یہی فرمایا ہے فالحمد للہ۔ بعض فقہاء شافعی تو کہتے ہیں کہ امام صاحب کا صرف ایک ہی قول ہے کہ وہ صبح کی نماز ہے لیکن سب باتیں طے کرنے کے لئے تفسیر مناسب نہیں، علیحدہ اس کا بیان میں نے کر دیا ہے۔ فالحمد للہ۔

پھر فرمایا، اللہ تعالیٰ کے سامنے خشوع و خضوع، ذلت اور مسکینی کے ساتھ کھڑے ہوا کرو جس کو یہ لازم ہے کہ انسانی بات چیت نہ ہو اسی لئے حضرت ابن مسعود کے سلام کا جواب حضورؐ نے نماز میں نہ دیا اور بعد فراغت فرمایا کہ نماز مشغولیت کی چیز ہے اور حضرت

معاویہ بن حکم سے جبکہ انہوں نے نماز پڑھتے ہوئے بات کی تو فرمایا، نماز میں انسانی بات چیت نہ کرنی چاہئے، یہ تو صرف تسبیح اور تکبیر اور ذکر اللہ ہے (مسلم) مندا احمد وغیرہ میں ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے لوگ ضروری بات چیت بھی نماز میں کر لیا کرتے تھے، جب یہ آیت اتری تو چپ رہنے کا حکم دے دیا گیا لیکن اس حدیث میں ایک اشکال یہ ہے کہ علماء کرام کی ایک جماعت کے نزدیک نماز میں بات چیت کرنے کی حرمت حبشہ کی ہجرت کے بعد اور مدینہ شریف کی ہجرت سے پہلے ہی مکہ شریف میں نازل ہو چکی تھی۔ چنانچہ صحیح مسلم میں ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حبشہ کی ہجرت سے پہلے ہم نبی ﷺ کو سلام کرتے تھے آپ نماز میں ہوتے۔ پھر بھی جواب دیتے، جب حبشہ سے ہم واپس آئے تو حضور کو میں نے آپ کی نماز کی حالت میں ہی سلام کیا۔ آپ نے جواب نہ دیا، اب میرے رنج و غم کا کچھ نہ پوچھئے۔ نماز سے فارغ ہو کر آپ نے مجھے فرمایا۔ عبداللہ اور کوئی بات نہیں میں نماز میں تھا اس وجہ سے میں نے جواب نہ دیا، اللہ جو چاہے نیا حکم اتارے اس نے یہ نیا حکم نازل فرمایا ہے کہ نماز میں نہ بولا کرو۔ پس یہ واقعہ ہجرت مدینہ سے پہلے کا ہے۔ اور یہ آیت مدینہ میں نازل ہوئی ہے، اب بعض تو کہتے ہیں کہ زید بن ارقم کے قول کا مطلب جنس کلام سے ہے اور اس کی حرمت پر اس آیت سے استدلال بھی خود ان کا فہم ہے۔ واللہ اعلم۔ بعض کہتے ہیں ممکن ہے دو دفعہ حلال ہوا ہو اور دو دفعہ ممانعت ہوئی ہو لیکن پہلا قول زیادہ ظاہر ہے، حضرت ابن مسعود والی روایت جو ابویعلیٰ میں ہے اس میں ہے کہ حضور کے جواب نہ دینے سے پہلے مجھے یہ خوف ہوا کہ شاید میرے بارے میں کوئی وحی نازل ہوئی ہے۔ آپ نے مجھ سے فارغ ہو کر فرمایا وعلیک السلام ایہا المسلم ورحمة اللہ نماز میں جب تم ہو تو خاموش رہا کرو۔

چونکہ نمازوں کی پوری حفاظت کرنے کا فرمان صادر ہو چکا تھا اس لئے اب اس حالت کو بیان فرمایا جاتا جس میں تمام ادب و آداب کی پوری رعایت عموماً نہیں رہ سکتی، یعنی میدان جنگ میں جبکہ دشمن سر پر ہو تو فرمایا کہ جس طرح ممکن ہو سوار پیدل، قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز ادا کر لیا کرو ابن عمر اس آیت کا یہی مطلب بیان کرتے ہیں بلکہ نافع فرماتے ہیں، میں تو جانتا ہوں یہ مرفوع ہے، مسلم شریف میں ہے سخت خوف کے وقت اشارے سے ہی نماز پڑھ لیا کرو۔ گو سواری پر ہو عبداللہ بن انیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب حضور علیہ السلام نے خالد بن سفیان کے قتل کے لئے بھیجا تھا تو آپ نے اسی طرح نماز عصر اشارے سے ادا کی تھی (ابوداؤد) پس اس میں جناب باری نے اپنے بندوں پر بہت آسانی کر دی اور بوجھ کو ہلکا کر دیا، صلوٰۃ خوف ایک رکعت پڑھنی بھی آئی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی ﷺ کی زبانی حضری حالت میں چار رکعتیں فرض کی ہیں اور سفر کی حالت میں دو اور خوف کی حالت میں ایک (مسلم)

امام احمد فرماتے ہیں یہ اس وقت ہے جب بہت زیادہ خوف ہو، جابر بن عبداللہ اور بہت سے اور بزرگ صلوٰۃ خوف ایک رکعت بتاتے ہیں۔ امام بخاری نے صحیح بخاری میں باب باندھا ہے کہ فتوحات قلعہ کے موقعہ پر اور دشمن کے مدبھڑ کے موقعہ پر نماز ادا کرنا۔ اوزاعی فرماتے ہیں اگر قریب آگنی ہو اور نماز پڑھنے پر قدرت نہ ہو تو ہر شخص اپنے طور پر اشارے سے نماز پڑھ لے۔ اگر اتنا وقت بھی نہ ملے تو تاخیر کریں یہاں تک کہ لڑائی ختم ہو جائے اور چہین نصیب ہو تو دو رکعتیں ادا کر لیں ورنہ ایک رکعت کافی ہے لیکن صرف تکبیر کہہ لینا کافی نہیں بلکہ تاخیر کر دیں یہاں تک کہ امن ملے۔ مکحول بھی یہی کہتے ہیں۔ حضرت انسؓ بن مالک فرماتے ہیں، تیسرے قلعہ کی لڑائی میں میں بھی فوج میں تھا۔ صبح صادق کے وقت گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی۔ ہمیں وقت ہی نہ ملا کہ ہم نماز ادا کرتے۔ خوب دن چڑھے اس دن ہم نے صبح کی نماز پڑھی۔ اگر اس نماز کے بدلے میں مجھے دنیا اور جو کچھ اس میں ہے مل جائے تاہم میں خوش نہیں ہوں۔ ازاں بعد حضرت امام المجد ثین نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں ہے کہ جنگ خندق میں سورج غروب ہو جانے تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عصر کی نماز نہ پڑھ سکے۔ پھر دوسری

حدیث میں ہے کہ آپؐ نے جب اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو بنی قریظہ کی طرف بھیجا تو ان سے فرمایا تھا کہ تم میں سے کوئی بھی بنی قریظہ پہنچنے سے پہلے نماز عصر نہ پڑھے۔ اب جبکہ نماز عصر کا وقت گھبرا گیا تو بعض نے تو وہیں پڑھ لی اور کہا کہ مطلب حضور کا یہ تھا کہ ہم بہت جلد جائیں تاکہ عصر کی نماز کا وقت ہمیں وہاں پہنچ کر ہو اور بعض لوگوں نے پڑھی یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا۔ وہیں جا کر نماز پڑھی۔ حضورؐ کو جب اس کا علم ہوا تو نہ تو آپؐ نے انہیں کچھ ڈانٹا نہ انہیں پس اس سے حضرت امام بخاری یہ مسئلہ ثابت کرتے ہیں گو جمہور اس کے مخالف ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ سورہ نساء میں جو نماز خوف کا حکم ہے اور جس نماز کی مشروعیت اور طریقہ احادیث میں وارد ہوا ہے وہ جنگ خندق کے بعد کا ہے جیسے کہ ابوسعید وغیرہ کی روایت میں صراحۃً بیان ہے۔ لیکن امام بخاری، امام محول اور امام اوزاعی رحمہم اللہ کا جواب یہ ہے کہ اس کی مشروعیت بعد میں ہونا اس جواز کے خلاف نہیں ہو سکتا ہے کہ یہ بھی جائز ہو اور وہ بھی طریقہ ہو کیونکہ ایسی حالت شاذ و نادر کبھی ہی ہوتی ہے اور خود صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے حضرت فاروق اعظمؓ کے زمانے میں فتح تستر میں اس پر عمل کیا اور کسی نے انکار نہیں کیا۔ واللہ اعلم۔

پھر فرمان ہے کہ امن کی حالت میں بجا آوری کا پورا خیال رکھو۔ جس طرح میں نے تمہیں ایمان کی راہ دکھائی اور جہل کے بعد علم دیا تو تمہیں بھی چاہئے کہ اس کے شکریہ میں ذکر اللہ باطمینان کیا کرو جیسے کہ نماز خوف کا بیان کر کے فرمایا، جب اطمینان ہو جائے تو نمازوں کو اچھی طرح قائم کرو۔ نماز مومنوں پر وقت مقررہ پر فرض ہے۔ صلوٰۃ خوف کا پورا بیان سورہ نساء کی آیت وَإِذَا كُنْتَ فِيهِمْ كِتَابٌ تَفْسِيرٌ میں آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا وَصِيَّةً لَّأَزْوَاجِهِمْ مِّمَّا تَرَكَوا إِلَى الْوَلَدِ غَيْرِ إِخْرَاجٍ فَإِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِي مَا فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوفٍ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ

جو لوگ تم میں سے فوت ہو جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں وہ وصیت کر جائیں کہ ان کی بیویاں سال بھر تک فائدہ اٹھائیں انہیں کوئی نہ نکالے پس اگر وہ خود نکل جائیں

تو تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں جو وہ اپنے لئے اچھائی سے کریں۔ اللہ تعالیٰ غالب اور حکیم ہے ○

بیوگان کے قیام کا مسئلہ: ☆☆ (آیت: ۲۴۰) اکثر مفسرین کا قول ہے کہ یہ آیت اس سے پہلے کی آیت اور اس سے پہلے کی آیت یعنی چار مہینے دس دن کی عدت والی آیت منسوخ ہو چکی ہے صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضرت ابن زبیرؓ نے حضرت عثمانؓ سے کہا کہ جب یہ آیت منسوخ ہو چکی ہے تو پھر آپؐ اسے قرآن کریم میں کیوں لکھوا رہے ہیں آپؐ نے فرمایا، مجھے جس طرح اگلے قرآن میں یہ موجود ہے یہاں بھی موجود ہی رہے گی۔ ہم کوئی تغیر و تبدل نہیں کر سکتے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں پہلے تو یہی حکم تھا کہ سال بھر تک نان و نفقہ اس بیوہ عورت کو میت کے مال سے دیا جائے اور اسی کے مکان میں یہ رہے۔ پھر آیت میراث نے اسے منسوخ کر دیا اور خاوند کی اولاد ہونے کی صورت میں مال متروکہ کا آٹھواں حصہ اور اولاد نہ ہونے کے وقت چوتھائی مال ورثہ کا مقرر کیا گیا اور عدت چار ماہ دس دن مقرر ہوئی۔ اکثر صحابہؓ اور تابعین سے مروی ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے، سعید بن مسیب کہتے ہیں سورہ احزاب کی آیت يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَرَكَتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ الْخُ نے اسے منسوخ کر دیا۔



حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں 'سات مہینے بیس دن جو اصلی عدت چار مہینے دس دن کے سوا کے ہیں' اس آیت میں اس مدت کا حکم ہو رہا ہے۔ عدت تو واجب ہے لیکن یہ زیادتی کی مدت کا عورت کو اختیار ہے خواہ وہ بیٹھ کر یہ زمانہ گزار دے خواہ نہ گزارے اور چلی جائے۔ میراث کی آیت نے رہنے سہنے کے مکان کو بھی منسوخ کر دیا۔ وہ جہاں چاہے عدت گزارے۔ مکان کا خرچ خاوند کے ذمہ نہیں۔ پس ان اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت نے سال بھر تک کی عدت کو واجب ہی نہیں کیا پھر منسوخ ہونے کے کیا معنی؟ یہ تو صرف خاوند کی وصیت ہے اور اسے بھی عورت پورا کرنا چاہے تو کرے ورنہ اس پر جبر نہیں، وصیت سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں وصیت کرتا ہے جیسے 'يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلَّهِ فِي الْأَوَّلَادِ نَصَبٌ لِّلرِّجَالِ وَلِلنِّسَاءِ نَصَبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصَبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصَبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصَبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ'۔ وصیت کی قرات یہی ہے یعنی کتب علیکم وصیۃ پس اگر عورتیں سال بھر تک اپنے فوت شدہ خاوندوں کے مکانوں میں رہیں تو انہیں نہ نکالا جائے اور اگر وہ عدت گزار کر جانا چاہیں تو ان پر کوئی جبر نہیں۔

امام بن حبیہؒ بھی اسی قول کو پسند فرماتے ہیں۔ اور بھی بہت سے لوگ اسی کو اختیار کرتے ہیں اور باقی کی جماعت اسے منسوخ بتاتی ہے۔ پس اگر ان کا ارادہ اصلی عدت کے بعد کے زمانہ کے منسوخ ہونے کا ہے تو خیر ورنہ اس بارے میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ وہ کہتے ہیں خاوند کے گھر میں عدت گزارنی ضروری ہے اور اس کی دلیل موطا مالک کی یہ حدیث ہے کہ حضرت ابوسعید خدریؓ کی ہمیشہ صاحبہ فریجہ بنت مالک رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں اور کہا 'ہمارے غلام بھاگ گئے تھے جنہیں ڈھونڈنے کے لئے میرے خاوند گئے۔ قدم میں ان غلاموں سے ملاقات ہوئی لیکن انہوں نے آپ کو قتل کر دیا۔ ان کا کوئی مکان نہیں جس میں عدت گزاروں اور نہ کچھ کھانے پینے کو ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو اپنے میکے چلی جاؤں اور یہیں عدت پوری کروں' آپؐ نے فرمایا اجازت ہے۔ میں لوٹی۔ ابھی تو میں حجرے میں ہی تھی کہ حضورؐ نے مجھے بلوایا یا خود بلوایا اور فرمایا تم نے کیا کہا۔ میں نے پھر قصہ بیان کیا۔ آپؐ نے فرمایا۔ اپنے گھر میں ہی بٹھری رہو یہاں تک کہ عدت گزار جائے چنانچہ میں نے وہیں عدت گزارنا پورا کیا یعنی چار مہینے دس دن۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں آپؐ نے مجھے بلوایا اور مجھ سے یہی مسئلہ پوچھا۔ میں نے اپنا یہ واقعہ حضورؐ کے فیصلے سمیت سنایا۔ حضرت عثمانؓ نے بھی اسی کی پیروی کی اور یہی فیصلہ دیا اس حدیث کو امام ترمذی حسن صحیح کہتے ہیں۔

وَلَمَّا طَلَّقْتَ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ﴿۲۳۱﴾ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿۲۳۲﴾

طلاق والیوں کو اچھی طرح فائدہ دینا پرہیز گاروں پر لازم ہے ○ اللہ تعالیٰ اسی طرح اپنی آیتیں تم پر ظاہر فرما رہا ہے تاکہ تم سمجھو ○

(آیت: ۲۳۱-۲۳۲) مطلقہ عورت کو فائدہ دینے کے بارے میں لوگ کہتے تھے کہ اگر ہم چاہیں دیں، چاہیں نہ دیں۔ اس پر یہ آیت اتری، اسی آیت سے بعض لوگوں نے ہر طلاق والی کو کچھ نہ کچھ دینا واجب قرار دیا ہے اور بعض دوسرے بزرگوں نے اسے ان عورتوں کے ساتھ مخصوص مانا ہے جن کا بیان پہلے گزر چکا یعنی جن عورتوں سے صحبت نہ ہوئی ہو اور مہر بھی نہ مقرر ہوا ہو اور طلاق دے دی جائے لیکن پہلی جماعت کا جواب یہ ہے کہ عام میں سے ایک خاص صورت کا ذکر کرنا اسی صورت کے ساتھ اس حکم کو مخصوص نہیں کرتا جیسے کہ مشہور اور منصوص مذہب ہے۔ واللہ اعلم۔

پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اسی طرح اپنی آیتیں حلال و حرام اور فرائض و حدود اور امر و نہی کے بارے میں واضح اور مفسر بیان کرتا ہے تاکہ کسی قسم کا ابہام اور اجمال باقی نہ رہے کہ ضرورت کے وقت انکے بیٹھو بلکہ اس قدر صاف بیان ہوتا ہے کہ ہر شخص سمجھ سکے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اَلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوتُوْا ثُمَّ اَحْيَاهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلٰى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ۝ وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضْعِفُهٗ لَهٗ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً ۝ وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُطُ ۚ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝

کیا تم نے انہیں نہیں دیکھا جو ہزاروں کی تعداد میں تھے اور موت کے ڈر کے مارے اپنے گھروں سے نکل کھڑے ہوئے تھے اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا مارجاؤ پھر انہیں زندہ کر دیا اللہ تعالیٰ لوگوں پر بڑے فضل والا ہے لیکن اکثر لوگ ناشکرے ہیں۔ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے رہا کرو اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ سنا جانتا ہے ○ ایسا بھی کوئی ہے جو اللہ تعالیٰ کو اچھا قرض دے اور اللہ تعالیٰ اسے بہت بڑا چھڑے عا کر عطا فرمائے اللہ ہی سچا اور کھادگی کرتا ہے اور تم سب اسی کی طرف لوٹاؤ جاؤ گے ○

موت اور زندگی ☆ ☆ (آیت: ۲۴۳-۲۴۵) ابن عباسؓ فرماتے ہیں یہ لوگ چار ہزار تھے۔ اور روایت میں ہے کہ آٹھ ہزار تھے بعض نو ہزار کہتے ہیں بعض چالیس ہزار بتاتے ہیں بعض تیس ہزار سے کچھ اوپر بتاتے ہیں یہ لوگ ذروروان نامی بستی کے تھے جو واسطہ کی طرف ہے۔ بعض کہتے ہیں اس بستی کا نام اذرعات تھا۔ یہ لوگ طاعون کے مارے اپنے شہر کو چھوڑ کر بھاگے تھے۔ ایک بستی میں جب پہنچے وہیں اللہ کے حکم سے سب مر گئے اتفاق سے ایک نبی اللہ کا وہاں سے گزر ہوا ان کی دعا سے اللہ تعالیٰ نے انہیں پھر دوبارہ زندہ کر دیا۔ بعض لوگ کہتے ہیں ایک چٹیل صاف اور ہوادار کھلے پر فضا میدان میں ٹھہرے تھے اور دوفرشتوں کی چیخ سے ہلاک کئے گئے تھے۔ جب ایک لمبی مدت گزر چکی ان کی ہڈیوں کا بھی چونا ہو گیا اسی جگہ بستی بس گئی۔ تب خرقیل نامی ایک نبی وہاں سے نکلے۔ انہوں نے دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی اور حکم دیا کہ تم کہو کہ اے بوسیدہ ہڈیو اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم سب جمع ہو جاؤ چنانچہ ہر جسم کی ہڈیوں کا ڈھانچہ کھڑا ہو گیا پھر اللہ کا حکم ہوا ندا کرو کہ اے ہڈیو اللہ فرماتا ہے کہ تم گوشت پوست رگیں بٹھو بھی جوڑ لو چنانچہ اس نبی اللہ کے دیکھتے ہوئے یہ بھی ہو گیا۔ پھر آواز آئی کہ اے روحو اللہ تعالیٰ کا تمہیں حکم ہو رہا ہے کہ ہر روح اپنے اپنے قدیم جسم میں آ جائے چنانچہ یہ سب جس طرح ایک ساتھ مرے تھے اسی طرح ایک ساتھ جی اٹھے اور بے ساختہ ان کی زبان سے نکلا سُبْحَانَكَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اے اللہ تو پاک ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں یہ دلیل ہے قیامت کے دن اسی جسم کے ساتھ دوبارہ جی اٹھنے کی۔ پھر فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا لوگوں پر بڑا بھاری فضل و کرم ہے کہ وہ زبردست ٹھوس نشانیاں اپنی قدرت قاہرہ کی دکھا رہا ہے لیکن باوجود اس کے بھی اکثر لوگ نافرمانے اور بے شکرے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی جگہ بچاؤ اور پناہ نہیں۔ یہ لوگ وبا سے بھاگے تھے اور زندگی کے حریص تھے تو اس کے خلاف عذاب آیا اور فوراً ہلاک ہو گئے۔

مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ جب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ شام کی طرف چلے اور سرخ میں پہنچے تو حضرت ابو عبیدہ بن جراح وغیرہ سرداران لشکر ملے اور خبر دی کہ شام میں آج کل وبا ہے چنانچہ اس میں اختلاف ہوا کہ اب وہاں جائیں یا نہ جائیں۔ بالاخر حضرت

عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب آئے اور فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جب وبا کسی جگہ آئے اور تم وہاں ہو تو وہاں سے اس کے ڈر سے مت بھاگو اور جب تم کسی جگہ وبا کی خبر سن لو تو تم وہاں مت جاؤ۔ حضرت عمر فاروقؓ نے یہ سن کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی۔ پھر وہاں سے واپس چلے گئے (بخاری و مسلم) ایک اور روایت میں ہے کہ یہ اللہ کا عذاب ہے جو اگلی امتوں پر ڈالا گیا تھا۔ ② پھر فرمایا کہ جس طرح ان لوگوں کا بھاگنا انہیں موت سے نہ بچا سکا اسی طرح جہاد سے منہ موڑنا بھی بیکار ہے۔ اجل اور رزق دونوں قسمت میں مقرر ہو چکے ہیں رزق نہ بڑھے نہ گھٹے، موت نہ پہلے آئے نہ پیچھے۔ اور جگہ ارشاد ہے کہ جو لوگ اللہ کی راہ سے اکٹھے بیٹھے ہیں اور اپنے ساتھیوں سے بھی کہتے ہیں کہ یہ مجاہد شہداء بھی اگر ہماری طرح رہتے تو مارے نہ جاتے ان سے کہو اگر تم سچے ہو تو ذرا اپنی جانوں سے بھی موت کو ہٹا دو۔ اور جگہ ہے کہ یہ لوگ کہتے ہیں الہ ہم پر لڑائی کیوں لکھ دی۔ کیوں نہ ہمیں ایک وقت تک فرصت دی جس کے جواب میں فرمایا کہ مضبوط برج بھی موت کے سامنے بیچ ہیں۔ اس موقع پر اسلامی لشکروں کے جیوٹ سردار اور بہادروں کے پیشوا اللہ کی تلوار اسلام کے پشت پناہ ابوسلیمان خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا وہ فرمان وارد کرنا بالکل مناسب وقت ہو گا جب آپ نے عین اپنے انتقال کے وقت فرمایا تھا کہ کہاں ہیں موت سے ڈرنے والے لڑائی سے جی چرانے والے نامر دودھ دیکھیں کہ میرا جوڑ جوڑ اللہ تعالیٰ کی راہ میں زخمی ہو چکا۔ سارے جسم میں کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں تیر تلوار نیزہ برچھانہ لگا ہو لیکن دیکھو کہ آج میں اپنے بستر میں فوت ہو رہا ہوں۔ میدان جنگ میں نہ رہا۔

اللہ کی راہ میں خرچ کرو: ☆☆ پھر پروردگار عالم اپنے بندوں کو اپنی راہ میں خرچ کرنے کی ترغیب دے رہا ہے جو جگہ بہ جگہ دی جاتی ہے حدیث نزول میں بھی ہے کون ہے جو ایسے اللہ کو قرض دے جو نہ مفلس ہے نہ ظالم اس آیت کو سن کر حضرت ابوالاصداح انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا تھا یا رسول اللہ کیا اللہ تعالیٰ ہم سے قرض طلب فرماتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا ہاں۔ فرمایا اپنا ہاتھ دیکھو۔ پھر ہاتھ میں ہاتھ لے کر کہا حضورؐ میں نے اپنا باغ جس میں چھ کھجور کے درخت ہیں اللہ تعالیٰ کو قرض دیا اور وہاں سے سیدھے اپنے باغ آئے اور باہر ہی کھڑے رہ کر اپنی بیوی صاحبہ کو آواز دی کہ بچوں کو لے کر باہر آ جاؤ۔ میں نے یہ باغ اللہ کی راہ میں دے دیا ہے (ابن ابی حاتم) قرض حسنہ سے مراد فی سبیل اللہ خرچ ہے اور ہاں بچوں کا خرچ بھی ہے اور تسبیح و تہلیل بھی ہے۔ پھر فرمایا کہ اللہ اسے دو گنا چو گنا کر کے دے گا جیسے اور جگہ ہے مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَلْحَ، یعنی اللہ کی راہ کے خرچ کی مثال اس دانہ جیسی ہے جس کی سات ہاں لکھیں اور ہر ہاں میں سات دانے ہوں اور اللہ اس سے بھی زیادہ جسے چاہے دیتا ہے۔ اس آیت کی تفسیر بھی عنقریب آئے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے ابو عثمان نہدیؓ پوچھتے ہیں میں نے سنا ہے کہ آپؐ فرماتے ہیں کہ ایک ایک نیکی کا بدلہ ایک ایک لاکھ نیکیوں کا ملتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا اس میں تعجب کیا کرتے ہو میں نے نبی اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ ایک نیکی کا بدلہ دو لاکھ کے برابر ملتا ہے (مسند احمد) لیکن یہ حدیث غریب ہے۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت ابو عثمان نہدیؓ فرماتے ہیں مجھ سے زیادہ حضرت ابو ہریرہؓ کی خدمت میں کوئی نہیں رہتا تھا آپؐ حج کو گئے پھر پیچھے سے میں بھی گیا بصرے پہنچ کر میں نے سنا کہ وہ لوگ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے مندرجہ بالا حدیث بیان کرتے ہیں۔ میں نے ان سے کہا اللہ کی قسم سب سے زیادہ آپؐ کا صحبت یافتہ میں ہوں میں نے تو کبھی بھی آپؐ سے یہ حدیث نہیں سنی پھر میرے جی میں آئی کہ چلو چل کر خود حضرت ابو ہریرہؓ سے پوچھ لوں۔ چنانچہ میں وہاں سے چلا۔ یہاں آیا تو معلوم ہوا کہ وہ حج کو گئے ہیں۔ میں صرف اس ایک حدیث کی خاطر مکہ کو چل کھڑا ہوا وہاں آپؐ سے ملاقات ہوئی۔ میں نے کہا حضرت یہ بصرے والے آپؐ سے کیسی روایت کرتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا واہ اس میں تعجب کی کون سی بات ہے۔ پھر یہی آیت پڑھی اور فرمایا کہ ساتھ ہی یہ قول باری بھی پڑھو

فَمَا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا قَلِيلٌ یعنی ساری دنیا کا اسباب بھی آخرت کے مقابلہ میں حقیر چیز ہے۔ اللہ کی قسم میں نے تو رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ ایک نیکی کے بدلے اللہ تعالیٰ دو لاکھ نیکیاں عطا فرماتا ہے اسی مضمون کی ترمذی کی یہ حدیث بھی ہے کہ جو شخص بازار میں جائے اور وہاں لا الہ الا اللہ وحده لا شریک له له الملك وله الحمد و هو علی کل شئی قدير پڑھے اللہ تعالیٰ اس کے لئے ایک لاکھ نیکیاں لکھتا ہے اور ایک لاکھ گناہ معاف فرماتا ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے مثل الذین اٰلُحْ کی آیت جب اتری تو حضور نے دعا کی کہ اے اللہ میری امت کو اور زیادتی عطا فرما۔ پس مَنْ ذَا الَّذِي اٰلُحْ کی آیت اتری۔ آپ نے پھر بھی یہی دعا کی تو اِنَّمَا يَوْ فِی الصَّبْرِ وَنَ اجْرُهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ کی آیت اتری۔ حضرت کعب احبار سے ایک شخص نے کہا میں نے ایک شخص سے یہ سنا ہے کہ جو شخص سورہ قل هو اللہ اٰلُحْ کو ایک دفعہ پڑھے اس کے لئے موتی اور یا قوت کے دس لاکھ محل جنت میں بنتے ہیں۔ کیا میں اسے سچ مان لوں۔ آپ نے فرمایا اس میں تعجب کی کون سی بات ہے بلکہ میں لاکھ اور بھی اور اس قدر کہ ان کی گنتی بجز جناب باری کے کسی کو معلوم ہی نہ ہو۔ پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا جب اللہ تعالیٰ اَضْعَافًا کَثِیْرَةً فرماتا ہے تو پھر مخلوق اس کی گنتی کی طاقت کیسے رکھے گی۔ پھر فرمایا رِزْقِ کی کمی بیشی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہوئے بخیلی نہ کر۔ وہ جسے دے اس میں بھی حکمت ہے اور نہ دے اس میں بھی مصلحت ہے تم سب قیامت کے دن اسی کی طرف لوٹنا چاہو گے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْ بَنِيْ اِسْرَآئِیْلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰی اِذْ  
 قَالُوْا لِنَبِیِّۨنَا اِیُّهُمْ اَبْعَثْ لَنَا مَلِکًا نُّقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ  
 اللّٰهِ قَالَ هَلْ عَسِیْتُمْ اِنْ کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْۤا  
 قَالُوْا وَمَا لَنَا اَلَّا نُقَاتِلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ  
 دِیَارِنَا وَاَبْنَاۤیْنَا فَلَ مَا کُتِبَ عَلَیْہُمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْۤا اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْہُمْ  
 وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ بِالظَّٰلِمِیۡنَ ﴿۝۱۰۰﴾

کیا تو نے حضرت موسیٰ کے بعد والی بنی اسرائیل کی جماعت کو نہیں دیکھا؟ جبکہ انہوں نے اپنے پیغمبر سے کہا کہ کسی کو ہمارا بادشاہ بنا دیجئے تاکہ ہم اللہ کی راہ میں جہاد کریں پیغمبر نے کہا ممکن ہے کہ جہاد فرض ہو جانے کے بعد تم جہاد نہ کرو انہوں نے کہا ہم راہ اللہ میں جہاد کیوں نہ کریں گے؟ ہم تو اپنے گھروں سے اجاڑے گئے ہیں اور بچوں سے دور کر دیئے گئے ہیں پھر جب ان پر جہاد فرض ہوا تو سوا تھوڑے سے لوگوں کے سب بھگ گئے اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جانتا ہے ○

بنی اسرائیل پر ایک اور احسان: ☆ ☆ (آیت: ۲۴۶) جس نبی کا یہاں ذکر ہے ان کا نام حضرت قتادہ نے حضرت یوشع بن نون بن افرایم بن یوسف بن یعقوب علیہم السلام بتایا ہے لیکن یہ قول کچھ ٹھیک نہیں معلوم ہوتا اس لئے کہ یہ واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بہت بعد کا حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے کا ہے جیسے کہ صراحتاً وارد ہوا ہے اور حضرت داؤد اور حضرت موسیٰ کے درمیان ایک ہزار سال سے زیادہ کا فاصلہ ہے واللہ اعلم۔ سدی کا قول ہے کہ یہ پیغمبر حضرت شمعون ہیں مجاہد کہتے ہیں یہ شمویل بن یابی بن حلقمہ بن صفیہ بن علقمہ بن ابوہاشم بن قارد بن یصھر بن فاحث بن لاوی بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم غلیل اللہ علیہ السلام ہیں واقعہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ کے بعد کچھ زمانہ تک تو بنی اسرائیل راہ حق پر رہے پھر شرک و بدعت میں پڑ گئے مگر تاہم ان میں پے در پے انبیاء مبعوث ہوتے رہے یہاں

تک کہ بنی اسرائیل کی بے باکیاں حد سے گزر گئیں اب اللہ تعالیٰ نے ان کے دشمنوں کو ان پر غالب کر دیا۔ خوب پٹے کٹے اور اجڑے لئے۔ پہلے تو رات کی موجودگی تاہوت سیکنے کی موجودگی جو حضرت موسیٰ سے موروثی چلی آتی تھی ان کے لئے باعث غلبہ ہوتی تھی مگر ان کی سرکشی اور بدترین گناہوں کی وجہ سے اللہ جل شانہ کی یہ نعمت بھی ان کے ہاتھوں چھین گئی اور نبوت بھی ان کے گھر میں ختم ہوئی۔

لاوی جن کی اولاد میں پیغمبری کی نسل چلی آ رہی تھی وہ سارے کے سارے لڑائیوں میں مرکب گئے۔ ان میں سے صرف ایک حاملہ عورت رہ گئی تھی ان کے خاوند بھی قتل ہو چکے تھے اب بنی اسرائیل کی نظریں اس عورت پر تھیں انہیں امید تھی کہ اللہ اسے لڑکا دے اور وہ لڑکا نبی بنے، خود ان بیوی صاحبہ کی بھی دن رات یہی دعا تھی جو اللہ نے قبول فرمائی اور انہیں لڑکا دیا جن کا نام شموئیل یا شمعون رکھا اس کے لفظی معنی ہیں کہ اللہ نے میری دعا قبول فرمائی، نبوت کی عمر کو پہنچ کر انہیں بھی نبوت ملی، جب آپ نے دعوت نبوت دی تو قوم نے درخواست کی کہ کسی کو آپ ہمارا بادشاہ مقرر کر دیجئے تاکہ ہم اس کی ماتحتی میں جہاد کریں بادشاہ تو ظاہر ہو ہی گیا تھا لیکن پیغمبر نے اپنا کھٹکا بیان کیا کہ کہیں تم پھر جہاد سے جی نہ چراتے؟ قوم نے جواب دیا کہ حضرت ہمارے ملک ہم سے چھین لئے گئے ہمارے بال بچے گرفتار کئے گئے اور پھر بھی کیا ہم ایسے بے حمیت ہیں کہ مرنے مارنے سے ڈریں؟ اب جہاد فرض کر دیا گیا اور حکم ہوا کہ اس بادشاہ کے ساتھ اٹھو بس سنتے ہی سن ہو گئے اور سوائے معدودے چند کے باقی سب نے منہ موڑ لیا ان سے یہ کوئی نئی بات نہ تھی جس کا اللہ کو علم نہ ہو۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا  
قَالُوا أَنَّى يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ  
وَلَمْ يُولَدْ سَعَةً مِنَ الْمَالِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ ابْتَلَاكُمْ بِنَهَرٍ  
وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ وَاللَّهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ مَنْ يَشَاءُ  
وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ

انہیں ان کے نبی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے طالوت کو تمہارا بادشاہ بنا دیا ہے تو کہنے لگے بھلا اسے ہم پر حکومت کیسے ہو سکتی ہے؟ اس سے تو بہت زیادہ حقدار بادشاہت کے ہم ہیں اسے تو مالی کشادگی بھی نہیں دی گئی، نبی نے فرمایا سنو اللہ تعالیٰ نے اسی کو تم پر برگزیدہ کیا ہے اور اسے علمی اور جسمانی بزرگی بھی عطا فرمائی ہے بات یہ ہے کہ اللہ جسے چاہے اپنا ملک دے اللہ تعالیٰ کشادگی والا اور علم والا ہے ○

خوئے بدر ابراہانہ بسیار: ☆ ☆ (آیت: ۲۴۷) مطلب یہ ہے کہ جب انہوں نے کسی کو اپنا بادشاہ بنا دینے کی خواہش اپنے پیغمبر سے کی تو پیغمبر نے حکم الہ حضرت طالوت کو پیش کیا جو شاہی خاندان سے نہ تھے۔ ایک لشکری تھے شاہی خاندان یہود کی اولاد تھی اور یہ ان میں سے نہ تھے تو قوم نے اعتراض کیا کہ حقدار بادشاہت کے تو اس سے بہت زیادہ ہم ہیں۔ پھر دوسری بات یہ کہ اس کے پاس مال بھی نہیں۔ مفلس شخص ہے۔ بعض کہتے ہیں یہ سچے تھے۔ کسی نے کہا ہے یہ دباغ تھے پس پہلی سرکشی تو اعتراض کی صورت میں احکام نبوی کے سامنے ان سے یہ ہوئی، پیغمبر نے انہیں جواب دیا کہ یہ تعین میری رائے سے نہیں جس میں میں دوبارہ غور کر سکوں۔ یہ تو اللہ جل شانہ کا حکم ہے جس کی بجا آوری ضروری ہے۔ پھر ظاہر ابھی وہ تم میں بڑے عالم ہیں اور قوی اور طاقتور، کھیل و جیل و شجاع اور بہادر اور لڑائی کے فنون سے پورے واقف کار ہیں۔ یہاں سے یہ بھی ثابت ہوا کہ بادشاہ ذی علم، کھیل، قوی، طاقتور بڑے دل و دماغ والا ہونا چاہئے۔ پھر فرمایا کہ اصلی اور حقیقی حاکم اللہ

تعالیٰ ہی ہے۔ ملک کا مالک فی الواقع وہی ہے۔ جسے چاہے ملک دے۔ وہ علم و حکمت والا رافت و رحمت والا ہے اس سے کس کی مجال ہے کہ سوال کرے؟ جو چاہے کرے۔ سب سے سوال کرنے والا کوئی نہ کوئی ہے لیکن پروردگار اس سے مستغنی ہے وہ وسیع فضل والا اپنی نعمتوں سے جسے چاہے مخصوص کرے وہ علم والا ہے۔ خوب جانتا ہے کہ کون کس چیز کا مستحق ہے اور کسے کس چیز کا استحقاق نہیں۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِّنْ رَبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لَّكُمْ إِن كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ ﴿٢٢٨﴾

ان کے نبی نے انہیں پھر کہا کہ ان کی بادشاہت کی ظاہر نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس وہ صندوق آجائے گا جس میں تمہارے رب کی طرف سے دلجمعی ہے اور آل موسیٰ اور آل ہارون کا بقیہ ترکہ ہے فرشتے اسے اٹھا کر لائیں گے یقیناً یہ تو تمہارے لئے مکمل دلیل ہے اگر تم ایمان دار ہو ○

تابوت سکینہ اور جنگ طاوت و جالوت: ☆ ☆ (آیت: ۲۲۸) نبی علیہ السلام فرما رہے ہیں کہ طاوت کی بادشاہت کی پہلی علامت بابرکت یہ ہے کہ کھویا ہوا تابوت سکینہ انہیں پھر مل جائے گا جس میں وقار و عزت و دلجمعی اور جلالت رافت و رحمت ہے۔ جس میں اللہ کی نشانیاں ہیں جنہیں تم بخوبی جانتے ہو۔ بعض کا قول ہے کہ سکینہ ایک سونے کا طشت تھا جس میں انبیاء کے دل دھوئے جاتے تھے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ملا تھا اور جس میں آپ نے توریت کی تختیاں رکھی تھیں کسی نے کہا ہے اس کا منہ بھی تھا جیسے انسان کا منہ ہوتا ہے اور روح بھی تھی۔ ہوا بھی تھی۔ دوسرے۔ دو پر تھے اور دم بھی تھی وہ ب کہتے ہیں مردہ بلی کا سر تھا۔ جب وہ تابوت میں بولتا تو انہیں نصرت کا یقین ہو جاتا اور لڑائی فتح ہو جاتی۔ یہ قول بھی ہے کہ یہ ایک روح تھی۔ اللہ کی طرف سے۔ جب کبھی بنی اسرائیل میں کوئی اختلاف پڑتا یا کسی بات کی اطلاع نہ ہوتی وہ کہہ دیا کرتی تھی۔ حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کے درٹے کے باقی حصے سے مراد کٹڑی اور توراۃ کی تختیاں اون اور کچھ ان کے کپڑے اور جوتی ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ فرشتے آسمان و زمین کے درمیان اس تابوت کو اٹھائے ہوئے سب لوگوں کے سامنے لائے اور حضرت طاوت بادشاہ کے سامنے لا رکھا اس تابوت کو ان کے ہاں دیکھ کر انہیں نبیؑ کی نبوت اور طاوت کی بادشاہت کا یقین ہو گیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ گائے کے اوپر لایا گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ کفار نے جب یہودیوں پر غلبہ پایا تو تابوت سکینہ کو ان سے چھین لیا اور اریحا میں لے گئے اور اپنے بڑے بت کے نیچے رکھ دیا۔ جب اللہ کو اسے واپس بنی اسرائیل تک پہنچانا تھا تب وہ کفار صبح کو جب بت خانے میں گئے تو دیکھا کہ بت نیچے ہے اور تابوت اوپر ہے۔ انہوں نے پھر بت کو اوپر کر دیا۔ صبح جو جب گئے تو دیکھا کہ بت ایک طرف ٹوٹا پھوٹا پڑا ہے تو یقین ہو گیا کہ یہ قدرت کے کرشمے ہیں چنانچہ انہوں نے تابوت کو یہاں سے لے جا کر کسی اور چھوٹی سی بستی میں رکھ دیا۔ وہاں ایک وبائی بیماری پھیلی۔ آخر بنی اسرائیل کی ایک عورت نے جو وہاں قید تھی انہیں کہا کہ اسے واپس بنی اسرائیل کو پہنچا دو تو تمہیں اس سے نجات ملے گی۔ ان لوگوں نے دو گائیوں پر تابوت کو رکھ کر بنی اسرائیل کے شہر کی طرف بھیج دیا۔ شہر کے قریب پہنچ کر گائیں تو رسیاں تڑوا کر بھاگ گئیں اور تابوت وہیں رہا جسے بنی اسرائیل لے آئے۔ بعض کہتے ہیں۔ دو

نوجوان اسے پہنچا گئے واللہ اعلم (لیکن الفاظ قرآن میں یہ موجود ہے کہ اسے فرشتے اٹھا لائیں گے۔ مترجم) یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ فلسطین کی بستیوں میں سے ایک بستی میں تھا جس کا نام ازدودہ تھا۔ پھر فرماتا ہے میری نبوت کی دلیل اور طاوت کی بادشاہت کی دلیل یہ بھی ہے کہ تابوت فرشتے پہنچا جائیں گے اگر تمہیں اللہ عزوجل پر اور قیامت پر ایمان ہو۔

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ مُبْتَلِيكُمْ بِنَهَرٍ  
فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي وَمَنْ لَمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّي إِلَّا  
مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهِ فَشَرِبُوا مِنْهُ إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ فَلَمَّا  
جَاوَزَهُ هُوَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ قَالُوا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ  
بِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ قَالَ الَّذِينَ يُظُنُّونَ أَنَّهُم مُّلْقَوُا اللّٰهُ كَمَ مِنْ  
فِتْنَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةٌ كَثِيرَةٌ بِإِذْنِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِينَ ٥٥

جب (حضرت) طاوت لشکروں کو لے کر نکلے تو کہا سو اللہ تعالیٰ تمہیں ایک نہر سے آزمانے والا ہے جس نے اس میں سے پانی پی لیا وہ میرا نہیں اور جو اسے نہ چکے وہ میرا ہے ہاں یہ اور بات ہے کہ اپنے ہاتھ سے ایک چلو بھر لے، لیکن سوائے چند کے باقی سب نے پی لیا، حضرت طاوت ایمانداروں سمیت جب نہر سے گزر گئے تو وہ لوگ کہنے لگے آج تو ہم میں طاقت نہیں کہ جالوت اور اس کے لشکروں سے لڑیں۔ اللہ کی ملاقات پر یقین رکھنے والوں نے کہا بسا اوقات چھوٹی اور تھوڑی جماعتیں بڑی اور بہت سی جماعتوں پر اللہ کے حکم سے غلبہ پالیتی ہیں اللہ تعالیٰ مبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ○

نہر الشریعہ: ☆☆ (آیت: ۲۳۹) اب واقعہ بیان ہو رہا ہے کہ جب ان لوگوں نے طاوت کی بادشاہت تسلیم کر لی اور وہ انہیں لے کر جہاد کو چلے۔ حضرت سدیؒ کے قول کے مطابق ان کی تعداد اسی ہزار تھی۔ راستے میں طاوت نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ایک نہر کے ساتھ آزمانے والا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کے قول کے مطابق یہ نہر اردن اور فلسطین کے درمیان تھی۔ اس کا نام نہر الشریعہ تھا، طاوت نے انہیں ہوشیار کر دیا کہ اس نہر کا پانی کوئی نہ پئے۔ اگر پی لے گا تو میرے ساتھ نہ چلے۔ ایک آدھ گھنٹ اگر کسی نے پی لیا تو کچھ حرج نہیں۔ لیکن جب وہاں پہنچے پیاس کی شدت تھی۔ نہر پر جھک پڑے اور خوب پیٹ بھر کر پانی پی لیا مگر کچھ لوگ ایسے پختہ ایمان والے بھی تھے کہ جنہوں نے نہ پیا۔ ایک چلو پی لیا۔ بقول حضرت ابن عباسؓ کے ایک چلو پینے والوں کی تو پیاس بھی بجھ گئی اور وہ جہاد میں بھی شامل رہے لیکن پوری پیاس بجھانے والوں کی نہ تو پیاس بجھی نہ وہ قابل جہاد رہے سدیؒ فرماتے ہیں اسی ہزار میں سے چھتر ہزار نے پانی پی لیا۔ صرف چار ہزار آدمی حقیقی فرمانبردار نکلے۔

حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں کہ اصحاب محمد ﷺ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ بدر کی لڑائی والے دن ہماری تعداد اتنی ہی تھی جتنی تعداد حضرت طاوت بادشاہ کے اس فرمانبردار لشکر کی تھی جو آپ کے ساتھ نہر سے پار ہوا تھا یعنی تین سو تیرہ۔ یہاں سے پار ہوتے ہی نافرمانوں کے چکے چھوٹ گئے اور نہایت بزدلانہ پن سے انہوں نے جہاد سے انکار کر دیا اور دشمنوں کی زیادتی نے ان کے حوصلے توڑ دیے۔ صاف جواب دے بیٹھے کہ آج تو ہم جالوت کے لشکر سے لڑنے کی طاقت اپنے میں نہیں پاتے۔ گو سرفروش مجاہد علماء کرام نے انہیں ہر طرح ہمت بندھوائی۔ وعظ کہے۔ فرمایا کہ قلت و کثرت پر فتح موقوف نہیں۔ صبر پر اور نیک نیتی پر ضرور اللہ کی امداد ہوتی ہے بار بار ایسا ہوا ہے کہ مٹھی



بھر لوگوں نے بڑی بڑی جماعتوں کو نیچا دکھا دیا ہے۔ تم صبر کرو۔ طبیعت میں استقلال اور عزم رکھو۔ اللہ کے وعدوں پر نظریں رکھو اس صبر کے بدلے اللہ تمہارا ساتھ دے گا لیکن تاہم ان کے سرِ دل نہ گرمائے اور ان کی بزدلی دور نہ ہوئی۔

وَلَمَّا بَرَزُوا لِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ قَالُوا رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا  
وَوَثِّبْتَ أَقْدَامَنَا وَانْصَرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ۝۵۱  
يَا ذِينَ اللَّهِ وَقَتْلَ دَاوُدَ جَالُوتَ وَاتَّهَى اللَّهُ الْمَلِكَ وَالْحِكْمَةَ  
وَعَلَّمَهُ مِمَّا يَشَاءُ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ  
لَفَسَدَتِ الْأَرْضُ وَلَكِنَّ اللَّهَ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِينَ ۝۵۲  
تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ نَتْلُوهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ۝۵۳

جب ان کا جالوت اور اس کے لشکر سے مقابلہ ہوا تو انہوں نے دعا مانگی کہ اے پروردگار ہمیں صبر دے، ثابت قدمی دے اور قوم کفار پر ہماری مدد فرما۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے انہوں نے جالوتیوں کو ہرا دیا اور حضرت داؤدؑ کے ہاتھوں جالوت قتل ہوا اور اللہ تعالیٰ نے داؤد کو مملکت و حکمت اور جتنا کچھ چاہا علم بھی عطا فرمایا۔ اگر اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو بعض سے دفع نہ کرتا تو زمین میں فساد پھیل جاتا لیکن اللہ تعالیٰ دنیا والوں پر بڑے فضل و کرم کرنے والا ہے۔ یہ ہیں اللہ تعالیٰ کی آیتیں جنہیں ہم حقانیت کے ساتھ پغیر پڑھتے ہیں بالیقین تو رسولوں میں سے ہے ○

جالوت مارا گیا: ☆☆ (آیت: ۲۵۰-۲۵۲) یعنی جس وقت مسلمانوں کی اس مختصر جماعت نے کفار کے ٹڈی دل لشکر دیکھے تو جناب باری میں گڑگڑا کر دعائیں کرنی شروع کیں کہ اے اللہ ہمیں صبر و ثبات کا پہاڑ بنادے۔ لڑائی کے وقت ہمارے قدم جمادے۔ منہ موڑنے اور بھاگنے سے ہمیں بچالے اور ان دشمنوں پر ہمیں غالب کر۔ چنانچہ ان کی عاجزانہ اور مخلصانہ دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ اللہ کی مدد نازل ہوتی ہے اور یہ مٹھی بھر جماعت اس ٹڈی دل لشکر کو بے بس نہس کر دیتی ہے اور حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھوں مخالفین کا سردار اور سر تاج جالوت مارا جاتا ہے اسرائیلی روایتوں میں یہ بھی مروی ہے کہ حضرت طالوت نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ اگر جالوت کو قتل کرو گے تو میں اپنی بیٹی تمہارے نکاح میں دوں گا اور اپنا آدھا مال بھی تمہیں دے دوں گا اور حکومت میں بھی برابر شریک کر لوں گا چنانچہ حضرت داؤدؑ نے پھر کو فلاح میں رکھ کر جالوت پر چلایا اور اسی سے وہ مارا گیا۔ حضرت طالوت نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ بالآخر سلطنت کے مستقل سلطان آپ ہی ہو گئے اور پروردگار عالم کی طرف سے بھی نبوت جیسی زبردست نعمت عطا ہوئی اور حضرت شموئیل کے بعد یہ پیغمبر بھی بنے اور بادشاہ بھی۔ حکمت سے مراد نبوت ہے اور بہت سے مخصوص علم بھی جو اللہ عز و جل نے چاہے اپنے اس نبی کو سکھائے۔

پھر ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے کہ اگر تعالیٰ یوں پست لوگوں کی پستی نہ بدلتا جس طرح بنی اسرائیل کو طالوت جیسے مدبر بادشاہ اور داؤد جیسے دلیر سپہ سالار عطا فرما کر حکومت تبدیل نہ کرتا تو لوگ ہلاک ہو جاتے جیسے اور جگہ ہے وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا یعنی یوں اگر ایک دوسرے کا دفعیہ نہ ہو تو عبادت خانے اور وہ مسجدیں جن میں اللہ تبارک و تعالیٰ کا نام بہ کثرت ذکر کیا جاتا ہے تو زدی جائیں۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ایک نیک بخت ایماندار کی وجہ سے اس کے آس پاس کے سو سو گھرانوں سے اللہ تعالیٰ بلاؤں کو دور کر دیتا ہے۔ پھر راوی حدیث حضرت



عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی آیت کی تلاوت کی (ابن جریر) لیکن اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔

ابن جریر کی ایک اور غریب حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک سچے مسلمان کی صلاحیت کی وجہ سے اس کی اولاد کی اولاد کو اس کے گھر والوں کو اور آس پاس کے گھر والوں کو سنوار دیتا ہے اور اس کی موجودگی تک وہ سب اللہ کی حفاظت میں رہتے ہیں۔ ابن مردویہ کی ایک حدیث میں ہے کہ قیامت تک ہر زمانہ میں ساٹھ شخص تم میں ضرور ایسے رہیں گے جن کی وجہ سے تمہاری مدد کی جائے گی اور تم پر بارش برسائی جائے گی اور تمہیں روزی دی جائے گی، ابن مردویہ کی دوسری حدیث میں ہے، میری امت میں تیس ابدال ہوں گے جن کی وجہ سے تم روزیاں دیئے جاؤ گے۔ تم پر بارشیں برسائی جائیں گی اور تمہاری مدد کی جائے گی، اس حدیث کے راوی حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ میرا خیال ہے، حضرت حسنؓ بھی انہی ابدال میں سے تھے۔ پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی یہ نعمت اور اس کا احسان ہے کہ وہ ایک کو دوسرے دفع کرتا ہے، وہی سچا حاکم ہے۔ اس کے تمام کام حکمت سے پر ہوتے ہیں۔ وہ اپنی دلیلیں اپنے بندوں پر واضح فرما رہا ہے، وہ تمام مخلوق پر فضل و کرم کرتا ہے۔ یہ واقعات اور یہ تمام حق کی باتیں اے نبی ہماری سچی وحی تمہیں معلوم ہوئیں۔ تم میرے سچے رسول ہو۔ میری ان باتوں کی اور خود آپ کی نبوت کی سچائی کا علم ان لوگوں کو بھی ہے جن کے ہاتھوں میں کتاب ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے زوردار پر تاکید الفاظ میں قسم کھا کر اپنے نبی کی نبوت کی تصدیق کی۔ فالحمد للہ

الحمد للہ تفسیر محمدی کا دوسرا پارہ ختم ہوا۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ اب تیسرے پارہ کی تفسیر شروع ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ اسے بھی پورا کرے اور ہم سب کو اپنے کلام پاک کی صحیح سمجھ عنایت فرمائے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین الہ الحق آمین۔